DATE LABEL

صحیفہ مطبوعات مکتبہ فرقانیہ

سلسلۂ دار المصنفین

(نمبر ۵۱)

مقالات شبلی

(تاریخی حصۂ دوم)

جلد ششم

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

کے

اُن تاریخی مضامین کا مجموعہ جو انھوں نے اہم تاریخی مباحث پر لکھے اور
جن کو رسائل شبلی اور مقالات شبلی سے یکجا کیا گیا ہے،

باہتمام مولوی مسعود علی ندوی

در مطبع معارف اعظمگڈھ طبع شد

سنہ ۱۳۷۱ھ
۱۹۵۱ء

فہرست مضامین

مقالاتِ شبلی (تاریخی حصہ دوم) جلد ششم

شمار	مضمون	صفحہ
۱	تراجم	۱ - ۱۱۲
۲	کتب خانۂ اسکندریہ،	۱۱۳ - ۱۵۱
۳	اسلامی کتب خانے،	۱۵۲ - ۱۶۵
۴	اسلامی حکومتیں اور شفاخانے،	۱۶۶ - ۱۹۳
۵	ہندوستان میں اسلامی حکومت کے تمدن کا اثر،	۱۹۴ - ۲۱۶
۶	مسلمانوں کی علمی بے تعصبی اور ہماری ہندو بھائیوں کی ناسپاسی	۲۱۷ - ۲۲۴
۷	پلیٹکس اور مسلمان	۲۲۵ - ۲۴۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تراجم

مسلمانوں کو آج کل غیر قوموں سے جو اجتناب ہے اور جس کی وجہ سے وہ دنیا کے تمام مفید علوم و فنون سے محروم ہیں، اس کے لحاظ سے حقیقت میں مشکل سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے کسی زمانہ میں غیر زبانوں سے کچھ فائدہ اٹھایا ہوگا لیکن واقعہ یہ ہے اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ عہد وسطیٰ میں مسلمانوں نے دنیا کی تمام قوموں کا علمی سرمایہ اپنی زبان میں منتقل کرلیا تھا اور اگر دنیا میں مسلمانوں کا قدم نہ آتا تو یونان، مصر، ہند، فارس کے تمام علمی ذخیرے آج برباد ہو چکے ہوتے، چونکہ اس واقعہ سے یورپ کو بھی انکار نہیں ہوسکتا تھا اسلئے عیسائی مورخوں نے اس امر کی نسبت بہت بحثیں کی ہیں، کہ مسلمانوں نے کسی زمانہ میں غیر زبانوں پر اس قدر کیوں توجہ کی تھی؟ اور قبل اورینٹل کانفرنس میں ایک فرنچ مضمون نگار نے اس بحث پر ایک آرٹیکل پیش کیا تھا، نوفل آفندی نے جو بیروت کا ایک عیسائی مورخ ہے اور جس نے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن پر صناجۃ الطرب نام ایک مستقل کتاب لکھی ہے، مسلمانوں کی علمی ترقی کے ذکر میں لکھتا ہے کہ

"یہ امر نہایت تعجب انگیز ہے کہ اہلِ عرب جو ہر قدم پر تہذیب و تمدن کو برباد

کرتے جاتے تھے جنھوں نے حضرت عمرؓ کے اشارے سے اسکندریہ کے کتبخانہ کو برباد کیا جنھوں نے حضرت عثمانؓ کے حکم سے فارس کے علوم وفنون تباہ کردیئے، جن کے علَمِ فتح کے نصب ہوتے ہی انطاکیہ وبیروت کے مدرسے فنا ہوگئے، جنھوں نے ۱۰۱ھ میں دمشق کا کالج برباد کردیا، جنھوں نے مصر کی مشہور یادگاروں **اہرام** اور **ابوالہول** کو مٹادینا چاہا، ان کو غیر قوموں کے علوم وفنون پر کیونکر توجہ ہوئی؟ مصنفِ مذکور اس عقدہ کو اس طرح حل کرتا ہے کہ اہلِ عرب زمانۂ جاہلیت سے نجوم اور پیشین گوئیون کے معتقد تھے، خلفاء کے دربار میں جو عیسائی اور یہودی طبیب ملازم تھے انھون نے خلفار کو یہ یقین دلایا کہ اگر یونان وغیرہ کی کتابیں ترجمہ ہوجائیں تو علم **نجوم** کے ذریعہ سے بہت سی باتیں جو پردۂ غیب میں ہیں معلوم ہوجائیں گی، یہ شوق تھا جس نے اہلِ عرب کو غیر زبانوں کے ترجمہ پر مائل کیا،

اس موقع پر ہم مورخِ مذکور کی اُن بہیم افتراؤں سے بحث نہیں کرتے جن کا اس نے اس موقع پر مینہ برسادیا ہے، البتہ اصل مسئلہ غور کے قابل ہے، اور ہم اس کے متعلق کسی قدر تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مسلمانون کے موجودہ تعصب اور تنگ حوصلگی سے اس قسم کے قیاسات پیدا کرنے بعید نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسلمان جب مسلمان تھے تو انھون نے کبھی غیر قوموں اور غیر زبانوں سے کسی قسم کا تعصب نہیں ظاہر کیا، اوروں کا تو کیا ذکر ہے خود شارع علیہ السّلام نے غیر قوموں کی بہت سی باتیں پسند فرمائیں اور اختیار کیں، جنگِ احزاب میں حضرت سلمانؓ فارسی نے جب ایران کے طریقہ کے موافق خندق کھودنے اور طائف کے محاصرہ میں منجنیق کے استعمال کرنے کا مشورہ دیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بے تکلف منظور فرمایا، اور اس پر عمل کیا، ملکی انتظامات میں بھی آپ نے غیر قوموں کے اصول وآئین پسند فرمائے، اور اختیار کئے، شاہ ولی اللہ صاحب جن سے

بڑھ کر محدث اور اسرارِ شریعت کا نکتہ شناس کون ہوگا، تحریر فرماتے ہیں کہ وکان قباد وابنہ نوشیروان وضعا علیہم الخراج والعشر فجاء الشرع بنحو من ذالک[1] یعنی قباد اور اس کے بیٹے نوشیرواں نے لوگوں پر خراج اور عشر لگایا تھا، تو شریعتِ اسلامی نے بھی اسکے قریب قریب حکم دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چونکہ یہودیوں سے اکثر خط وکتابت رہتی تھی اس لئے آپ نے زید بن ثابتؓ کو حکم دیا اور انھوں نے عبرانی زبان سیکھ لی[2] حضرت زیدؓ نے اسی قسم کی ضرورتوں سے سریانی زبان بھی سیکھ لی تھی، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب فتوحات کو نہایت ترقی ہوئی تو ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے سلاطین کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج اور خزانہ کا جداگانہ دفتر مرتب رہتا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی اصول کے موافق فوج اور خزانہ کا دفتر قائم کیا، یہاں تک کہ نام بھی وہی عجمی یعنی **دیوان** رکھا جو بعینہ فارسی لفظ ہے، صحابہؓ میں سے بہتوں نے فارسی زبان سیکھ لی تھی، چنانچہ ہرمزان جو عجم کا ایک رئیس تھا جب حضرت عمرؓ کے دربار میں آیا تو مغیرہؓ نے فارسی میں اس سے سوال وجواب کئے ہیں[3]

غرض یہ امر محتاجِ شہادت نہیں کہ قرنِ اول کے مسلمانوں نے جب موقع اور ضرورت ہوئی تو معاشرت اور تمدن کے متعلق بے تکلف غیر قوموں کے اصول اور آئین اختیار کئے، البتہ تاریخی طور سے یہ امر بحث طلب ہے کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کے علوم وفنون پر کس زمانہ میں توجہ کی اور کن اسباب سے کی،

اصل یہ ہے کہ ابتدا ہی میں مسلمانوں کو فتوحات کی وسعت کی وجہ سے مختلف قوموں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا اور جس قدر یہ روابط بڑھتے گئے اسی قدر ان کو دوسری قوموں کے علوم وفنون اور خیالات سے زیادہ واقفیت ہوتی گئی، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب **مصر** فتح ہوا تو وہاں وہ

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۱۱ [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۷۹ وصفحہ ۴۷۸ [3] ایضاً صفحہ ۴۵۲،

یونانی مشہور فلاسفر موجود تھا جس کو انگریزی میں جان اور عربی میں یحییٰ نحوی کہتے ہیں[1]، وہ حضرت عمرو ابن العاصؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عمرو بن العاصؓ نے اس کی نہایت قدر و عزت کی، چنانچہ وہ اکثر ان سے ملتا رہتا تھا، اور یہ اس کی علمی تقریریں سن کر محظوظ ہوتے تھے[2]، امیر معاویہؓ نے اپنے عہد حکومت میں غیر قوموں کو زیادہ دخل دیا، ان سے پہلے کسی خلیفہ نے دفتر خراج کے سوا عیسائیوں اور یہودیوں کو کوئی ملکی خدمت نہیں دی تھی، انھوں نے ایک عیسائی کو دربار کا میر منشی مقرر کیا اور ابن آثال ایک عیسائی کو ضلع حمص کی کلکٹری کی خدمت دی، ابن آثال طبیب بھی تھا، اس نے امیر معاویہؓ کیلئے طب کی بعض کتابیں یونانی زبان سے ترجمہ کیں، اور گویا یہ ترجمہ کے رواج کا پہلا دیباچہ تھا،

اگرچہ یہ وہ زمانہ تھا کہ اسلامی علوم و فنون یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، انساب، اس حد تک پہونچ گئے تھے کہ سیکڑوں آدمی ان کے پڑھنے پڑھانے میں مصروف تھے، اور بجز اس کے کہ تصنیف و تالیف کا رواج نہیں ہوا تھا تعلیم و تعلم میں اور کسی بات کی کمی نہ تھی لیکن اب تک اہل عرب نے غیر قوموں کے علوم و فنون حاصل کرنے کی طرف خاص توجہ نہیں کی تھی، امیر معاویہؓ کا پوتا خالد جو اسلامی علوم و فنون میں یکتا تھا، اس نے فن طب اور کیمیا میں کمال پیدا کرنا چاہا، اور چونکہ اس وقت علمی طور سے اس فن کے ماہر عیسائی یا یہودی تھے خالد کو عیسائی طبیبوں کی شاگردی کرنی پڑی، اس تعلق سے اس نے غیر قوموں کے اور علوم سے بھی واقفیت حاصل کی، ایک یونانی راہبان سے جس کا نام مریانس تھا اس نے علم کیمیا سیکھا، اور خود اس فن میں تین مختصر کتابیں لکھیں، ایک کتاب میں اس نے مریانس سے تعلیم پانے کا ذکر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، خالد کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے بڑے حوصلہ کے ساتھ غیر زبانوں کے ترجمہ پر توجہ کی، اس زمانہ میں فلسفہ وغیرہ کی تعلیم یونان سے منتقل ہو کر مصر میں آگئی تھی، اور یونانی نسل کے بڑے بڑے حکما، اور اہل فن یہیں کے مدرسوں

[1] اس کا مفصل حال اور اس کی تصنیفات کا ذکر آگے آئیگا [2] کتاب الفہرست صفحہ ۲۵۴ و طبقات الاطباء ذکر یحییٰ نحوی

میں پڑھتے پڑھاتے تھے، اور چونکہ مصر جس دن سے اسلام کے قبضہ میں آیا تھا اسی وقت سے وہاں عربی زبان رواج پانے لگی تھی، یہاں تک کہ تھوڑے دن کے بعد کل مصر کی زبان قبطی کے بجائے عربی ہوگئی، اسی لئے ان حکما میں بہت سے ایسے بھی تھے جو عربی زبان لکھ پڑھ سکتے تھے، خالد نے ان لوگوں کو بلاکر یونانی اور قبطی زبان کی کتابوں کے ترجمہ پہ مامور کیا[ل]، علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ اسلام میں یہ پہلا موقع ہے کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کیا گیا، خالد کے عہد کا مشہور مترجم اصطفن تھا، معلوم ہوتا ہے کہ خالد کی اس کوشش کا اور لوگوں پہ بھی اثر ہوا، اور خود سلطنت کو اس کام کی طرف توجہ ہوئی چنانچہ مروان بن الحکم جو سلطنت بنی امیہ کا پہلا تاجدار ہے اس کے دربار کے ایک مشہور یہودی طبیب نے جس کا نام ماسرجیس تھا شیخ اہرن کی قرابادین کا سُریانی زبان سے عربی ... ترجمہ کیا، اور یہ ترجمہ شاہی کتب خانہ میں داخل کیا گیا،

علامہ جمال الدین قفطی نے لکھا ہے کہ قدیم زمانہ کے جس قدر قرابادین ہیں یہ سب سے بڑھ کر ہے،، شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس کو خزانہ شاہی سے نکلوا کر بہت سی نقلیں کرائیں اور عام طور پر شائع کیں حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کو ایک بڑی وجہ یونانی معلومات کی طرف رغبت کی یہ تھی، کہ جب وہ سلیمان بن عبد الملک کے زمانہ میں مصر کے گورنر تھے تو اسکندریہ کی یونانی تعلیم کا پروفیسر اور افسر کل ابن ابجر نام ایک حکیم تھا معلوم نہیں کن اسباب سے وہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے ہاتھ پر اسلام لایا جب یہ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے اس کو اپنے دربار میں بلالیا، اور طبی صیغہ کی افسری اس کو دی[ک] مورخوں نے لکھا ہے کہ عمر بن عبد العزیزؓ کی تخت نشینی کے سال یونانی تعلیم اسکندریہ سے انطاکیہ و حران کو منتقل ہوگئی، غالباً اس کی وجہ یہی

ل فہرست ابن الندیم صفحہ ۲۴۲ و ابن خلکان تذکرہ خالد بن یزید ک طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۱۱۶،

ہوگی کہ اسکندریہ میں جس کے دم سے یہ تعلیم قائم تھی، (یعنی ابن ابجر) وہ عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کے پاس چلا آیا،

بعض ملکی ضرورتوں نے بھی ترجمہ کے رواج میں مدد دی، اس وقت تک مالگذاری اور خراج کے جس قدر دفتر تھے سب غیر زبانوں میں تھے، چنانچہ عراق کا دفتر فارسی میں، شام کا لاطینی میں، مصر کا قبطی میں تھا، اور اسی وجہ سے دفتر خراج کے جس قدر عہدہ دار تھے سب مجوسی یا عیسائی تھے، حجاج بن یوسف کے زمانہ میں دربار کا میر منشی ایک مجوسی تھا جس کا نام فرخ تھا، اس نے ایک موقع پر یہ دعویٰ کیا کہ میرے بغیر دفتر خراج کا کام انجام نہیں پاسکتا، وہ تو ایک ہنگامہ میں اتفاق سے مارا گیا، لیکن اس مغرورانہ دعویٰ کی خبر حجاج کو پہنچی، اتفاق یہ کہ حجاج کے دربار میں صالح بن عبدالرحمن ایک شخص موجود تھا جو عربی و فارسی دونوں زبانوں میں کمال رکھتا تھا، حجاج نے اس کو حکم دیا کہ خراج کا جس قدر دفتر ہے فارسی زبان سے عربی میں ترجمہ کر دیا جائے، دربار میں جو پارسی موجود تھے اُن کو نہایت اضطراب پیدا ہوا کہ اتنا بڑا محکمہ ہمارے ہاتھ سے نکلا جاتا ہے، چنانچہ انھوں نے صالح کے پاس رشوت کے ایک لاکھ درہم پیش کئے کہ تم حجاج سے کہدو کہ عربی زبان میں ترجمہ نہیں ہوسکتا، لیکن صالح نے نہ مانا، اور ۷۸ھ میں عراق کا تمام دفتر عربی زبان میں ترجمہ ہوگیا، اس کے بعد ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ۸۷ھ میں عبداللہ بن عبدالملک کی کوشش سے مصر کا دفتر عربی زبان میں منتقل ہوا، پھر ہشام بن عبدالملک نے شام کا دفتر عربی میں ترجمہ کرایا، ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے اخیر تک مسلمانوں میں بہت سے آدمی پیدا ہوگئے تھے جو فارسی، لاٹین، قبطی وغیرہ زبانوں سے واقفیت رکھتے تھے،

ہشام بن عبدالملک جو ۱۰۵ھ میں تخت نشین ہوا حکومت بنی امیہ کا گلِ سرسبد تھا، اس کے عہد میں ملکی انتظامات کے نظم و نسق کے ساتھ علوم و فنون کو بہت ترقی ہوئی، اور غیر قوموں کے

معلومات وخیالات سے واقفیت کے نئے سامان پیدا ہوگئے، سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ ہشام نے خالد بن عبداللہ قسری کو عراق کا گورنر مقرر کیا، جو بے تعصبی اور علمی فیاضی میں یگانۂ روزگار تھا، فرقہ مانویہ جس کے پیشوا مانی کو شہنشاہِ ایران نے قتل کروا دیا تھا، اور حکم دیا تھا کہ اس فرقہ کا ایک شخص بھی دنیا میں زندہ نہ رہنے پائے، عجم کے اخیر سلطنت تک مارا مارا پھرتا تھا، اسلام کی حکومت میں اُن کو امن حاصل ہوا، اور خالد نے ان کے ساتھ اس قدر مراعات کی کہ درحقیقت ان کا مربی بن گیا[۱] ہشام کا میر منشی جس کا نام سالم تھا مشہور صاحب قلم اور فصیح و بلیغ تھا، اس کے ساتھ غیر زبانوں میں نہایت مہارت رکھتا تھا، اس نے ارسطو کے رسالوں کا جو سکندر کے نام تھے عربی زبان میں ترجمہ کیا[۲] اس کا بیٹا جبلہ فارسی زبان میں کمال رکھتا تھا، چنانچہ اس نے فارسی زبان کی بہت سی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں[۳] جن میں سے جنگ رستم و اسفندیار و داستانِ بہرام چوبین کا ذکر علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں کیا ہے، سالم کی ترغیب اور فیاضی سے اور لوگوں نے بھی بہت سی کتابیں ترجمہ کیں،

ہشام کو خود اس کام کے ساتھ نہایت شوق و شغف تھا، شاہانِ عجم کے علمی ذخیرے جو ہاتھ آئے تھے ان میں ایک نہایت مبسوط تاریخ تھی جس میں تمام شاہانِ عجم کی سوانحمریاں، قواعد سلطنت تعمیرات، علوم و فنون تفصیل سے درج تھے، اور ایک خاص بات یہ تھی کہ جس بادشاہ کا حال تھا اس کی تصویر بھی تھی، تصویروں میں حلیہ اور لباس و وضع کو اصلی طور سے دکھایا تھا، ہشام نے اس کتاب کے ترجمہ کا حکم دیا، اور ۱۱۳ھ میں یہ ترجمہ تیار ہو کر مرتب ہوا، مورخ مسعودی نے لکھا ہے کہ میں نے ۳۰۳ھ میں بمقام اصطخر یہ کتاب مع تصاویر دیکھی، سلطنت فارس کے متعلق جس قدر کتابیں قدیم فارسی میں موجود ہیں کوئی اس قدر مفصل اور مبسوط نہیں ہے،، ہشام بن عبدالملک نے ۱۲۵ھ میں

۱؎ کتاب الفہرست صفحہ ۳۳۶ ۲؎ ایضاً صفحہ ۱۱۷ ۳؎ کتاب الفہرست صفحہ ۲۴۴ ۴؎ کتاب التنبیہ والاشراف للمسعودی صفحہ ۱۰۶

وفات پائی، اور اس کی وفات کے ساتھ گویا حکومت بنی امیہ کا بھی خاتمہ ہوگیا،

دولت عباسیہ کا پہلا تخت نشین سفاح تھا جس نے صرف دو ڈھائی برس حکومت کی پھر منصور مسند آرا ہوا، اور دولت عباسیہ کا آغاز بھی اسی وقت سے خیال کیا جاتا ہے منصور خود بہت بڑا عالم اور صاحب فضل و کمال تھا، اس کی حوصلہ افزائی نے علوم و فنون کا دریا بہادیا، اس کا مبارک عہد تھا کہ اسلامی علوم کی تدوین شروع ہوئی یعنی امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کو مدون کیا، ابن اسحاق نے غزوات نبوی لکھے، امام مالکؒ، اوزاعیؒ، سفیانؒ ثوری وغیرہ نے حدیثیں جمع کیں، منصور کا مذاق اتفاق سے عجمی واقع ہوا تھا، وہ ہر ہر بات میں اہل عجم کی تقلید کرتا تھا، یہاں تک کہ دربار کا لباس بھی عجمی رکھا، منصور ہی پہلا شخص تھا جس نے عرب کے زور گھٹانے کیلئے عجمیوں کا رسوخ بڑھایا، اور تمام بڑے بڑے عہدے ان کے ہاتھ میں دیدیئے، اگرچہ منصور کی یہ کارروائی پولیٹیکل حیثیت سے نہایت خراب تھی لیکن اس غلطی سے اتنا فائدہ ہوا کہ عرب میں فلسفہ کی بنیاد قائم ہوئی اور آج مسلمانوں میں عقلی علوم کا جو کچھ رواج ہے وہ اسی غلطی کی بدولت ہے منصور نے جن عجمیوں کو دربار میں رسوخ دیا وہ عموماً صاحب فضل و کمال تھے، اور اس وجہ سے انھوں نے طب و فلسفہ کی نادر نادر کتابیں منصور کیلئے بہم پہنچائیں، اور ان کے ترجمہ کئے، ان میں ایک عبد اللہ بن المقفع تھا جسکی نسبت ہمارے علمائے عربیت نے تسلیم کیا ہے کہ شروع اسلام سے آج تک عربی زبان میں ایسا فصیح و بلیغ مقرر اور صاحب قلم نہیں گذرا، چنانچہ اس کی کتاب یتیمہ کو ملحدوں نے (نعوذ باللہ) قرآن مجید کے مقابلہ میں پیش کیا ہے، وہ مجوسی تھا اور اس کی مادری زبان فارسی تھی، اسلام قبول کرکے اس نے عربی زبان میں کمال پیدا کیا، اور منصور نے اس کو دربار کا میر منشی مقرر کردیا، چونکہ وہ مختلف زبانوں کا ماہر اور اس کے ساتھ نہایت فصیح و بلیغ تھا، اس کے ترجمے نہایت اعلیٰ درجہ کے خیال کئے جاتے ہیں، ان میں سے کلیلہ دمنہ

کا ترجمہ اب بھی یادگار ہے اور چھپ کر شائع ہو چکا ہے، اس نے یونانی زبان کی کتابیں بھی ترجمہ کیں، مثلاً قاطیغوریاس، باری مِنیاس، انالوطیقا وغیرہ، فرفوریوس مصری کی کتاب ایساغوجی کا ترجمہ بھی اسی[1] نے کیا، فارسی زبان اس کی مادری زبان تھی، اس لئے اس زبان کی کتابیں کثرت سے ترجمہ کیں، ان میں سے خدائی نامہ، آئین نامہ، مزدک نامہ، نوشیروان نامہ، جو تاریخ کی نادر کتابیں ہیں زیادہ مشہور ہیں، پارسیوں کی علم الاخلاق کی دو بڑی کتابیں جو اس نے ترجمہ کیں، وہ الادب الکبیر اور الادب الصغیر کے نام سے مشہور ہیں، چنانچہ ان کتابوں کا ذکر علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں کیا ہے،

اہل عجم میں سے ایک اور بڑا صاحب اثر شخص جو منصور کے دربار میں تھا، **نوبخت** نام ایک آتش پرست تھا، وہ منصور کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا اور دربار میں اس کو وہ جاہ و اقتدار حاصل تھا کہ اکابر دولت میں گنا جاتا تھا، اس کا خاندان ایک مدت تک علم و فضل کا سرپرست رہا، اور اُن کی وجہ سے فارسی زبان کے بہت سے ذخیرے عربی میں آئے، ابوسہل اور حسن بن موسیٰ جو بڑے پایہ کے متکلم تھے، اور جن کے ہاں مترجمین کا جمگھٹا رہتا تھا اسی نوبخت کے خاندان سے تھے،[2]

انہی عجمیوں میں سے **جارجس بن جبرئیل** بھی تھا جو مشہور مترجم گذرا ہے، یہ جندی سابور میں افسر الاطبا کے منصب پر ممتاز تھا، ۱۴۸ھ میں منصور نے اس کو علاج کے لئے طلب کیا اور پھر اس کا تمام خاندان دربار میں داخل ہو گیا، منصور نے اس کی یہ قدردانی کی کہ باوجود اس کے کہ اس نے اپنے مذہب کو نہیں بدلا تھا دربار کا طبیب مقرر کیا، اور جب مرض الموت کی بیماری میں اس نے وطن کو واپس جانا چاہا، تو سفر خرچ کیلئے پچاس ہزار روپئے عنایت کئے، جارجس پہلا شخص ہے جس نے

---

[1] عبداللہ بن المقفع کے لئے دیکھو کتاب الفہرست ص ۱۱۸ و طبقات الاطباء ج ۱ ول ص ۳۰۸۔ [2] کتاب الفہرست ص ۱۷۶، ۱۷۷، ۲۴۴ و مروج الذہب ذکر خلافت قاہر باللہ۔

دولت عباسیہ میں طب کی تصنیفات عربی زبان میں ترجمہ کیں[۱] اس کی کوشش سے طب کا بڑا ذخیرہ عربی زبان میں فراہم ہوا، اس نے خود بھی ایک نہایت مفصل اور عمدہ تجربیات کی کتاب سریانی زبان میں لکھی، جس کا ترجمہ حنین بن اسحاق نے عربی میں کیا، منصور کے عہد سے لیکر ۴۵۰ھ تک یہ خاندان قائم رہا اور دولت عباسیہ کے اخیر عہد ترقی تک یہ خاندان برابر علوم طبیہ کا سرپرست علم و فضل کا حامی اور دربار کا زیب و زینت رہا،

طب کی کتابوں کا ایک اور مشہور مترجم جو منصور کے دربار میں تھا بطریق نام ایک عیسائی تھا، اس نے منصور کے حکم سے یونان کی بہت سی کتابیں ترجمہ کیں، بقراط اور جالینوس کی تصنیفات کے جو ترجمے اس نے کئے ساتویں صدی ہجری تک متداول رہے،[۲]

منصور کے ذوق علمی کا یہ حال تھا کہ یونان کے علوم و فنون کا جو سرمایہ خود اس کے ملک میں بہم پہنچ سکتا تھا اس پر اکتفا نہ کر کے قیصر روم کو خط لکھا، چنانچہ اس کی درخواست کے موافق قیصر نے فلسفہ وغیرہ کی بہت سی کتابیں منصور کے پاس روانہ کیں،

منصور کے ذوق کا یہاں تک چرچا پھیلا کہ دور دراز ملکوں سے ہر قوم و ملت کے اہل کمال نے اس کے دربار کا رخ کیا، ۱۵۶ھ میں ہندوستان کا ایک بڑا ریاضی داں عالم بغداد میں آیا، اور سنسکرت کی مشہور زیچ جس کا نام سدھانتا ہے اور جس کے متعلق آگے چل کر ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھیں گے منصور کی خدمت میں پیش کی محمد بن ابراہیم فزاری نے منصور کے حکم سے اس کا ترجمہ کیا، مامون الرشید کے زمانہ تک اعمال کواکب میں اسی زیچ پر اعتماد کیا جاتا تھا،[۳]

مذاہب کی تحقیقات کے لئے منصور نے اجازت دی کہ تمام مختلف فرقوں کی مذہبی کتابیں ترجمہ کی جائیں، اس وقت ایران میں جس مذہب کا بہت چرچا تھا وہ مانی کا مذہب تھا، مانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور چند کتابیں پیش کی تھیں، کہ خدا کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہیں،

۱؎ حالات کیلئے دیکھو طبقات ص ۱۲۳ و ص ۱۲۴ ۲؎ بطریق کیلئے دیکھو طبقات ص ۲۰۵ ۳؎ جامع القصص الھندیہ مطبوعہ فرانس،

بادشاہ وقت نے اس کو قتل کرادیا، اور حکم دیا کہ اس کے پیرووں میں سے ایک متنفس بھی زندہ نہ رہنے پائے چنانچہ عجم کی اخیر سلطنت تک اس فرقے والے ادھر اُدھر مارے مارے پھرے، لیکن جب اسلام کا زمانہ آیا تو اس نے تمام مذاہب کو آزادی دی، اس وقت یہ فرقہ بھی عراق کو واپس آیا، اور چونکہ خالد بن عبداللہ قسری گورنر عراق نے ان پر خاص توجہ کی[۱]، وہ امن و اطمینان کے ساتھ اپنے مذہب کی ترویج میں مصروف ہوئے، عباسیہ کا عہد آیا تو مانی کی تمام تصنیفات ملک میں پھیلی ہوئی تھیں، عبداللہ بن المقفع اور اور مترجموں نے ان کا عربی زبان میں ترجمہ کیا، مانی کے سوا مجوسیوں کے اور بانیانِ مذاہب مثلاً دیسان مرقون کی کتابوں کے ترجمے ہوئے، اور یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کو دوسری قوموں کے مذہب، اور مذہبی معلومات سے واقفیت حاصل ہوئی، اگرچہ اول اول اس کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں میں اعتدال سے زیادہ مذہبی آزادی آگئی اور بعض لوگ الحاد کی طرف مائل ہوگئے، یہاں تک کہ ابن ابی العرجا، حماد عجرد، یحیی ابن زیاد مطیع بن ایاس نے مانی وغیرہ کی تائید میں کتابیں لکھیں[۲]، تاہم منصور نے آزادی کے لحاظ سے کچھ روک نہیں کی، اور سچ پوچھو تو اس سے بڑا نفع یہ ہوا کہ مسلمانوں میں ایک نیا علم جو علم کلام کہلاتا ہے پیدا ہوا جس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے الحاد و زندقہ کا راستہ رک گیا،

اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مانی وغیرہ کی کتابوں کے پھیلنے سے جب الحاد کی ہوا چلی تو منصور کے فرزند خلیفہ مہدی نے اپنے عہد حکومت میں اس آگ کو آب تیغ سے بجھانا چاہا، چنانچہ سیکڑوں ہزاروں آدمی قتل کرادیئے لیکن خیالات کی آزادی جبر و تعدی سے رک نہیں سکتی تھی، آخر اس نے علمائے اسلام کو حکم دیا کہ ملحدوں کے رد میں کتابیں لکھیں، اس طرح علم کلام کی بنیاد پڑی، ایک بڑا فائدہ اس سے یہ ہوا کہ مخالفوں کے مذہب اور خیالات کے رد کرنے کے لئے ان کی مذہبی تصنیفات سے زیادہ

---

[۱] کتاب الفہرست ص ۳۳۸، [۲] مروج الذہب ذکر خلافت قاہر باللہ،

واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی، اور اس وجہ سے خواہ مخواہ غیر زبانوں کے سیکھنے اور ترجمہ کرنے کی ضرورت کا زیادہ تر رواج ہوا،

مہدی کے بعد جب ہارون الرشید تخت خلافت پر بیٹھا تو اس وقت تک یونانی، فارسی، سریانی ہندسی تصنیفات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو چکا تھا، ہارون الرشید نے ان کو منتظم صورت میں رکھنے کیلئے ایک عظیم الشان محکمہ قائم کیا جس کا نام بیت الحکمۃ رکھا، اور ان میں ہر زبان اور ہر مذہب کے ماہرین فن ترجمہ کے کام پر مامور کئے، ان میں فضل بن نوبخت مجوسی بھی تھا، اور وہ خاص فارسی کتابوں کے ترجمہ پر مامور تھا، رشید کے دور میں فلسفہ کا بڑا سرمایہ ایک خاص وجہ سے ہاتھ آیا، شاہان روم کا معمول تھا کہ خلافت عباسیہ کو سالانہ نذرانہ بھیجا کرتے تھے، نائیس فورس جو رشید کے عہد میں روم کے تخت سلطنت پر بیٹھا، اس نے نذرانہ بھیجنے سے انکار کیا، اور رشید کو گستاخانہ خط لکھا، اس کے انتقام میں رشید نے ایشیائے کوچک پر جو اس وقت رومیوں کا پائے تخت تھا پے در پے حملے کئے اور دار السلطنت ہرقلہ کو برباد کر دیا، یونان کے بعد یونانی فلسفہ کی تعلیم و تعلم انہی ممالک میں منتقل ہو کر آگئی تھی، چنانچہ رشید نے انگوریہ اور اموریہ وغیرہ کو فتح کیا تو بے شمار یونانی کتابیں ہاتھ آئیں، رشید نے ان کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا، اور اس زمانہ کے مشہور مترجم کو جس کا نام یوحنا بن ماسویہ تھا، ان کے ترجمہ پر مامور کیا[۱]، یہ تمام کتابیں خزانۃ الحکمۃ میں داخل کی گئیں، اور یوحنا خزانۃ الحکمۃ کا افسر مقرر کیا گیا،

سنسکرت کی علمی تصنیفات اگرچہ منصور کے عہد میں بغداد پہنچ چکی تھیں، لیکن اس زمانہ میں اور نئے سامان پیدا ہو گئے، ہارون الرشید ایک دفعہ سخت بیمار پڑا اور گو بغداد طبیبوں سے معمور تھا تاہم اس کو کسی کے علاج سے شفا نہیں ہوئی، اس وقت ہندوستان کا ایک طبیب جو

---

[۱] طبقات ص ۱۷۵،

فلاسفر بھی تھا شہرت عام رکھتا تھا اور چونکہ دربار خلافت اور فرمانروایانِ ہندوستان سے دوستانہ مراسم قائم تھے اور باہم خط کتابت رکھتے تھے سب نے اس کے بلانے کی رائے دی، غرض وہ طبیب طلب کیا گیا اور بغداد میں برامکہ کا جو ہسپتال تھا اس کا مہتمم اور افسر مقرر کیا گیا، سنسکرت کی علمی کتابیں اکثر اس سے ترجمہ کرائیں، چنانچہ سشرت کی کتاب جو ۱۰ بابوں میں ہے اور سامیکا جس میں زہر کے علاج کا بیان ہے اس نے ترجمہ کی،[۱] رشید کے دربار میں اور بھی ہندو طبیب تھے، جن کی وجہ سے ویدک کی معلومات عربی زبان میں منتقل ہوئیں، ان میں سے صالح (اصلی نام سالی ہوگا) کا حال علامہ ابن ابی اصیبعہ نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے،

ہارون کے بعد **مامون** کا دور آیا اور اس کی بدولت عربی زبان تمام دنیا کے علوم و فنون سے مالا مال ہوگئی، مامون کی شہزادگی اور ابتدائی خلافت کا زیادہ زمانہ **مرو** میں گذرا، مامون ماں کی طرف سے عجمی نژاد تھا، اور عجم کی صحبت میں رہ کر خود بھی عجمی بن گیا تھا، ہر ہر بات میں وہ شاہانِ عجم کی تقلید کرتا تھا اور اردشیر کا آئینِ سلطنت اس کا دستور العمل تھا،[۲] دربار میں جس قدر وزرا اور امرا تھے مجوسی النسل تھے جن میں سے اکثر اس کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے تھے، ان باتوں کے ساتھ چونکہ وہ علوم قدیمہ کا نہایت شائق تھا اس لئے، فارسی لٹریچر اور علوم و فنون کا بے انتہا سرمایہ اس کے خزانہ میں جمع ہوگیا، ۲۰۴ھ میں وہ خراسان سے بغداد میں آیا، یہاں یونانی فلسفہ کا زور تھا، اس نے اس میں بھی کمال بہم پہنچایا، اور خزانۃ الحکمۃ کو زیادہ وسعت دی، فلسفہ کے ساتھ اس کی شیفتگی اس حد تک پہونچی کہ ایک دن خواب میں دیکھا کہ ایک شخص جس کا یہ حلیہ ہے، سفید رنگ، کشادہ پیشانی، پیوستہ ابرو، آنکھوں میں سیاہی کے ساتھ نیلا پن، تخت پر بیٹھا ہے **مامون** نے ہیبت زدہ ہو کر نام پوچھا، اس نے کہا، ارسطو، مامون خوشی سے پھڑک اٹھا، اور اس سے سوال و جواب کئے، اس

---

[۱] طبقات، ج ۲ ص ۳۳ و کتاب الفہرست ص ۳۰۳ و ۲۴۵ [۲] مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ،

خواب نے مامون کو فلسفہ کا اور دلدادہ بنا دیا، چنانچہ ۲۱۰ھ میں[۱] قیصر روم کو خط لکھا کہ ارسطو وغیرہ کی جس قدر کتابیں بہم پہنچ سکیں پہنچائی جائیں، یہ وہ زمانہ تھا کہ خلفائے عباسیہ کے خطوط قیصر روم پر فرمان کا اثر رکھتے تھے قیصر تعمیل ارشاد پر آمادہ ہوا، اور کتابوں کے بہم پہنچانے کی کوشش کی، ایک عیسائی خانقاہ نشین نے پتہ دیا کہ یونان میں ایک مکان ہے جو قسطنطین کے زمانہ سے مقفل چلا آتا ہے قسطنطین نے اس میں فلسفہ کی کتابیں اس خیال سے بند کرا دی تھیں کہ فلسفہ سے مذہب عیسوی کو ضرر پہنچتا ہے، قیصر کے حکم سے یہ مکان کھولا گیا تو بہت سی کتابیں نکلیں، قیصر کو حسد ہوا کہ یہ گنجینۂ بے بہا مسلمانوں کے ہاتھ میں جاتا ہے، لیکن درباریوں نے تسکین کر دی کہ یہ بلا (فلسفہ) جہاں جائیگی آفت لائے گی، غرض پانچ اونٹ پر لد کر یہ کتابیں دار الخلافہ کو روانہ کی گئیں،[۲]

مامون نے اپنے قاصدوں کے ساتھ ان بڑے بڑے مترجموں کو بھی بھیجا تھا جو خزانۃ الحکمۃ کے مہتمم اور یونانی و سریانی زبان میں کمال رکھتے تھے، چنانچہ ان میں سلما، حجاج بن مطر، ابن البطریق بھی تھے، مامون کے دربار میں اگرچہ مترجموں کا ایک گروہ کثیر موجود تھا، لیکن چونکہ اس وقت تک ترجمہ میں اکثر لفظی رعایت کا رواج تھا یعنی مترجمین لفظ کے مقابلہ میں لفظ رکھ دیتے تھے، مامون کو ایسے مترجم کی تلاش تھی، جو خود ان فنون میں اجتہاد کا درجہ رکھتا ہو، تاکہ ترجمہ کے ساتھ کتاب کے اصلی مشکلات کو بھی حل کر دیتا، ایسے شخص اس زمانہ میں صرف دو تھے، حنین[۱] و یعقوب[۲] کندی،

حنین

حنین کی لائف جہاں تک اس موقع سے تعلق رکھتی ہے یہ ہے کہ وہ ایک صراف بچہ عیسائی تھا، اور حیرۃ میں جو عراق کا ایک مشہور شہر ہے سکونت رکھتا تھا، چونکہ اس وقت عیسائیوں کی بدولت در و دیوار سے تعلیم کی صدا آتی تھی، اس نے ہوش سنبھال کر طب کے سیکھنے کی طرف توجہ کی، اس زمانہ

---

[۱] مقریزی جلد دوم ص ۵۷ [۲] کتاب الفہرست ص ۲۴۳ یہ تفصیل تاریخ التواریخ حالات ارسطو کے بیان میں مذکور ہے،

میں یونانی فلسفہ کا بڑا ماہر یوحنا بن ماسویہ تھا، جو ہارون الرشید کے خزانۃ الحکمۃ اور دفتر ترجمہ کا افسر تھا، حنین اس کے حلقۂ درس میں پہنچا، لیکن چند روز کے بعد استاد شاگرد میں رقیبانہ شکر رنجی ہو گئی، یوحنا نے کہا کہ تم جاکر صرافی کی دوکان کھو، تم کو علم نہیں آسکتا، حنین غمزدہ ہو کر روتا اٹھا، اور دل میں ٹھان لی کہ یونانی زبان میں وہ کمال پیدا کروں گا کہ تمام ملک میں کسی کو ہمسری کا دعویٰ نہ ہو، ممالک اسلامیہ میں اس وقت یونانی زبان کا مرکز اسکندریہ تھا، وہاں یونانی علم ادب اور فلسفہ کی تعلیم کی بہت سی درسگاہیں تھیں، اس کے علاوہ یونانی نہایت کثرت سے وہاں آباد تھے، اس لئے اس نے اسکندریہ کا رخ کیا، اور وہاں رہ کر یونانی زبان حاصل کی، چنانچہ یونان کے مشہور شاعر ہومر کا کلام حفظ یاد کیا کرتا تھا، اس کے بعد عربیت کی تکمیل کے لئے بصرہ میں آیا، یہاں خلیل بصری، جو عربی علم نحو کا موجد ہے، نحو کا درس دیتا تھا اور سیبویہ وغیرہ اس کے حلقۂ درس مین بیٹھتے تھے، حنین نے عربی پڑھنی شروع کی اور اس میں بھی نہایت کمال پیدا کیا، فارسی اس کی ملکی زبان تھی، غرض حنین کا ابھی آغاز شباب تھا کہ اس کی شہرت دور دور پھیل گئی، چنانچہ مامون کو جب ترجمہ کیلئے تلاش ہوئی تو لوگوں نے اس کا نام لیا، مامون نے اس کو بلاکر بیش بہا انعامات دیئے، اور ترجمہ کی خدمت متعلق کی، مشہور ہے کہ انعامات وغیرہ کے علاوہ مامون ہر کتاب کے ترجمہ کے صلہ میں کتاب کے برابر تول کر سونا دیتا تھا، اور شاید یہی وجہ تھی کہ حنین ان ترجموں کو نہایت گندہ کاغذ پر لکھواتا تھا، اور خط نہایت جلی اور صفحہ میں صرف چند سطریں ہوتی تھیں،

حنین کو یونانی کتابوں کے پیدا کرنے اور ترجمہ کرنے کا عشق تھا، کتابوں کی تلاش میں اس نے ایشیائے کوچک کا ایک ایک شہر چھان مارا، یہاں تک کہ انتہائے آبادی تک پہنچا، خود اس کا بیان ہے کہ جالینوس کی کتاب البرہان کی تلاش میں میں نے یہ کوشش کی کہ جزیرہ اور شام کے ایک ایک شہر میں دورہ کیا، فلسطین و مصر میں جستجو کی، اسکندریہ گیا، ان تمام کوششوں پر صرف آدھی کتاب ہاتھ آئی، اور وہ بھی نامرتب اور پریشان، ترجمہ کے شوق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب اس کی عمر ۴۸ برس کو پہنچی تو وہ جالینوس کی ۱۲۰ کتابوں

اور رسالوں کا ترجمہ کر چکا تھا، حنین ١٩٤؁ھ میں پیدا ہوا اور ستتر برس کی عمر پاکر ٢٦٤؁ھ میں وفات پائی،

مامون کے دربار کا دوسرا مشہور مترجم **یعقوب کندی** تھا، یعقوب کندی وہ شخص تھا کہ علمائے اسلام نے اسی کو فیلسوف (فلاسفر) کا لقب دیا، بوعلی سینا اور ابن رشد اس لقب کے مستحق نہیں سمجھے گئے، ابن الندیم نے (کتاب الفہرست صفحہ ٢٩٤) اس کا مفصل تذکرہ لکھا ہے:

یعقوب **یعقوب کندی** کے بدولت عرب پر سے یہ اعتراض اٹھ گیا کہ اب تک نسلِ عرب سے کوئی شخص غیر زبانوں کا ماہر یا حکیم و فلاسفر نہیں پیدا ہوا، مامون الرشید کے زمانہ سے چوتھی صدی کے آغاز تک تمام مسلمانوں میں اس کی تصنیفات رائج تھیں، اور ارسطو کی تصنیفات کے ہم پلہ خیال کی جاتی تھیں، وہ یونانی زبان کا بہت بڑا ماہر تھا، اور یونانی، فارسی، ہنسکرت کے علوم و فنون میں کمال رکھتا تھا، اس نے فلسفہ کی بہت سی کتابیں ترجمہ کیں، اور بڑا کام یہ کیا کہ اصل کتاب میں جو مشکلات اور پیچیدگیاں تھیں ان کے عقدے حل کر دیئے، مامون نے اس کو خاص ارسطو کی کتابوں کے ترجمہ پر مامور کیا، کیونکہ ارسطو کے فلسفہ کا سمجھنے والا اس سے بڑھ کر کون ہو سکتا تھا، علامہ ابن الندیم اور ابن ابی اصیبعہ نے اس کی تصنیفات کا ذکر نہایت تفصیل سے کیا ہے جس سے اس کے حکیم اور فلاسفر ہونے کی تصدیق ہو سکتی ہے، لیکن یہ اس کے لکھنے کا محل نہیں،

اسی زمانہ میں **قسطا بن لوقا** ایک عیسائی فاضل نے فلسفہ وغیرہ میں بہت کمال حاصل کیا، وہ یونانی نسل سے تھا، اور یونانی زبان میں نہایت فصاحت سے تقریر کرتا تھا، اس کے ساتھ چونکہ بچپن سے **شام** میں پرورش پائی تھی، عربی زبان میں بھی اس کو کمال حاصل تھا، وہ یونانی فلسفہ کا نہایت دلدادہ تھا، چنانچہ خاص اس غرض کیلئے اس نے ایشیائے کوچک کا سفر کیا، اور یونانی علم کی بہت سی کتابیں

---

[1] حنین کے متعلق یہ پوری تفصیل میں نے طبقات الاطبا، تذکرہ حنین اور تذکرہ جالینوس سے لکھی ہے [2] یعقوب کندی کیلئے دیکھو طبقات الاطبا جلد اول ص ٢٠٧، کتاب الفہرست ص ٢٥٥ اور مونک صاحب فرانسیسی کی کتاب،

بہم پہنچائین، مامون نے اس کا حال سنکر بلا بھیجا، اور بیت الحکمۃ مین ترجمہ کے کام پر مامور کیا، علامہ ابن ابی صیبعہ نے لکھا ہے کہ اس نے یونان کی بہت سی کتابین عربی مین ترجمہ کین اور پچھلے ترجمون کی اصلاح کی، [1]

یہ تمام سامان تو یونانی کتابون کے ترجمہ کے تھے، فارسی اور پہلوی ترجمہ کے لئے مامون نے مجوسی خاندان کے اہل کمال فراہم کئے، سہل بن ہارون ایک مجوسی تھا، جو مجوسیون کے علوم وفنون کا بہت بڑا ماہر تھا، اس کے ساتھ عربی زبان کا ایسا انشا پرداز تھا کہ اس زمانہ کے نہایت فصیح وبلیغ لوگون مین شمار کیا جاتا تھا، یہان تک کہ جاحظ اس کی استادی کا اعتراف کرتا تھا، چنانچہ علامہ ابن الندیم نے اس کا نام انشا پردازون ہی کے ذیل مین لکھا ہے، اس نے کلیلہ دمنہ کے طرز پر ایک کتاب لکھی، جس کا نام ثعلہ وعفر ار رکھا، مامون نے اس کو خزانۃ الحکمۃ مین مقرر کیا، اور فارسی کتابون کے ترجمہ کی خدمت دی، سہل کا بھائی سعید بھی نہایت فصیح وبلیغ تھا، مامون نے اس کو بھی خزانۃ الحکمۃ مین ترجمہ کے کام پر مامور کیا، [2] شاکر کا خاندان بھی خزانۃ الحکمۃ مین کام کرتا تھا، لیکن ان لوگون نے ترجمہ کے کام کو اس قدر وسعت دی کہ ہم آگے چل کر اُن کا جداگانہ تذکرہ کرین گے، ان کے سوا سلما، اور ابن البطریق وعلان شعوبی وغیرہ خزانۃ الحکمۃ مین ملازم تھے، ایک ایسا محکمہ جس مین یعقوب کندی، حنین، قسطا بن لوقا، سہل بن ہارون، سعید بن ہارون، سلما، ابن البطریق، حجاج بن مطر، علان شعوبی جیسے ارباب کمال ملازم اور کارپرداز ہون اُس کی وسعت اور خوبی کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے،

مامون کے عہد مین علوم عقلیہ، اور دوسری زبانون سے واقفیت کا ایک اور خاص سبب

---

[1] دیکھو طبقات الاطبا، ص ۲۰۴ جلد اوّل ومختصر الدول حالات یعقوب کندی وکتاب الفہرست ص ۲۹۵،

[2] ان دونون کا حال فہرست ابن الندیم ص ۱۲۰ مین مذکور ہے،

تھا، برمکیون کی بدولت مناظرہ کی مجلسون کا جو طریقہ تمام ملک مین جاری تھا ہارون الرشید نے اپنے اخیر زمانہ مین فقہا کے کہنے پر بند کرا دیا تھا، جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ فلسفہ وغیرہ کی طرف سے لوگون کا میلان کم ہو چلا، مامون کے زمانہ سے پہلے یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ دنیا مین اسلام بزور شمشیر پھیلا، کیونکہ اگر اسلام خود اپنی خوبیون کی وجہ سے پھیل سکتا، تو لوگون کو مناظرہ اور مباحثہ سے کیون روکا جاتا،

مامون نے یہ شہرہ سن کر بغداد مین ایک بہت بڑا مجمع کیا، اور تمام ملک مین جس قدر پیشوایانِ مذہب اور مختلف فرقون کے لوگ تھے سب طلب کئے گئے، فرقۂ مانویہ کا سردار جس کا نام یزدان بخت تھا رے سے بلایا گیا، اور مامون نے اس کو خاص ایوانِ شاہی کے قریب اتارا، اس جلسہ مین علمائے کلام نے تمام مخالفینِ اسلام پر فتح حاصل کی[۱] اور لوگون پر علانیہ ثابت ہو گیا کہ اسلام کی اشاعت تلوار سے نہین بلکہ زبان و قلم سے ہوئی، اور ہو سکتی ہے، اس کے بعد مامون نے نہایت فراخ حوصلگی سے حکم دیا کہ تمام ملک مین مناظرہ اور بحث کے عام جلسے قائم کئے جائین، اور ہر فرقہ اور ہر مذہب کے لوگون کو عام اجازت دیجائے کہ اپنے مذہب کا اثبات اور دوسرے مذاہب پر نکتہ چینی کرین، ان مجلسون کی وجہ سے تمام مسلمانون کو فلسفہ اور علومِ عقلیہ کی طرف میلان ہوا، کیونکہ دوسرے مذاہب کے رد کرنے کے لئے فقہ اور حدیث وغیرہ کام نہین آسکتے تھے، اس کے ساتھ چونکہ دوسری قومون کے مذہبی مسائل معلوم کئے بغیر ان کے مذہب کا رد نہین ہو سکتا تھا، اس لئے خواہ مخواہ دوسری قومون کی زبان سیکھنی پڑی،

مامون کے بعد معتصم تختِ حکومت پر بیٹھا، وہ جاہلِ محض اور سپاہیانہ مذاق کا آدمی تھا، اگرچہ اس کے عہد مین سلطنت کی شان و شوکت کو نہایت ترقی ہوئی، رومیون پر اس نے آٹھ

---

[۱] ان حالات کے لئے دیکھو کتاب الملل والنحل لیحیی المرتضی اور مروج الذہب مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ و کتاب الفہرست صفحہ ۳۳۰،

متواتر حملے کئے اور عموریہ کے معرکہ مین تو گویا رومیون کی سلطنت کی جڑ ہلادی، لیکن علمی فتوحات کو کچھ ترقی نہ دے سکا، البتہ عقلی علوم مین کچھ مزاحمت بھی نہین کی، اس لئے جو لوگ اپنے شوق سے ان کامون مین مصروف تھے بدستور مصروف رہے، لیکن جب معتصم کے بعد ۲۲۷ھ مین خلیفہ واثق باللہ مسند آرا ہوا تو ترجمہ کے کام کو نئے سرے سے رونق حاصل ہوئی، وہ تقلید کا سخت مخالف تھا اور ہر فرقہ وہر مذہب کو آزادی سے اظہار خیالات کا مجاز کیا تھا، تمام بڑے بڑے مشہور مترجم اور فلاسفر اس کے دربار مین حاضر رہتے تھے، اور اُن سے فلسفیانہ بحثین کرتا تھا، چنانچہ ایک صحبت کا حال جس مین ابن بختیشوع، ابن ماسویہ، میخائیل، حنین بن اسحاق، سلمویہ وغیرہ بھی موجود تھے، علامہ مسعودی نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے، حنین بن اسحاق سے وقتاً فوقتاً اس نے جو علمی مسائل دریافت کئے ان کو حنین نے ایک مستقل کتاب مین لکھا ہے، جس کا نام کتاب المسائل الطبیعیۃ ہے[1]

یوحنا بن ماسویہ مشہور مترجم جس کو ہارون الرشید نے خزانۃ الحکمۃ کا افسر مقرر کیا تھا، واثق نے اس کو اپنا ندیم خاص قرار دیا، اور دولت ومال سے مالامال کردیا، چنانچہ ایک موقع پر تین لاکھ درہم عطا کئے[2]

واثق کے بعد متوکل باللہ خلیفہ ہوا، وہ اگرچہ محض ملایانہ طبیعت کا آدمی تھا، چنانچہ مناظرہ کے جلسے بالکل بند کرادیئے، لیکن ترجمہ کے کام پر اس کو بھی توجہ رہی، حنین بن اسحاق کو ترجمہ کے محکمہ کا افسر مقرر کیا، اور بہت سے زباندان مترجم جن میں اصطفن بن بسیل، اور موسیٰ بن خالد بھی داخل تھے، اس کی ماتحتی میں دیئے یہ لوگ ترجمہ کرتے تھے اور حنین ان کو اصلاح کی نظر سے دیکھتا تھا، اور درست کرتا تھا[3] متوکل نے حنین کی قدردانی بھی بے انتہا کی، اس کے رہنے کیلئے خاص شاہی ایوانات میں سے تین بڑے بڑے محل عنایت کئے، اور اس خیال سے کہ آئندہ کوئی اس کے قبضہ سے نکالنے نہ پائے شرعی گواہی کرادی، یہ بھی حکم دیا کہ وہ ہر قسم کے اسباب وسامان سے سجا دیئے جائیں، اور کتب خانہ بھی وہاں مہیا کردیا جائے،

[1] مروج الذہب مسعودی ذکر خلافۃ واثق باللہ وطبقات الاطبا تذکرہ یوحنا ابن ماسویہ [2] طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۱۸۹،

اس کے ساتھ پندرہ ہزار ماہوار تنخواہ مقرر کردی، متوکل کے بعد عباسیوں کی سلطنت برائے نام رہ گئی، لیکن اس سلسلہ سے الگ جو اسلامی حکومتیں قائم ہوتی گئیں، ان کو ہمیشہ اس کام کی طرف توجہ رہی، سیف الدولہ کے دربار میں عیسیٰ رقی اس خدمت پر مامور تھا، اور سریانی سے عربی میں ترجمہ کرتا رہتا تھا[۵]، اندلس میں عبدالرحمٰن ناصر ترجمہ کا بڑا شائق تھا، چنانچہ اس کے عہد کے بعض کارنامے آگے آئیں گے، سامانی خاندان نے پہلوی زبان سے تاریخ کا بہت کچھ سرمایہ مہیا کیا تھا، اور درحقیقت یہی سرمایہ تھا، جس سے فردوسی نے شاہنامہ کی نقش آرائی کی، ہندوستان میں سلطان فیروزشاہ جب سنہ ۷۷۲ھ میں جوالا مکھی پہاڑ کی سیر کو گیا تو معلوم ہوا کہ یہاں کے بتخانہ میں ۱۳سو سنسکرت کی قدیم تصنیفات موجود ہیں، فیروزشاہ نے وہ کتابیں حضور میں طلب کیں اور ان کے ترجمہ کا اہتمام کیا، نجوم کی ایک کتاب کا ترجمہ عزالدین نے نظم کیا، اور دلائل فیروزی نام رکھا، یہ کتابیں اکثر موسیقی اور کشتی کے فن میں تھیں، عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ سنہ ۱۰۰۱ھ میں جب میں لاہور پہنچا تو یہ ترجمہ شدہ کتابیں میری نظر سے گذریں، اکبرشاہ کو سنسکرت کی کتابوں کا جو اہتمام تھا، وہ عام طور سے مشہور ہے، خلفا اور سلاطین کے علاوہ اکثر اربابِ دولت نے بھی اس صیغہ کو بہت وسعت دی، اور ان میں سے بعضوں کا تذکرہ اس مقام پر ضرور ہے، اس فخر کا طرہ جس کے سر پر ہے وہ برامکہ کا خاندان ہے، اور انصاف یہ ہے کہ دولت عباسیہ میں جو کچھ کام ہوا اس کا بڑا حصہ برامکہ ہی کی بدولت تھا، اس خاندان کا مورث اعلیٰ برمک بلخ کے مشہور آتشکدہ کا جس کو مجوسی کعبہ کا جواب سمجھتے تھے، مہتمم اور افسر تھا، اس کا بیٹا خالد اسلام لایا، اور دولت عباسیہ کے آغاز میں وزیر رہ کر منصور کے زمانہ میں قضا کی، خالد کا بیٹا یحییٰ ابن خالد ہارون الرشید کے عہد تک وزارت پر ممتاز رہا، چونکہ یہ خاندان اصل میں مجوسی تھا، اور آتش کدہ کے تعلق سے مجوس کی کل قوم سے ان کو واسطہ پڑتا تھا اسلئے

---

۵ طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۱۴۰،

فارسی کا سرمایۂ علمی جس قدر وہ مہیا کر سکتے تھے، کوئی شخص نہیں کر سکتا تھا،

ایک بڑا سبب اُن کے زمانہ میں ترجموں کی ترویج کا یہ ہوا کہ اسلام میں سب سے پہلے اسی خاندان نے علمی عام جلسوں کی بنیاد ڈالی، یحییٰ بن خالد خود اپنے ہاں مناظرہ کی مجلس منعقد کراتا تھا، جس میں ہر فرقہ اور ہر قوم کے آدمی شامل ہوتے تھے، اور جو نہایت ترتیب اور حسنِ انتظام سے انجام پاتی تھی، یحییٰ کے دربار میں ہشام بن حکم مشہور متکلم تھا، جس کو مجلس کا سکرٹری مقرر کیا تھا[۱]، یحییٰ پہلا شخص ہے جس نے ہندوستان کے پنڈتوں، فلاسفروں اور طبیبوں کو طلب کیا[۲] اور ان سے سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے کرائے، کلیلہ دمنہ کا دوسرا ترجمہ جو عبد اللہ بن ہلال اہوازی نے ۱۶۵ھ میں کیا، یحییٰ کے حکم سے کیا، مجسطی کا سب سے اول ترجمہ اسی کے حکم سے کیا گیا، معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ خود ان فنون میں کمال رکھتا تھا، ابن الندیم نے لکھا ہے کہ جب مجسطی کے متعدد ترجمے اس کے سامنے پیش ہوئے، تو اس نے سب کو ناپسند کیا، اور ابو حسان وسلما کو حکم دیا کہ دوبارہ ان کی اصلاح کریں، چنانچہ ان دونوں نے بہت سے اعلیٰ درجہ کے مترجم جمع کئے، اور ان کے ترجموں کا باہم موازنہ اور مقابلہ کر کے ایک نہایت عمدہ نسخہ مرتب کیا، برامکہ کے خاص مترجم سلام ابرش، عبد اللہ بن ہلال، مانک ہندو، ابن دہن ہندو وغیرہ تھے، عمر بن فرخان جس کو رئیس المترجمین کا لقب حاصل ہے، اسی دربار کا مترجم تھا،

دوسرا خاندان جس نے ترجمہ کے کام میں مدد دی موسیٰ ابن شاکر کا خاندان ہے، موسیٰ اصل میں ایک رہزن تھا، اور اسی پیشہ پر اس کی بسراوقات تھی، اخیر میں اس نے توبہ کی، اور غالباً علمی جوہر کی وجہ سے مامون کے دربار میں ملازم ہو گیا، چند روز کے بعد تین اولاد چھوڑ کر مر گیا، مامون کا ایک یہ بھی اصول تھا کہ وہ ہونہار نسلوں کی پرداخت اور تربیت بڑے اہتمام سے کرتا تھا، چنانچہ عجم کے بہت سے خاندان مثلاً سامانی خاندان، آلِ طولون وغیرہ اسی کی تربیت کی وجہ سے بڑے بڑے

---

[۱] کتاب الفہرست ص ۱۷۵، [۲] ایضاً ص ۲۴۵،

مناصب پر پہنچے اور ان کے ہاتھ سے بڑے بڑے کام انجام پائے، مامون نے موسیٰ کی اولاد کی تربیت بڑے اہتمام کے ساتھ کی یہاں تک کہ جب وہ ایشیائے کوچک کی لڑائیوں میں مصروف تھا تو اس وقت بھی وہاں سے ان کی خبر گیری کے متعلق اس کے احکام آتے رہتے تھے، غرض یہ تینوں بھائی جن کے نام محمد، حسن، احمد تھے، بڑے صاحب کمال ہوئے، محمد تمام علوم قدیمہ کا ماہر تھا، احمد نے خاص مکانک کے علم میں نہ بات پیدا کی اور وہ مسائل ایجاد کئے کہ یونانیوں کے خیال میں نہیں آئے تھے، اس کی کتاب الحیل اس بات کی پوری دلیل ہے، حسن کو ہندسہ میں کمال تھا، اور بہت سے مسائل ایجاد کئے تھے، جن میں سے ایک زاویہ کا تین مساوی حصوں میں تقسیم کرنا ہے،

اس فضل و کمال کے ساتھ ان کو یونانی علوم و فنون کے ترجمہ کی طرف توجہ ہوئی، اور اس میں اس قدر انہماک ہوا کہ اپنی تمام طاقت اس پر صرف کر دی، خوش قسمتی سے دولت اور مال نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا، چنانچہ صرف بڑے بھائی کی سالانہ آمدنی چار لاکھ اشرفیاں تھیں، ان لوگوں نے ایشیائے کوچک کے تمام شہروں میں کارندے بھیجے اور بیشمار کتابیں بہم پہنچائیں، نہایت دور و دراز مقامات سے جہاں کسی مترجم کا پتہ لگا بلوا کر ترجمہ پر مامور کیا،[۱] ثابت بن قرہ جو اپنے زمانہ میں راس المترجمین تھا، اسی خاندان کا تربیت یافتہ تھا، ثابت نے علاوہ ترجمہ کے بہت سے قدیم ترجموں کی اصلاح کی، اور آج اکثر اس کی اصلاح کردہ کتابیں موجود ہیں، ثابت صرف مترجم نہیں بلکہ خود حکیم اور صاحب تصنیف تھا، اس کی تصنیفات سریانی زبان میں بھی موجود ہیں، ثابت کا ایک شاگرد عیسیٰ بن اسید جو عیسائی مذہب رکھتا تھا، سریانی میں نہایت کمال رکھتا تھا، چنانچہ اس نے سریانی زبان کی بہت سی کتابیں ترجمہ کیں،

ان لوگوں کے سوا جن قدردانوں نے ترجمہ کے صیغہ کو وسعت دی ان کے نام اور مختصر حالات ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوں گے،[۲]

[۱] اس تمام تفصیل کیلئے دیکھو کتاب الفہرست ص ۲۴۳ و ۲۷۱، و تاریخ الحکما جمال الدین القفطی [۲] اس فہرست کیلئے دیکھو طبقات الاطبا ج ۱ ص ۲۰۳

نام	کیفیت
محمد بن عبد الملک الزیات	یہ خلیفہ معتصم باللہ کا وزیر تھا، بہت سی یونانی کتابون کے ترجمے اس کے اہتمام سے ہوئے، بڑے بڑے مشہور مترجم مثلاً یوحنا، جبریل بختیشوع، داؤد بن سراپیون، سلمویہ، الیسع، اسرائیل بن زکریا، حبیش بن الحسن وغیرہ نے اس کے لئے کتابیں ترجمہ کیں، اس کام میں اس کے دو ہزار ماہوار صرف ہوتے تھے،
شیر شوع بن قطرب	جندی سابور کا رہنے والا تھا، مترجموں پر نہایت فیاضی کرتا تھا، اس نے زیادہ تر سریانی زبان سے ترجمے کرائے،
علی بن یحیی معروف ابن المنجم	مامون کا منشی اور ندیم تھا، اس کو خاص طب کی کتابوں کی طرف میلان تھا،
ثادری	یہ بغداد کا بشپ تھا، کتابوں کے جمع کرنے اور ترجمہ کرانے کا نہایت شائق تھا،
محمد بن موسی بن عبد الملک	یہ خود بڑا فاضل تھا، اور کتابوں کی خوبی اور برائی کی نہایت صحیح جانچ کرتا تھا،
عیسی بن یونس کاتب	عراق کا رہنے والا تھا، یونانی کتابوں کا زیادہ تر شائق تھا،
احمد بن محمد المعروف بہ ابن الدبر	مترجمون کو بیش بہا انعامات اور صلے دیتا تھا،
علی المعروف بہ قیوم	ایضاً
ابراہیم بن علی بن موسیٰ الکاتب	خاص کر یونانی زبان کا زیادہ شائق تھا،

کیفیت	نام
ترجمہ کے ساتھ اس کو بے انتہا شغف تھا،	عبد اللہ بن اسحٰق
بغداد کے تمام اطبار میں کوئی شخص دولت و مال کے لحاظ سے اس کا ہمسر نہ تھا، دس پندرہ لاکھ سال کی آمدنی تھی، جالینوس کی اکثر کتابیں اس کے لئے ترجمہ کی گئیں،	بختیشوع بن جبریل

رفتہ رفتہ اس مذاق کو اس قدر ترقی ہوئی کہ سلاطین اور امرا کی طرف سے کسی قسم کی ترغیب و تحریص کی ضرورت نہیں رہی، اکثر اربابِ کمال خود اپنے شوق سے غیر زبانیں سیکھتے تھے، اور کتب علمیہ کے ترجمے کرتے تھے، ان میں سے سعید بن یعقوب جو ۳۰۲ھ میں بغداد اور مکہ و مدینہ کے ہسپتالوں کا انسپکٹر جنرل تھا، اور متی بن یونان المتوفی ۳۲۸ھ جس نے سریانی زبان سے بہت سی کتابیں ترجمہ کیں، اور یحیی بن عدی جو حکیم فارابی کا شاگرد تھا سریانی زبان کا بہت بڑا ماہر تھا، اور ابو علی بن زرعہ جو بہت بڑا منطقی اور مترجم تھا زیادہ مشہور ہیں، چنانچہ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے ان کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں،

اخیر زمانہ میں مختلف اسباب کی وجہ سے سنسکرت کے علمی خزانوں پر زیادہ دست رس ہوا، سلطان علی مردکے زمانہ میں ایک پنڈت جس کا نام بھوجبر تھا مسلمانوں سے مباحثہ کرنے کے لئے بنارس سے روانہ ہوا، اور شہر اکھنوتی پہونچ کر قاضی رکن الدین سمرقندی سے ملاقات کی، مباحثہ کا ارادہ چھوڑ کر قاضی صاحب سے عربی پڑھنی شروع کی، اور ایک کتاب جس کا نام انبرت کنڈ تھا، ان کی خدمت میں نذر گذرانی قاضی صاحب نے اس کے مطالب سنے تو ایسے گرویدہ ہوئے کہ بھوجبر سے سنسکرت پڑھنی شروع کی سنسکرت میں کمال حاصل کر کے اس کتاب کا ترجمہ کیا، لیکن بعض بعض مقامات ناحل شدہ رہ گئے، اتفاق سے بھوجبر کا ایک شاگرد جس کا نام انبھوا ناتھ تھا ہندوستان سے چل کر اس طرف آنکلا، ایک سنسکرت داں عالم نے

اس سے یہ کتاب پڑھی، اور عربی زبان میں اس کا دوبارہ ترجمہ کیا، اور مرآۃ المعانی لادراک العالم الانسانی اس کا نام رکھا، میں نے خود اس ترجمہ کا ایک قدیم نسخہ دیکھا ہے،

محمد بن اسمٰعیل تنوخی ایک عالم نے ہیئت و نجوم سیکھنے کیلئے خود ہندوستان کا سفر کیا، اور برسوں وہاں رہ کر ان علوم کی تکمیل کی، اس قسم کی اور بھی مثالیں ہیں، لیکن اس سلسلہ میں ابوریحان بیرونی کا قدم سب سے آگے ہے، پروفیسر زخاؤ، جرمنی کا نہایت مشہور عالم ہے، اس نے بیرونی کی کتاب الہند کے دیباچہ میں لکھا ہے، کہ سکندر کے ساتھ جو یونانی مصنف موجود تھے انھوں نے ہندوستان کے متعلق کچھ لکھا ہے، چینی مسافروں نے بھی خود اپنی ذاتی واقفیت سے اس ملک کے حالات قلمبند کئے، لیکن ابوریحان بیرونی نے جب ہندوستان کا سفر کر کے وہاں کے علوم و فنون اور رسم و عادات پر کتاب لکھی، تو تمام پچھلی تصنیفیں بازیچۂ اطفال بن گئیں،

ابوریحان بڑا ریاضی دان عالم تھا، اور شیخ بو علی سینا کا معاصر اور بہت سے علوم میں اس کا حریف مقابل تھا، اس نے ہندوؤں کے علوم حاصل کرنے کیلئے جو سختیاں اٹھائیں وہ حقیقت میں تعجب انگیز ہیں، خود اس کا بیان ہے "اس زبان کے سیکھنے میں مجھ کو نہایت سختیاں پیش آئیں، ہندوؤں کا تعصب اس حد بڑھا ہوا ہے جس کی کچھ انتہا نہیں، وہ ہم مسلمانوں کو ملیچھ کہتے ہیں، ہم سے جو چیز چھو جائے ان کے نزدیک ناپاک ہو جاتی ہے، وہ اپنے بچوں کو ہمارے نام سے ڈراتے ہیں، اور ہم کو شیطان کہتے ہیں، ان سب باتوں کے ساتھ وہ تمام دنیا کو جاہل اور وحشی سمجھتے ہیں،" ایک بڑی مشکل یہ تھی کہ ہندو اس کو کتابیں دینے میں نہایت بخل کرتے تھے، حالانکہ وہ کتابوں کے خریدنے میں بیدریغ روپیہ خرچ کرتا تھا، لیکن ان تمام مشکلات کے ساتھ جس طرح ہو سکا اس نے سنسکرت زبان حاصل کی، اور نہایت کمال درجہ پر حاصل کی، بہت سی مفید کتابوں کے ترجمے کئے، بعض کے خلاصے لکھے، چنانچہ ان کا بیان آگے چل کر

۱؎ حاشیہ القصص الہندیہ،

ہم تفصیل سے لکھیں گے،

مترجموں کا بے شمار گروہ جو رات دن ترجمہ کے کام میں مصروف تھا، اگرچہ ہم ان کے نام اور حالات استقصاد کے ساتھ نہیں بتا سکتے تاہم مَالَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ، کی بنا پر ہم ان کی ایک اجمالی فہرست حروف تہجی کی ترتیب سے لکھتے ہیں،

مترجمین زبان فارس

نام	کیفیت
عبداللہ بن المقفع	اس کا ذکر اوپر گذر چکا،
فضل بن نوبخت	(فہرست ۲۷۴)
ابوسہل اسمٰعیل بن علی بن نوبخت	بہت بڑا عالم تھا، اس کے ہاں متکلمین کی مجلس منعقد ہوا کرتی تھی، بہت سی کتابیں اس کی تصنیف ہیں، (فہرست ۱۷۶)
حسن بن موسیٰ بن اخت ابی سہل	اس کے ہاں اکثر مترجمین مثلاً ابوعثمان دمشقی، اسحاق ثابت وغیرہ کا مجمع رہتا تھا، (فہرست ۱۷۷)
حسن بن سہل	مشہور منجم تھا، (فہرست ۲۴۴: ۲۷۵)
موسیٰ بن خالد	داؤد بن عبداللہ بن حمید بن قحطبہ کے ہاں ترجمہ کے کام پر مامور تھا، (فہرست ۲۴۴)
یوسف بن خالد	ایضاً
ابوالحسن علی بن زیاد التمیمی	شہریار کی زیچ کا اس نے ترجمہ کیا تھا، (فہرست ۲۴۴)
احمد بن یحییٰ البلاذری	مشہور مورخ ہے، فتوح البلدان جس کے اکثر حوالے میری تصنیف میں

کیفیت	نام
ہیں، اسی کی تصنیف ہے، (فہرست ۲۴۴)	
اوپر گذر چکا،	جبلہ بن سالم
سیرۃ الفرس اسی نے ترجمہ کی تھی، (فہرست ۲۴۵)	اسحاق بن یزید
مشہور مصنف ہے، (فہرست ایضاً)	محمد بن جہم البرمکی
(")	ہشام بن القاسم
(")	موسیٰ بن عیسیٰ الکردی
ایران کی تاریخیں جو اس نے ترجمہ کیں اکثر اس کے حوالے کتابوں میں مذکور ہیں، (فہرست ایضاً)	زادویہ بن شاہویہ الاصفہانی
(")	محمد بن بہرام بن مطیار الاصفہانی
نیشاپور کا موبد موبدان تھا، (فہرست)	بہرام بن مردان شاہ
گذر چکا،	عمر بن فرخان الطبری
(فہرست ۳۰۲)	عبداللہ بن علی
اوپر گذر چکا،	سہل بن ہارون
"	سعید بن ہارون
(فہرست ۳۱۵)	اسحاق بن علی
مترجم کلیلہ دمنہ للبرامکۃ،	عبداللہ بن ہلال اہوازی

مترجمین زبان سریانی

کیفیت	نام
	ماسرجیس [illegible]
[illegible]	[illegible]
	ہشام کرخی
بقراط کی کتاب الاجنہ کا اسی نے ترجمہ کیا تھا،	ابن شہدی کرخی
نہایت عمدہ ترجمہ کرتا تھا،	ایوب الرہاوی
	یوحنا بن بختیشوع
سریانی زبان عمدہ جانتا تھا،	منصور بن باناس
علامہ ابن الندیم کا معاصر تھا،	ہرقلی
اسحاق بن سلیمان کے مترجمین میں تھا،	دادیشوع
ایساغوجی کا ترجمہ اسی نے کیا تھا،	ایوب بن قاسم الرقی
اوپر گذرا،	متی بن یونان

مترجمین زبان سنسکرت

اوپر گذرچکا	منکہ

ے دیکھو کتاب الفہرست صفحہ ۲۴۴ و طبقات الاطباء جلد ۱ صفحہ ۲۰۳

نام	کیفیت
ابن دھن	اس کے باپ کا نام دھن تھا، اور اس کی طرف منسوب ہو کر یہ ابن دھن کہلاتا تھا، بغداد کے ہسپتال کا جس کو برامکہ نے قائم کیا تھا افسر تھا، (فہرست صفحہ ۲۴۵)
اسمٰعیل تنوخی	
ابوریحان بیرونی	اوپر گذرا،
فیضی	اکبر کے دربار کا مشہور شاعر ہے،

مترجمین زبان یونانی ولاطینی وغیرہ سریانی

نام	کیفیت
اصطفن	اوپر گذرا،
بطریق	منصور کے دربار کا مشہور مترجم تھا،
یحیٰی بن بطریق	مذکورۃ الصدر کا فرزند، حسن بن سہل (وزیر مامون الرشید) کے دربار میں تھا،
حجاج بن مطر	مشہور مترجم، مجسطی اور اقلیدس کا ترجمہ اسی نے کیا تھا،
عبدالمسیح بن ناعمۃ الحمصی	
سلام الابرش	برامکہ کا مشہور مترجم،
حبیب بن بہریز	موصل کا بشپ تھا، مامون الرشید کیلئے ترجمے کئے،
زروبا بن ماتحوۃ الحمصی	عمدہ ترجمہ کرتا تھا،
ہلال بن ابی ہلال الحمصی	فصیح و بلیغ نہ تھا، لیکن ترجمہ صحیح کرتا تھا،

نام	کیفیت
فیثون	اس کے ترجمہ میں غلطیاں پائی جاتی ہیں، عربی نہیں جانتا تھا،
تنذارسی	
ابو نصر بن ادی بن ایوب	
بسیل	بہت سی کتابیں ترجمہ کیں، عمدہ ترجمہ کرتا تھا،
ابو نوح بن الصلت	
اسطاث	متوسط درجہ کا مترجم تھا،
جبرون بن رابطہ	
اصطفن بن بسیل	حنین کے قریب قریب ترجمہ کرتا تھا،
ابن رابطہ	
موسیٰ خالد	جالینوس کی اکثر کتابیں ترجمہ کیں،
تیوفیلی	
شکلی	
عیسیٰ بن نوح	
ابراہیم قویری	بہت بڑا منطقی تھا، متی بن یونان اسی کا شاگرد تھا، فلسفہ کی کتابیں ترجمہ کیں،
ثیرس	
داریع راہب	
ہیابیشون	
تصلیبا	

کیفیت	نام
	ایوب الرہاوی
	ثابت بن قمع
یہ دونوں محمد بن خالد بن یحیٰی برمکی کے ہان ملازم تھے،	ایوب
	سمعان
طاہر ذوالیمینین کے ہان ملازم تھا،	باسیل
فلاطون کی کتاب آداب الصبیان کا ترجمہ اسی نے کیا تھا،	ابو عمرو یوحنا بن یوسف
مشہور مترجم	قسطا بن لوقا البعلبکی
"	حنین بن اسحٰق
"	اسحاق بن حنین
"	ثابت بن قرۃ
مشہور مترجم حنین بن اسحٰق کا بھانجا تھا،	حبیش الاعسم
حنین بن اسحٰق کا شاگرد تھا،	عیسیٰ بن یحیٰی بن ابراہیم
متوسط درجہ کا ترجمہ کرتا تھا،	ابراہیم بن الصلت
	ابراہیم بن عبداللہ
مشہور مترجم	یحیٰی بن عدی
	تفلسی
راس العین کا رہنے والا تھا، حنین نے اس کے ترجمون کی اصلاح کی ہے،	سرجس

نام	کیفیت
یوسف بن علی المتطبب	خوزستان کا رہنے والا تھا،
ثابت الناقل	جالینوس کی کتاب الکیموس اسی نے ترجمہ کی،
قیضا الرہاوی	حنین کا مددگار تھا،
عبدیسوع بن بہریز	
ابوسعید سعید بن یعقوب	مشہور مترجم،
ابراہیم بن بکس	مشہور طبیب اور مترجم تھا،
ابوالحسن علی بن ابراہیم	باپ کا ہمسر تھا،

ترجمہ کا طریقہ اور اس کی صحت

ترجمہ کا اوّل اوّل یہ طریقہ تھا کہ اصل میں جو لفظ ہوتا تھا، اس کے ہم معنی الفاظ ڈھونڈھ کر لفظی ترجمہ کرتے جاتے تھے، چنانچہ یوحنا بن بطریق اور ابن ناعمہ حمصی کا یہی طرز تھا لیکن اس میں دو دقتیں تھیں، اولاً تو ہر لفظ کے مقابل میں ایسا لفظ ملتا جو تمام خصوصیتوں کے لحاظ سے اس کا ہم معنی ہو، ناممکن یا قریب ناممکن کے ہے، دوسرے لفظی ترجمہ سے مطلب اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا تھا، ان خرابیوں کو دیکھکر دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا، یعنی یہ کہ پوری عبارت کا مطلب عبارت میں ادا کرتے تھے،

غالباً یہ طریقہ حنین سے شروع ہوا، اور پھر اور لوگوں نے بھی تقلید کی لیکن چونکہ اکثر ترجمے پہلی قسم کے بھی موجود تھے، اس لئے اصلاح کا طریقہ ایجاد ہوا یعنی ان ترجموں میں جہاں جہاں ابہام اور پیچیدگیاں تھیں رفع کر دی گئیں، چنانچہ پچھلے بڑے بڑے نامور مترجم مثلاً ثابت بن قرہ، یحییٰ بن عدی

وغیرہ نے ترجمہ سے زیادہ پچھلے ترجموں کی اصلاحیں کیں، اور درحقیقت ان اصلاحوں سے بڑا فائدہ ہوا، [۱]

آج کل یورپ کے ناسپاس مصنف طعنہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں نے علمی دنیا پر جو احسان کیا، وہ صرف اس قدر کہ یونانی کتابوں کو بعینہٖ عربی میں ترجمہ کر دیا، جس سے یونانی کتابیں محفوظ رہ گئیں، لیکن وہ اس بات کو نظر انداز کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے صرف اسی قدر نہیں کیا، بلکہ دنیا کو ان کتابوں کے مطالب سمجھا دیئے، جو خود یونان کے شارحوں نے نہیں سمجھے تھے، ارسطو و افلاطون کی تحریر کا یہ طرز تھا کہ دانستہ مضمون کو پیچیدہ طور پر ادا کرتے تھے، یہاں تک کہ خود ارسطو نے جب کسی قدر اپنی تحریرات میں توضیح سے کام لیا تو افلاطون نے نہایت زجر کے ساتھ اس کو خط لکھا کہ تم علم کو مبتذل اور پامال کرتے ہو، ارسطو نے جواب میں لکھا کہ "میں نے پھر بھی ایسی پیچیدگیاں رکھی ہیں کہ اکثر لوگ اصل مطلب کی تہ کو نہیں پہنچ سکتے" یہی وجہ تھی کہ خود یونانی مصنفوں نے ان دونوں حکیموں کے مطلب سمجھنے میں غلطیاں کیں، اور رفتہ رفتہ دو جدا فرقے پیدا ہو گئے، حکیم ابونصر **فارابی** نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام **الجمع بین الرائین** ہے، یہ کتاب یورپ میں چھپ گئی ہے، اس میں حکیم مذکور نے دکھایا ہے کہ افلاطون و ارسطو کا طرز تحریر کیا تھا، اور اس کی وجہ سے زمانہ بعد میں یونان وغیرہ کے مصنفین نے کیسی غلطیاں کیں، فارابی نے پھر ان غلطیوں کو درست کیا ہے، اور ارسطو و افلاطون کی عبارتوں کا حل کرکے بتایا ہے کہ ان دونوں حکیموں میں کچھ اختلاف نہیں،

ترجموں کی درستی اور صحت میں جو اہتمام بلیغ کیا جاتا تھا، اس کے اندازہ کرنے کیلئے اس مقام پر ایک واقعہ نقل کرنا کافی ہوگا، مفرد دواؤں کے بیان میں یونان کی سب سے عمدہ تصنیف دیسقوریدس کی کتاب ہے، یہ کتاب المتوکل باللہ کے زمانہ میں اصطفن بن بسیل نے ترجمہ کی، اور حنین نے اس پر نظر ثانی کرکے درست کیا، لیکن جن دواؤں کے نام عربی میں نہ تھے ان کے نام یونانی رہنے دیئے،

---

[۱] ترجمے کے ان دونوں طریقوں کا ذکر بہاء الدین عاملی نے اپنی کشکول میں بحوالہ صلاح الدین صفدی کیا ہے،

یہی ترجمہ اسپین پہنچا، لیکن یونانی الفاظ کی وجہ سے عام طور پر لوگ منتفع نہیں ہو سکتے تھے، ۳۳۷ھ میں جو عبدالرحمٰن ناصر کی حکومت کا زمانہ تھا، قیصر روم نے (جس کا نام مارنیس تھا) اصل کتاب جس میں دواؤں اور بوٹیوں کی تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں، عبدالرحمٰن کو تحفہ میں بھیجی، عبدالرحمٰن کے دربار میں اگرچہ لاطینی زبان جاننے والے موجود تھے، لیکن قدیم یونانی زبان بالکل متروک ہو گئی تھی، اس وجہ سے اطبا اور حکما جو اس کتاب کے حل کرنے کے شایق تھے، یونانی الفاظ میں مجبور ہو جاتے تھے، عبدالرحمٰن نے خط لکھکر قیصر روم کے ہاں سے ایک عیسائی عالم کو بلوایا، جو یونانی اور لاطینی دونوں زبانوں کا ماہر تھا، ۳۴۰ھ میں وہ دربار میں پہنچا، اور اطبائے اسلام مثل محمد شجارہ، ابن جلجل، البساسی، ابو عثمان خزاز، محمد ابن سعید، عبدالرحمٰن بن اسحٰق، ابو عبداللہ الصقلی نے نہایت شوق اور توجہ سے یہ کتاب اس سے پڑھنی شروع کی، اس مجمع نے نہایت غور و تحقیق و تجربہ سے خود قرطبہ (کارڈوا) میں ان تمام مجہول دواؤں کے پتے لگائے، اور اُن کے ناموں کی تصحیح کی، ابن جلجل جو ان تمام طبیبوں میں نہایت نامور تھا، اس نے ایک مفصل شرح اس کتاب پر لکھی، اور اس کے تمام مقامات حل کئے، ابن جلجل نے ایک اور کتاب لکھی جسمیں صرف ان دواؤں کی تفصیل کی جو اس کتاب میں مذکور نہ تھیں[1]،

ترجمہ کی صحت اور غلطی پر یورپ کے علماء نے بہت بحثیں کی ہیں، اور چونکہ بدقسمتی سے ہم مسلمان یونانی وغیرہ سے بے بہرہ ہیں، اس لئے ہم کو اس باب میں یورپ ہی کا دستِ نگر ہونا پڑتا ہے، گبن صاحب لکھتے ہیں کہ ان ترجموں کی خوبی پر ناوٹ نے خوب بحث کی ہے، اور کلرسی نے دیانتداری سے اس کی حمایت کی ہے،، لوئیس صاحب نے ہسٹری آف فلاسفی میں لکھا ہے کہ مونک کہتا ہے کہ بعض ترجمے نہایت خوبی سے کئے گئے، فرانس کے نہایت نامور مصنف پروفیسر مونک جس نے مسلمانوں اور یہودیوں کے فلسفہ اور اس کے باہمی ربط پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اور جو مدت تک میرے

---

[1] دیکھو طبقات الاطبا، تذکرہ ابن جلجل الاندلسی،

مطالعہ میں رہی ہے، وہ لکھتا ہے کہ جن مصنفون نے مسلمانون کے ترجمون پر بیرحمانہ اعتراضات کئے ہیں، اس کی یہ وجہ ہے کہ انھوں نے اصل عربی ترجمے نہیں دیکھے، بلکہ اُن ترجمون کے ترجمے جو عربی سے لیٹن زبان میں کئے گئے دیکھے ہیں[1]،

ترجموں کی صحت وغلطی کا تو ہم مجتہدانہ فیصلہ نہیں کرسکتے، اور اسی وجہ سے ہم نے اس بحث میں صرف یورپ کی تقلید کی، لیکن یہ امر ہر شخص کو صاف نظر آتا ہے کہ مسلمانون نے ترجمہ کو اصل زبان سے کس قدر آزاد کردیا، آج انگریزی زبان کس قدر وسیع ہوگئی ہے، لیکن علمی اصطلاحات میں وہی تمام یونانی الفاظ قائم ہیں، اگرچہ اس کی یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ تمام یورپ میں مشترک اصطلاحون کا قائم رہنا ضرور ہے، اور وہ بغیر اس کے نہیں ہوسکتا کہ یونانی الفاظ بعینہٖ قائم رکھے جائیں، بہرحال عربی ترجمے اس غلامی سے بالکل بری ہیں، منطق، فلسفہ، ہیئت، ہندسہ، طب میں سیکڑون ہزارون اصطلاحی الفاظ تھے، لیکن ان سب کے مقابل میں عربی کے ایسے مناسب الفاظ انتخاب کئے گئے کہ گویا یہ علوم اسی زبان میں پیدا ہوئے تھے،

یونانی الفاظ سے تو ملک بالکل ناآشنا ہے، لیکن فارسی میں جو اصطلاحیں اسلام سے پہلے موجود تھیں اور جو دساتیر[2] میں مذکور ہیں، اور ان کے مقابل عربی اصطلاحات کو ہم اس موقع پر نمونہ کے لئے لکھتے ہیں[3]، جس سے ظاہر ہوگا کہ اصطلاحی الفاظ کا کس خوبی سے ترجمہ کیا گیا تھا،

---

[1] کتاب مذکور صفحہ ۳۱۴ [2] اُن صحیفوں کے مجموعہ کا نام ہے جو آتش پرستون کے اعتقاد میں زردشت وغیرہ پر اترے [3] لیکن یہ خیال رکھنا چاہئے کہ یورپ کے محقق جنھوں نے ژند اور پہلوی زبان میں کمال پیدا کیا ہے، اُن کی رائے یہ ہے کہ دساتیر ایک جعلی کتاب ہے، اور اسلام کے بہت بعد تصنیف ہوئی ہے، اگر یہ صحیح ہے، تو میرے مضمون کا یہ حصہ بےکار گیا،

اصطلاحاتِ فلسفہ وطب وغیرہ

پہلوی	عربی	پہلوی	عربی
کسی	تشخص	زنجیر	تسلسل
نوشدہ	حادث	آمیغ	حقیقت
فروزہ	صفت	جداشناس	فصل
پرتوی	اشراقی	رہبر	دلیل
رہبری	مشائی	ہمادی	کلی
بریں فرہنگ	الٰہیات	پاذتازی	جزوی
مایہ	ہیولیٰ	اوچیز	ہویت
پیکر	صورت	چارآمیزہ	اخلاط اربعہ
بایستہ ہستی	واجب الوجود	جنبش شمپوری	حرکت قسری
شایستہ ہستی	ممکن الوجود	بازگیر	اعتراض
نخستیں اندازخرد	بالبداہتہ	کنور	عِلّة
نابابے	محال	اشکیوہ	مرکب
چرخہ	دور	کاموس	بسیط

یونانی ولاطینی الفاظ عربی ترجموں میں خال خال اب بھی موجود ہیں، مثلاً اصطلاحات طبی میں کیموس، کیلوس، مالیخولیا، تریاق، نقرس، قولنج وغیرہ، لیکن یہ صرف گویا اس بات کے یادگار ہیں کہ اِن علوم کا ماخذ یونان ہے،

غیر قوموں کے علوم و فنون جو ترجمہ کے ذریعہ سے عربی زبان میں آئے

مذکورۂ بالا تفصیل کے بعد اب ہم ایک ایک زبان کے متعلق تفصیلی گفتگو کریں گے، اور چونکہ مسلمانوں نے سب سے زیادہ یونان کے علمی ذخیرہ کے ساتھ اعتنا کیا، اس لئے اول اسی سے شروع کرتے ہیں، پھر فارسی، سریانی، قبطی، سنسکرت وغیرہ کے متعلق لکھیں گے،

یونان

فلسفہ

یونانی فلسفہ کی ابتدا تھیلز (Thales) سے ہوئی جس کو اہلِ عرب طالیس کہتے ہیں، یہ حکیم حضرت عیسیٰؑ سے ۶۲۰ برس قبل پیدا ہوا، اس نے مصر میں تعلیم پائی تھی، اور وہیں یہ اصول سیکھا تھا کہ تمام اشیاء پانی سے پیدا ہوئیں، اس کے فلسفہ کو آیونک فلاسفی کہتے ہیں، اس کے بعد فلسفہ کی اور بہت سی شاخیں نکلیں، اور بڑے بڑے حکما پیدا ہوئے، فلسفہ یونانی کا یہ سلسلہ ۵۲۲ء تک جاری رہا، یعنی جب کہ ایتھنز کا اسکول اسی سنہ میں قیصر روم جسٹینین کے حکم سے بند کر دیا گیا، اس ممتد دور کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، قدیم، جدید، دور قدیم کی انتہا افلاطون پر ہوتی ہے، اور ارسطو سے دور جدید شروع ہوتا ہے، قدماء میں سات بڑے حکیم جو حکمت و فلسفہ کے ستون کہلاتے ہیں، یہ تھے، Thales (طالیس) Anoxa Goras (انکساغورس)
Anaxemenes انکیمانس (ایبندقلس)
Pytha Goras فیثاغورث Socrates سقراط
Plato افلاطون،

فیثاغورث کے زمانہ تک تصنیف کا چنداں رواج نہ تھا، اور یہی وجہ ہے کہ انگریزی میں ہسٹری آف فلاسفی کے عنوان سے جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں ان حکما کی تصنیفات کے بہت کم نام ملتے ہیں، تاہم ان کے فلسفیانہ اصول اور مسائل محفوظ تھے، اور مسلمانوں نے ان سے پوری واقفیت حاصل کی، علامہ شہرستانی نے طالیس، انکساغورس، انکیمانس، اپندقلس کے اصول پر مفصل گفتگو کی ہے، اور غالباً یورپین تصنیفات میں اصول و مسائل کے متعلق اس سے زیادہ تفصیل نہیں مل سکتی،

اپندقلس کا فلسفہ مسلمانوں میں زیادہ مقبول ہوا، اس کی تصنیفات عربی میں ترجمہ کی گئیں، محمد بن عبداللہ کو جو قرطبہ کا رہنے والا تھا، اپندقلس کی تصنیفات کا اتنا شوق تھا کہ ہمیشہ اپنے مطالعہ میں رکھتا تھا، ابوالہذیل علاف جو مسلمانوں میں علم کلام کا بہت بڑا فاضل اور خلیفہ مامون الرشید کا استاد تھا، صفاتِ باری کے متعلق اسی حکیم کے خیالات کا پیرو تھا[1] اپندقلس ہی پہلا شخص تھا جو اربعہ عناصر کا قائل ہوا، اور وہی خیال اب تک مسلمانوں میں چلا آتا ہے،

فیثاغورث المتولد ۵۸۰ قبل مسیح نے فلسفہ کو نہایت ترقی دی، یہاں تک کہ اس علم کا یہ نام اسی کے عہد میں ایجاد ہوا، اس کی تصنیفات جس قدر بہم مل سکیں بہم پہنچائی گئیں، اور ترجمہ کی گئیں، چنانچہ ان میں سے جو علامہ ابن الندیم کے زمانہ یعنی چوتھی صدی کے وسط تک موجود تھیں حسب ذیل ہیں،

رسالۃ فی السیاسۃ العقلیۃ، رسالۃ الی متمرد صقلیہ، رسالۃ ابی سیفانس فی استخراج المعانی[2]

ابن ابی اصیبعہ نے ان کتابوں کے علاوہ مفصلۂ ذیل کتابوں کا بھی نام لیا ہے،

کتاب ارثماطیقی، کتاب الالواح، کتاب فی النوم و الیقظ، کتاب فی کیفیۃ النفس و الجسد، الرسالۃ الذہبیۃ، ایلخس نے ان کتابوں کی جو شرحیں لکھی تھیں ان کا بھی عربی میں ترجمہ کیا گیا،

---

[1] طبقات الاطباء صفحہ ۳۷ ج ۱ [2] فہرست ابن الندیم صفحہ ۲۴۵،

سقراط

سقراط المتوفی سنہ ۴۰۰ قبل مسیح، فلسفہ کا باپ تسلیم کیا جاتا ہے، اس نے اگرچہ مستقل کتابیں نہیں تصنیف کیں کیونکہ وہ تحریر وتصنیف کا مخالف تھا، تاہم تعلم وتعلیم کے وقت اس نے فلسفہ کے مسائل پر جو تقریریں کیں اس کے شاگردوں نے اکثر محفوظ رکھیں، اور وہ رسالوں کی شکل میں مرتب ہو کر اس کی طرف منسوب ہیں، چنانچہ انذخانس کو فلسفہ کے متعلق پہیلیوں کے طور پر جو اسرار لکھے اس کو شہرستانی نے اپنی کتاب میں گویا بعبارتہ نقل کیا ہے، اس کے سوا اس نے اپنے عزیزوں کو جو تحریر لکھی اور پالیٹکس پر اس کی جو رائے تھی اس کی تصنیفات میں محسوب ہیں، اور عربی میں ان کا ترجمہ موجود ہے،

فلاطون

فلاطون المتوفی سنہ ۳۴۷ قبل مسیح نے فلسفہ کا بالکل ایک نیا اسکول قائم کیا، اس نے پانچ برس سقراط سے تعلیم حاصل کی، سقراط کے مرنے پر مصر گیا، اور فیثاغورث کے شاگردوں سے استفادہ کیا، پھر ایتھنز میں آکر ایک دار العلوم قائم کیا، اور فلسفہ پر لکچر دینے شروع کئے، اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں، تصنیفات میں اس کا خاص طرز یہ ہے کہ فرضی اشخاص کی زبان سے مسائل بیان کرتا تھا، اور کتاب کا نام بھی انہی لوگوں کے نام پر رکھتا تھا، فلاطون کی تصنیفات جو جو عربی میں ترجمہ کی گئیں، ان کی تفصیل نقشۂ ذیل سے معلوم ہوگی،

نام کتاب	مضمون	مترجم یا مفسر
کتاب السیاسۃ	پالیٹکس	حنین بن اسحاق
کتاب النوامیس	قانون	حنین و یحییٰ بن عدی
کتاب بنام سوفطس		اسحاق
کتاب بنام طیادس	مابعد الطبیعۃ	یحییٰ بن البطریق و حنین بن اسحاق
اصول الہندسہ	جامیٹری کے اصول	قسطا بن لوقا

ان کتابون کے سوا ابن ابی اصیبعہ نے اور بہت سی کتابون کے نام گنوائے ہیں، جن کا مجموعہ ۷۰ تک پہنچتا ہے،

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ افلاطون مطالب کو دانستہ نہایت پیچیدہ طریقہ سے بیان کرتا تھا، اس لئے خود یونانی حکما نے اس کے مطلب سمجھنے میں اکثر غلطیان کین لیکن حکماے اسلام خصوصاً **فارابی** نے نہایت صحت و خوبی سے ان کی تشریح کی،

ان سات حکما کے سوا اس دور میں اور اس کے بعد اور بھی اہل کمال گذرے جن کو فلسفیت کی حیثیت حاصل تھی، مثلاً **ارستیپ** المتولد ۴۳۵ قبل مسیح جو سقراط کا شاگرد تھا، اور جس کا فلسفہ صرف لذت و عیش پر مبنی تھا، اور **ہرقلس** (Heracles) المتولد ۵۰۰ قبل مسیح جو پہاڑون میں زندگی بسر کرتا تھا، اور **دیمقراطیس** (Democrites) جو اجزائے لایتجزیٰ کا قائل تھا، اور **کسنوفانس** (Cristophanes) المتولد ۵۴۱ ق م لیکن ان حکما کی مستقل تصنیفات نہ تھیں، البتہ ان کے اصول اور مسائل جو ان کے ہمعصرون یا شاگردون نے محفوظ رکھے تھے، موجود تھے، اور عربی زبان میں ترجمہ کئے گئے، چنانچہ ان تمام حکما کے فلسفہ کو شہرستانی اور جمال الدین قفطی اور صاعد اندلسی نے تفصیل سے لکھا ہے، اور میرا خیال ہے کہ یورپ کی تصنیفات میں بھی اس سے زیادہ نہیں مل سکتا،

حکماے متاخرین کا دور **ارسطو** المتولد ۳۸۴ ق م سے شروع ہوتا ہے، وہ امام الفلسفہ کے لقب سے مشہور رہے، اور درحقیقت وہ اس لقب کا مستحق تھا، یورپ نے اکثر طعنہ دیا ہے کہ مسلمانون نے صرف ارسطو کے فلسفہ سے واقفیت حاصل کی، اور ہمیشہ اسی کا کلمہ پڑھتے رہے، یونان کے اور نامور حکما سے وہ بہت کم واقف ہیں، اگرچہ یہ اعتراض درحقیقت یورپ کی کوتاہ نظری کا نتیجہ ہے، مسلمانون نے ارسطو کے سوا تمام اور حکما کے فلسفیانہ مسائل کا ذخیرہ جو بہم پہنچایا، آج یورپ

اس سے زیادہ سرمایہ مہیا نہیں کر سکتا، لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ اور حکما کی بہ نسبت مسلمانوں نے ارسطو کے فلسفہ کے ساتھ زیادہ اعتنا کی جس کے مختلف اسباب تھے، اوّل تو ارسطو سے پہلے تصنیف و تالیف کا منتظم طریقہ نہیں قائم ہوا تھا، اس واسطے حکماے قدیم کے خیالات اور مسائل اچھی طرح منضبط نہیں تھے، فلاطون نے تصنیف کو زیادہ ترقی دی، لیکن وہ مضامین کو نہایت پیچیدہ طور سے ادا کرتا تھا، اور اُس کو فرض منصبی خیال کرتا تھا، چنانچہ جب اس کی زندگی میں ارسطو کی بعض مفصل تصنیفات شائع ہوئیں تو اس نے ارسطو کو نہایت ناراضی کا خط لکھا کہ اسرار فاش کئے دیتے ہو[1]، شاید یہی وجہ بھی تھی کہ اپیکیورس (Epicurus) ڈیاجنیز (Diogenes) دیمقراطیس وغیرہ کے بعض مسائل اسلام کے برخلاف تھے لیکن ارسطو کا فلسفہ اسلام سے ملتا جلتا تھا، ارسطو وحدانیت صفات باری، ثواب، عقاب، حشر و نشر کا قائل تھا،

بہرحال یہ عیب ہو یا ہنر لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں نے نہایت جد و جہد سے ارسطو کی ایک ایک تصنیف بہم پہنچائی، اور ان سب کے ترجمے کئے، چنانچہ ہم اس موقع پر اُس کی تصنیفات کی ایک مفصل فہرست لکھتے ہیں،

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
قاطیغوریاس category	مقولات عشر یعنی کم کیف وغیرہ	حنین بن اسحاق	فارابی، متی، ابن مقفع، ابن بہریز، کندی، اسحاق، احمد بن طیب، رازی نے اس کے خلاصے اور شرحیں لکھیں،
باری ارمینیاس	اس میں مقولات مرکبہ کا بیان ہے	حنین و اسحاق	حنین سے سریانی میں اور اسحاق نے عربی میں ترجمہ کیا، متی، فارابی نے شرحیں لکھیں،

[1] افلاطون اور ارسطو کی اس خط و کتابت کو فارابی نے اپنی کتاب الجمع بین الرائین میں نقل کیا ہے، دیکھو رسائل فارابی مطبوعہ یورپ ص

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
			اسحاق، ابن مقفع، کندی، ابن بہریز، رازی، احمد بن طیب نے خلاصے لکھے،
انالوطیقا اول (Analytic)	تحلیل قیاسات	تیوڈورس	حنین نے سریانی میں اور اسحاق نے عربی میں اس کے بعض اجزا کا ترجمہ کیا، کندی و متی نے شرح لکھی،
انالوطیقا ثانی	برہان	اسحاق وغیرہ	حنین نے بعض اجزاء کا سریانی میں ترجمہ کیا متی نے اس سریانی کی عربی کی، متی، کندی، فارابی نے شرحیں لکھیں،
طوبیقا Topic	بحث وجدل	یحیٰی بن عدی	اسحاق نے سریانی میں، اور یحیٰی بن عدی نے اس سریانی کا عربی میں ترجمہ کیا، سات مقالے دمشقی نے ترجمہ کئے، اور ابراہیم ابن عبداللہ نے آٹھ مقالے، یحیٰی بن عدی نے ہزار ورق میں شرح لکھی، فارابی، متی نے بھی شرحیں لکھیں،
سوفسطیقا Sophistiq	مغالطہ	ابن ناعمہ	متی و ابن ناعمہ نے سریانی میں ترجمہ کیا، اور یحیٰی و قویری و ابراہیم نے عربی میں،

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
ریطوریقا (RHYTORIC)	فصاحت وبلاغت یاخطابیات	اسحٰق وابراہیم بن عبداللہ	فارابی نے شرح لکھی،
بوطیقا (POETIC)	شاعری	متی ویحیی ابن عدی	متی نے سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا،

یہ آٹھوں کتابیں منطق میں ہیں، کیونکہ ارسطو نے منطق کے آٹھ حصے قرار دیئے تھے، ان میں سے قاطیغوریاس یورپ میں چھپ گئی ہے، اور باری ارمیناس وانالوطیقا اول وثانی مع شرح ابن رشد کا قلمی نسخہ اس وقت میرے مطالعہ میں ہے، ارسطو کی اور تصنیفات حسب ذیل ہیں،

سمع الکیان	طبیعیات میں ہے اور ہیولی، صورت، مکان، حرکت زمانہ کا بیان ہے،	حنین وقسطا بن لوقا وغیرہ،	یہ کتاب آٹھ مقالوں میں ہے،
کتاب السماء والعالم	اس میں عناصر اربعہ اور فلک کا بیان ہے،	ابن البطریق ومتی	ابوزید بلخی، اور جعفر خازن نے اس کی شرح لکھی، ابوہاشم نے اصل کتاب پر ردوقدح کیا،
کتاب الکون والفساد	انقلاباتِ عناصر کا بیان ہے،	حنین واسحٰق	حنین نے سُریانی اور اسحاق دمشقی نے عربی میں ترجمہ کیا، مقالۂ اوّل کا ترجمہ قسطا نے کیا،
الآثار العلویہ	عنصریات		ابن رشد نے اس کے ترجمہ کی جو اصلاح کی وہ میری نظر سے گذرا ہے،
کتاب النفس	نفس کی حقیقت کا بیان ہے،	حنین وغیرہ	حنین نے سریانی میں ترجمہ کیا، اسحاق نے دو ترجمے ناقص وکامل کئے

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
کتاب الحس والمحسوس	حس کے اسباب و علل سے بحث کی ہے،		اس کتاب کی تلخیص جو ابن رشد نے کی ہے وہ میری نظر سے گذری ہے،
کتاب الحیوان	حیوانات کا بیان ہے،	ابن البطریق	۹ مقالے ہیں، سُریانی میں بھی اس کا ترجمہ ہوا،
کتاب النبات	نباتات کا بیان ہے،	اسحٰق بن حنین،	ثابت بن قرہ نے ترجمہ کی اصلاح کی میں نے اس کتاب کو دیکھا ہے،
اثولوجیا	الہیات	کندی	فرفوریوس مصری نے اس کتاب کی جو تفسیر کی وہ یورپ میں چھپ گئی ہے،
کتاب الحروف	یونانی حروف تہجی کی ترتیب پر ہے،	یحیٰی بن عدی	حروف الف سے میم و واو تک اس کا نسخہ ملا جس کا ترجمہ یحیٰی بن عدی نے کیا،
کتاب الاخلاق		اسحٰق بن حنین	فرفوریوس نے اس کے بارہوں مقالہ کی تفسیر لکھی، جس کا ترجمہ اسحاق بن حنین نے کیا،
کتاب المرأة		حجاج بن مطر	
ان کتابوں کے سوا ارسطو کی اور بہت سی تصنیفات ہیں، اور ان سب کا عربی میں ترجمہ			

کیا گیا، چنانچہ ان میں سے جو کتابیں ساتویں صدی تک موجود تھیں اور علامہ ابن ابی اصیبعہ کی نگاہ سے گذریں، حسبِ ذیل ہیں،

کتاب[1] الفراست، کتاب[2] السیاسۃ المدینہ، کتاب[3] السیاسۃ العلیمہ، مسائل[4] فی الشراب، کتاب[5] فی التوحید، کتاب الشباب[6] والہرم، کتاب[7] الصحۃ والسقم، کتاب[8] فی الاعداد، کتاب[9] فی الباہ، رسالہ[10] الی ابنتہ، وصیتہ[11] الی نیقاتر، کتاب[12] الحرکۃ، کتاب[13] فضل النفس، کتاب[14] فی العظم الذی لا یتجزی، کتاب النقل[15]، الرسالۃ[16] الذہبیہ، رسالۃ الی[17] الاسکندر فی تدبیر الملک، کتاب[18] الکنایات، کتاب[19] فی علل النجوم، کتاب[20] الانوار، رسالۃ[21] فی الیقظہ، کتاب[22] الاحجار، السبب[23] فی خلق الاجرام السماویہ، کتاب[24] فی الروحانیات، رسالۃ فی طبائع[25] العالم، کتاب[26] الاصطماخیس، کتاب[27] الحیل، کتاب[28] ما بعد الطبیعۃ، کتاب[29] نعت الحیوانات الغیر الناطقہ، کتاب[30] ایضاح الخیر المحض، کتاب[31] الملاطیس، کتاب[32] فی نفث الدم، کتاب[33] المعادن، کتاب[34] اسرار النجوم، کتاب الغالب[35] والمغلوب،

ارسطو کے بعد تصنیف و تالیف کا عام رواج ہوگیا، اور اس زمانہ میں جس قدر حکما پیدا ہوئے اکثر صاحب تصنیف تھے، ارسطو کا فلسفہ اگرچہ درحقیقت افلاطونی فلسفہ سے مختلف نہ تھا، لیکن دونوں حکیموں کی طرز تحریر و ادائے مطالب میں اس قدر اختلاف تھا کہ لوگوں نے ان کو باہم مخالف سمجھا، اور اس بنا پر فلسفہ کے دو الگ الگ اسکول قائم ہوگئے، ارسطو کے فلسفہ نے زیادہ وسعت حاصل کی، اور اس کے پیروؤں میں بڑے بڑے مشہور حکیم پیدا ہوئے، ان میں سے ثاؤفرسطس (Theophrastus) اور اسکندر افرودسی (Alexender Aphrodisius) زیادہ مشہور ہیں،

ثاؤفرسطس

ثاؤفرسطس سنہ ۳۱۰ ق م ارسطو کا خاص شاگرد تھا، اور ارسطو نے اپنے مدرسہ کا اسکو جانشین مقرر کیا تھا، یونان کے بڑے بڑے حکما اس کے حلقۂ درس میں بیٹھتے تھے، وہ قائل

تھا کہ خدا کی ذات وصفات میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوسکتا، وہ ستارون کو روحانی اجسام مانتا تھا، اور اُن کے مدبر عالم ہونے کا قائل تھا، فلسفہ میں اس کی متعدد تصنیفات ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں،

کتاب النفس، کتاب الآثار العلویہ، کتاب الادب، کتاب الحس والمحسوس، کتاب مابعد الطبیعۃ کتاب النبات، یہ تمام کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں پچھلی تین کتابون کا ترجمہ ابراہیم بن بکس اور یحییٰ بن عدی نے کیا،[1]

اسکندر افرودسی دمشقی ۱۲۹ء میں پیدا ہوا، اس نے ارسطو کی تصنیفات پر نہایت کثرت سے شرحیں لکھیں، وہ ارسطو کے فلسفہ کا ایک بڑا رکن خیال کیا جاتا ہے، اس نے بعض اصول خود بھی ایجاد کئے، چنانچہ خدا کے عالم کلیات وجزئیات ہونے پر اول اسی نے دلیل قائم کی، اسی نے ارسطو کے برخلاف یہ مسئلہ بیان کیا کہ نفس کو مفارقت بدن کے بعد کسی قسم کا ادراک و احساس نہیں ہوسکتا، اس کی شرحیں اور مستقل تصنیفات دونون عربی میں ترجمہ کی گئیں، چنانچہ نقشۂ ذیل سے تفصیل معلوم ہوگی،

ترجمۂ شروح

نام کتاب	مترجم	کیفیت
شرح قاطیغوریاس شرح انالوطیقا	ابوزکریا	یہ شرح ۶۰۰ صفحون میں ہے، مصنف نے اس کی دو شرحیں لکھیں، ایک زیادہ مفصل اور کامل ہے،

[1] دیکھو شہرستانی مطبوعۂ یورپ ص ۲۴۷ و فہرست ابن الندیم ذکر ثاؤفرسطس،

نام کتاب	مترجم	کیفیت
شرح طوبیقا		آٹھ مقالون میں سے صرف پانچ مقالون کی شرح ہے،
شرح سماع طبعی	ابو روح الصابی وحنین و قسطا و دمشقی	ان مترجمون نے کتاب کے مختلف حصون کے ترجمے کئے،
شرح کتاب السماع والعالم		صرف پہلے مقالہ کی شرح ہے،
شرح کتاب الکون والفساد	متی وقسطا	
شرح الآثار العلویۃ		اس شرح کا ترجمہ پہلے عربی میں کیا گیا پھر یحیٰی بن عدی نے اس ترجمہ کا ترجمہ سریانی زبان میں کیا،
شرح کتاب الحروف		

اسکندر افرودسی[1] کی جو تصنیفات عربی میں ترجمہ کی گیئں، حسب ذیل ہیں،

کتاب[1] النفس، کتاب[2] الرد علی جالینوس فی التمکن، کتاب[3] الرد علی جالینوس فی الزمان، کتاب[4] الابصار، کتاب[5] اصول العامۃ، کتاب[6] عکس المقدمات، کتاب[7] مبادی الکل، کتاب[8] فی ان الموجود لیس بجنس للمقولات العشر، کتاب[9] العنایۃ، کتاب[10] الفرق بین الہیولیٰ والجنس، کتاب[11] الرد علی من قال انہ لایکون شئ الا من شئ، کتاب[12] فی ان الابصار لایکون الا بشعاعات تنبث من العین، کتاب[13] اللون، کتاب[14] الفصل، کتاب[15] المالیخولیا،

فلسفہ ارسطو کے اور بہت سے شارح ومفسر گذرے، جن کی تصنیفات کا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا، مثلاً نیقولاؤس، امیقدروس،

نیقولاؤس

نیقولاؤس (Nicolaus) نے علاوہ شرحون کے مستقل تصنیفات بھی کیں،

[1] اسکندر افرودسی اور اسکی تصنیفات کے لیے دیکھو فہرست ابن الندیم ص ۲۵۲ وطبقات الاطباء ج ۱ ص ۶۹،

چنانچہ ان میں سے کتاب فی فلسفۃ ارسطو فی النفس وکتاب النبات وکتاب الرد علی جاعل العقل و المعقولات شیئاً واحداً، وکتاب اختصار فلسفۃ ارسطو کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا،

ارسطو کا فلسفہ اگرچہ تمام ملک پر قبضہ کرچکا تھا، اور پچھلے حکماء کے پیرو بہت کم رہ گئے تھے، تاہم معدوم نہیں ہوئے تھے، سنہ ۴۶ء میں پلوٹارک (Plutarc) جو سنہ ۱۲۰ء میں موجود تھا، اس نے سقراط کے فلسفہ کو رونق دی، اور فلسفۂ اخلاقی کی بنیاد ڈالی، اس کی تصنیفات نہایت مقبول ہوئیں، اور وہ مجدد فلسفہ قرار پایا، انگریزی مورخوں نے لکھا ہے کہ شکسپیر نے اپنی پلیز میں قوم کی اخلاقی حالت کی جہاں جہاں تصویر کھینچی ہے اکثر پلوٹارک کے بیان سے مدد لی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ وہ حصے نہایت موثر اور مفید ہیں، بہرحال مسلمانوں نے باوجود اس کے کہ وہ فلسفۂ ارسطو کے زیادہ دلدادہ تھے، پلوٹارک کے فلسفہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا، اور اس کی اکثر تصنیفات کے ترجمے کئے، اس نے ایک کتاب میں طبعیات کے متعلق تمام حکماء کی رائیں نقل کی تھیں، قسطا بن لوقا نے اس کا ترجمہ کیا، اس کے سوا اس کی اور کتابیں مثلاً کتاب الی موریالیا، کتاب الغضب، کتاب الریاضۃ، کتاب النفس، عربی وسریانی میں ترجمہ کی گئیں،

یہ تقسیم زمانہ کے اعتبار سے تھی، لیکن اصول فلسفہ، طرز تعلیم، اخلاق وعادات کے لحاظ سے فلسفہ کے سات اسکول قرار دیئے گئے ہیں،

(۱) فیثاغورثیہ	اس کا حال اوپر گذر چکا،
(۲) قورنیتیہ	اس فرقہ کا بانی ارسیغورس تھا، اور چونکہ وہ قورنیا کا رہنے والا تھا، اس لئے یہ فرقہ اسی کی طرف منسوب ہوکر مشہور رہا،
(۳) رواقیہ	(اسٹوئیک) (Stoic) اس فرقہ کا بانی زینون (Zeno) المتولد سنہ ۳۴۰ ق م تھا، اور چونکہ وہ چھت

	کے نیچے بیٹھ کر تعلیم دیتا تھا، رواقیہ کے نام سے مشہور ہوا،
(۴) کلابیہ	(Dogmatic) اس فرقہ کا بانی انیستین تھا، یہ حکیم تمام آدمیون کو حقیر سمجھتا تھا، اور خاص کر امرا اور دولت مندون کو گویا کاٹ کھانا چاہتا تھا، اس مناسبت سے لوگ اس کو کتا کہتے تھے، اور اسی مناسبت سے اس فرقہ کا نام کلابیہ مشہور ہو گیا، اس فرقہ کا سب سے نامور شخص دیوجانس کلبی (Diogenes) تھا جس کے حالات اور اقوال و افعال عربی کتابوں میں اکثر مذکور ہیں، وہ ۴۱۳ قم پیدا ہوا،
(۵) مانعہ	اس کا بانی فورن تھا، اور چونکہ وہ لوگوں کو تعلیم سے منع کرتا تھا اس لئے اس نام سے مشہور ہوا،
(۶) لذتیہ	اس کا بانی ابیکوریس المتولد ۳۴۶ قم تھا جس کا فلسفہ یہ تھا کہ آیندہ حشر و نشر کچھ نہیں، اس لئے جس قدر ہو سکے یہاں عیش کر لینا چاہیے،
(۷) مشائیں،	اس کے بانی افلاطون اور ارسطو تھے، اور چونکہ یہ لوگ پڑھانے کے وقت ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھاتے جاتے تھے، اس لئے اس نام سے مشہور ہوئے،

ان میں سے بعضوں نے تصنیف و تالیف نہیں کی بلکہ زبانی مسائل کی تعلیم کرتے تھے، چنانچہ ان کے اصول اور اقوال دوسرون کی تصنیفات میں حوالہ کے طور پر ملتے ہیں، غرض ان میں سے جن حکماء کی تصنیفات موجود تھیں عربی میں ترجمہ کی گئیں، اور جن کے صرف اقوال اور مسائل محفوظ تھے، اسی حیثیت سے محفوظ رہے، چنانچہ علامہ شہرستانی نے دیوجانس، ابیکورس

زینون کے اقوال اور مسائل کو اپنی کتاب مین نہایت خوبی سے بیان کیا ہے، اگرچہ ان مین سے بعضون کا اصول چونکہ مذہب اسلام کے مخالف تھا، اس لئے ان کی پیروی نہین کی گئی، لیکن بعض بعض حکماے اسلام کے خیالات مین ان کا پرتو پایا جاتا ہے، مثلاً **عمر خیام** کی رباعیان اپیکورس کے خیالات سے بلبریز ہین، لیکن چونکہ وہ خیالات شاعری کے پردہ مین ادا کئے گئے ہین اس لئے الحاد و زندقہ کے طعنہ سے کسی قدر وہ محفوظ رہا،

زینون وحدتِ وجود کا قائل تھا، اور یہ خیال تو اس وسعت سے مسلمانون مین پھیلا کہ ایک بڑے مذہبی گروہ کا دار و مدار اسی پر ہے،

یونان کے فلسفہ نے وہ قبول حاصل کیا کہ مصر کی درسگاہون مین جہان کسی زمانہ مین خود حکماے یونان نے تعلیم پائی تھی، اس کا رواج ہوگیا، اسکندریہ کے تمام مدارس مین یونانی ہی فلسفہ پڑھایا جاتا تھا، کچھ دنون تک تو مقلدانہ تعلیم رہی، پھر وہان خود ایسے اہلِ کمال پیدا ہوگئے کہ فلسفہ کے خاص خاص اسکول کے بانی قرار پائے، چنانچہ امونیس (Ammonius) نے جو ۲۲۰ئہ مین تھا ایک نئے طریقہ کی نبیاد ڈالی جس کا نام نیو پلاٹونیزم یعنی جدید فلسفۂ افلاطونی ہے، اس حکیم نے افلاطون کے فلسفہ مین چند خاص اصول اضافہ کئے، اور بہت سے لوگ اس کے پیرو ہو گئے، امونیس نے ارسطو کی بہت سی کتابون پر شرحین لکھین، مثلاً شرح قاطیغوریاس، شرح طوبیقا وغیرہ، چنانچہ ان کتابون کا عربی مین ترجمہ ہوا،

امونیوس نے مستقل تصنیفین بھی لکھین، جو عربی مین ترجمہ کی گئین، مثلاً شرح مذہب ارسطاطالیس فی الصانع، کتاب فی اغراض ارسطالیس، کتاب حجۃ ارسطالیس فی التوحید،

نیو پلاٹونیزم یعنی جدید فلسفۂ افلاطونیہ جو اسکندریہ مین قائم ہوا، اس کے اصولِ اولین چار تھے:

(۱) خدا تین اقنوم ہین، وحدت، فہم، قوت،

(۲) نفس وحدت حاصل کرسکتا ہے، اور اس حیثیت سے خدا کی برابری حاصل کرسکتا ہے،

(۳) موجودہ زندگی کے تصورات سب وہم وخیال ہین،

(۴) مادہ نہایت حقارت کے قابل ہے،[1]

اس فلسفہ کے مشاہیر حکما یہ تھے،

فرفوریوس

فرفوریوس (Porphyrius .d) ۳۳۳ء مین پیدا ہوا، فن بلاغت کی تحصیل ایتھنز مین کی، یہ مذہب عیسوی کا مخالف تھا، اور عیسائیت کے رد مین بہت سی کتابین تصنیف کین، فلسفہ مین ارسطو کی اکثر کتابون کی شرح لکھی، اور کلیاتِ خمس کی ترتیب اسی نے دی، مسلمانون نے اس کی تصنیفات کو بڑی جد وجہد سے لیا گیا، اور ان کے ترجمے کئے، جن کی تفصیل ذیل مین ہے،

نام کتاب	مضمون	مترجم
ایساغوجی	یعنی کلیاتِ خمس	
مدخل الی القیاسات		ابوعثمان دمشقی
کتاب العقل والمعقول		
انابو کے نام دو کتابین	انابو فرفوریوس کا شاگرد تھا،	
کتاب الرد علی بجوس	عقل ومعقول کے بیان مین ہے،	
الاسطقسات	عناصر کا بیان ہے،	
شرح کتاب باری ارمیناس لارسطو		

[1] میزان الحق مطبوعہ بیروت ص ۳۰۴،

مترجم	مضمون	نام کتاب
بسیل		شرح کتاب سماع طبعی لارسطو
اسحق بن حنین، یہ کتاب بارہ مقالوں میں ہے،		شرح کتاب اخلاق لارسطو

فرفوریوس نے حکما کے حال میں ایک نہایت مفصل اور مفید کتاب لکھی تھی، اس کا بھی عربی میں ترجمہ کیا گیا، چنانچہ طبقات الاطباء کا ابتدائی حصہ بہت کچھ اسی سے ماخوذ ہے، اور مسلمان مصنفون نے حکماے یونان کے حالات میں جو کتابیں لکھی ہیں، اکثر اس سے ماخوذ ہیں،

اس فلسفہ کا دوسرا مشہور حکیم برقلس تھا، یہ ۴۱۲ئ میں پیدا ہوا فلسفہ و ریاضی میں استادِ وقت تھا، یہ بھی مذہب عیسوی کا سخت مخالف تھا، اس کی اکثر تصنیفات عربی میں ترجمہ کی گئیں، جن کی تفصیل ذیل میں ہے،

مضمون	نام کتاب
	کتاب حدود اوائل الطبیعات
اٹھارہ مسئلوں کا بیان ہے	ثمان عشرۃ مسائل
تین مقالوں میں ہے،	شرح قول فلاطون فی النفس
یعنی الہیات	اثولوجیا
فیثاغورث کی وصیتیں جو آبِ زر سے لکھی گئی تھیں انکی شرح ہے، ۲۰۰ صفحوں میں ہے،	تفسیر وصایاے فیثاغورث
	الجواہر العالیۃ

نام کتاب	مضمون
دیادوخس	یونانی نام ہے، اس میں دس مسئلوں پر بحث ہے،
الخیر الاول	
المسائل العشر المعضلات	دس نہایت مشکل مسئلوں پر بحث ہے،
الجزء الذی لایتجزی	جزء لایتجزی کی بحث میں ہے،

ثامسطیوس

اس طبقہ کا ایک اور مشہور حکیم **ثامسطیوس** (*Themisteas*) تھا، جو ۳۵۵ء میں تھا، یہ بھی عیسائیت کا منکر تھا، اور شاید یہی وجہ تھی کہ بادشاہ روم لیولیانس نے جو مذہب عیسوی کا سخت دشمن تھا، اس کو اپنا سکریٹری مقرر کیا تھا، اس نے ارسطو کی تصنیفات کی شرحیں لکھیں، جن میں سے شرح کتاب قاطیغوریاس، شرح انالوطیقا، شرح انالوطیقا ثانی، تفسیر کتاب طوبیقا، تفسیر سماع طبعی، تفسیر کتاب السماء والعالم، تفسیر کتاب الکون والفساد، تفسیر کتاب النفس، تفسیر کتاب الحروف کا ترجمہ عربی زبان میں موجود ہے، علامہ ابن الندیم نے ان کتابوں کی اور ان کے مترجموں کی بھی تفصیل لکھی ہے،

ثامسطیوس کی ذاتی تصنیفات بھی ہیں، اور ان کا بھی عربی میں ترجمہ کیا گیا، ان میں سے ایک کتاب نفس کی بحث میں ہے، اور باقی دو رسالے ہیں جو اس نے لیولیانس کو لکھے تھے،

یحییٰ نحوی

حکمائے اسکندریہ کا خاتم **یحییٰ نحوی** (*John the Grammarian*) تھا، عہد اسلام کے زمانہ تک موجود رہا، اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے اسکی بہت قدر و منزلت کی، وہ بہ یک واسطہ برقلس کا شاگرد تھا، اور اس کی صحبت سے مشرف ہوا تھا، یحییٰ کا اصل فن **طب** تھا، چنانچہ اس کی طبی تصنیفات کا ذکر آگے آتا ہے، لیکن اس نے فلسفہ پر بھی کتابیں لکھیں، چنانچہ

ارسطو کی کتاب قاطیغوریاس وانالوطیقا اول ودوم وطوبیقا وسماع الطبعی والکون والفساد، ان سب کتابون کی شرحین لکھین، ان کے سوا اس کی مستقل تصنیفات بھی ہین، ایک کتاب برقلس کے رد مین ہے، اور اٹھارہ مقالون مین ہے، ارسطو کے رد مین بھی اس نے ایک کتاب چھ مقالون مین لکھی، اُن کے سوا اور تصنیفین ہین، چنانچہ ان سب کی تفصیل علامہ ابن الندیم وابن ابی اصیبعہ نے کی ہے، یہ تمام کتابین عربی زبان مین ترجمہ کی گئین، اور ان مین سے بعض آج تک موجود ہین،

ہیئت

اس فن کا موجد تھیلس (تالیس ملطی) کہا جا سکتا ہے، جو حضرت عیسیٰؑ سے ۶۶۰ برس پہلے تھا، اس نے زمین کو مرکزِ کائنات مانا، اور وہ پہلا شخص ہے جس نے زیچ بنائی، اور خسوف کی پشین گوئی کی، اس کے بعد فیثاغورث وافلاطون نے اس فن کو نہایت ترقی دی، فیثاغورث نے جو ۵۳۶ ق م تھا، بجائے زمین کے آفتاب کو مرکز مانا، ان حکما کی تحقیقات اور مسائل اگرچہ عربی کتابون مین تفصیل سے مذکور ہین، لیکن اس فن کے متعلق اُن کی کسی مستقل تصنیف کا ہم کو پتہ نہین ملتا، جو عربی زبان مین ترجمہ کی گئی ہو، البتہ اس دور کے بعد جن حکماء نے اس فن کو ترقی دی، ان کی کتابون کے ترجمے عربی مین موجود ہین، ان مین سب سے مقدم اور نامور ارسترخوس تھا، جو ارشمیدس کا ہمسر تھا،

ارسترخوس یونانی الاصل اور حضرت عیسیٰؑ سے ۲۷۰ برس پہلے تھا، یہ اس بات کا قائل تھا کہ زمین آفتاب کے گرد حرکت کرتی ہے، اس کی تصنیفات مین سے جس کتاب کا ترجمہ موجود ہے، اس کا نام جرم الشمس والقمر ہے، اس مین آفتاب وماہتاب کی جسامت اور مقدار اور

فاصلہ کا بیان ہے، یہ عجب بات ہے کہ یورپ کو بھی باوجود انتہائے تلاش کے یہی ایک کتاب مل سکی چنانچہ اصل کتاب ۱۶۸۸ء اور اس کا فرنچ ترجمہ ۱۸۱۰ء مین چھاپا گیا،[1]

اسی دور کا دوسرا مشہور فاضل ابرخس (Hipparchus) ہے، جو حضرت عیسیٰؑ سے ۱۴۰ برس قبل تھا،

ابرخس

ابرخس نے اس فن مین بہت کچھ اضافہ کیا، علم ہیئت مین جبر ومقابلہ سے اوّل اسی نے کام لیا، اس مصنف کی تصنیفات عربی زبان مین ترجمہ کی گئین، لیکن یہ تعجب ہے کہ علامہ ابن الندیم نے جن کتابون کا نام لکھا ہے، وہ جبر ومقابلہ کے متعلق ہین، ہیئت کی کسی کتاب کا نام نہین لکھا،

بطلیموس

بطلیموس۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے اصطرلاب بنایا، اور آلاتِ نجوم تیار کیے، اسکے زمانہ مین بہت بڑے سامان سے رصدخانہ بنا، اور اجرام فلکی کے حالات تحقیق کئے گئے، مسلمانون نے اس کی ہیئت کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا، چنانچہ اس کی کتاب مجسطی کا ترجمہ بڑے اہتمام اور جد وجہد سے ہوا، سب سے پہلے یحییٰ بن خالد برمکی نے اس کے ترجمہ کی طرف توجہ کی، چنانچہ بہت سے مترجمین نے اس کی فرمائش سے ترجمے کئے، اور تفسیرین لکھین، لیکن وہ سب مبہم اور غیر مفہوم تھین، اس لئے اس نے بیت الحکمۃ کے افسرون یعنی سلما اور ابوحسان کو اس کام پر مامور کیا، ان لوگون نے نہایت مشہور اور نامور مترجمون کو جمع کر کے ترجمہ پر مامور کیا، اور نہایت محنت کے ساتھ ترجمہ کیا گیا، اس کتاب کے کل ترجمے جو مقبول ہوئے تین ہین، ایک حجاج بن مطر کا، دوسرا اسحٰق کا جس کو ثابت نے صحیح کیا تیسرا خود ثابت کا، چونکہ مامون الرشید کو اس کتاب کے ساتھ نہایت شعف تھا، اس کے حکم سے حنین بن اسحاق نے

[1] دائرۃ المعارف مرتبہ زمانہ حال و فہرست ابن الندیم ص ۲۷۰

بھی ترجمہ کیا، حجاج بن یوسف و ثابت بن قرہ نے زوائد سے پاک کر کے خلاصہ لکھا، ابو ریحان بیرونی نے اس کا اختصار کیا، اور عمرو بن فرخان، ابراہیم بن الصلت، فضل بن حاتم، شمس الدین سمرقندی، نظام الدین نیشاپوری وغیرہ نے شرحیں لکھیں[۱]،

بطلیموس کا نظام تمام یورپ میں مدتوں یعنی کوپرنکس کے زمانہ تک متداول رہا، یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے، کہ بطلیموس کی یہ کتاب (مجسطی) اول عرب ہی کی بدولت یورپ میں پہنچی، چنانچہ عربی زبان سے لاٹین میں اس کا ترجمہ کیا گیا، پھر یونانی نسخہ بھی ملا، اور فرنچ میں اس کا ترجمہ کیا گیا، جو پیرس میں ۱۸۱۶ء میں چھاپا گیا[۲]،

بطلیموس نے آلاتِ رصدیہ میں ذات الحلق اور ذات الصفائح پر دو مستقل کتابیں لکھیں، اور ایک نہایت مفصل کتاب علم نجوم میں لکھی جس کا نام قانون ہے، یہ کتابیں بھی عربی میں ترجمہ کی گئیں، چنانچہ مورخ یعقوبی نے ان کتابوں کے ابواب اور فصلوں کے مضامین کو تفصیل سے لکھا ہے، بطلیموس کی اور تصنیفات جو ترجمہ کی گئیں حسب ذیل ہیں،

کتاب[۱] الموالید، کتاب[۲] استخراج السہام، کتاب[۳] تحویل سنی العالم، کتاب[۴] تحویل سنی الموالید، کتاب[۵] المرض وشراب الدوا، کتاب[۶] فی سیر السبعہ، کتاب[۷] فی الاسرار والمحبین، کتاب[۸] فی اثر الصعود، کتاب[۹] التخمین ایھا یفلح، کتاب[۱۰] ذوات الذوایب، کتاب[۱۱] السابع، کتاب[۱۲] القرعہ، کتاب[۱۳] اقتصاص، احوال الکواکب، کتاب[۱۴] المثمرۃ، کتاب[۱۵] الاربعۃ، یہ کتاب ایک شاگرد کے نام سے لکھی تھی، ابراہیم بن الصلت نے اس کا ترجمہ کیا، حنین نے اصلاح کی، ثابت و عمر بن الفرخان وغیرہ نے شرحیں لکھیں، یہ تینوں حکیم فنِ ہیئت کے بانی اور موجد خیال کئے جاتے ہیں، لیکن مسلمانوں نے ان کے علاوہ اور اہلِ کمال کی بھی کتابیں بہم پہنچائیں اور ترجمہ

---

[۱] کتاب الفہرست وکشف الظنون و دائرۃ المعارف [۲] دائرۃ المعارف،

کیں، چنانچہ تفصیل حسب ذیل ہے،

اوطولوقس

اوطولوقس (Autolycus) یہ ارسطو کا معاصر اور دیوجانس کا استاد تھا، اس کی دو کتابیں اس فن میں ہیں اور دونوں کا ترجمہ کیا گیا، کتاب الکرۃ المتحرکۃ، کتاب الطلوع والغروب،

ابسقلاوس

ابسقلاوس (Hypsicles) ۱۶۰ء میں تھا، اور اسکندریہ میں رہتا تھا، اس کی تصنیفات میں کتاب الاجرام والابعاد، کتاب الطلوع والغروب کا ترجمہ ہوا، اس نے اقلیدس کے چوتھے اور پانچویں مقالہ کی اصلاح بھی کی تھی، اور اس کا بھی عربی میں ترجمہ ہوا،

ثاون

ثاون (Theon) اسکندریہ کا رہنے والا تھا، اس نے آلاتِ رصدیہ میں سے ذات الحلق اور اسطرلاب کے متعلق دو مستقل کتابیں لکھیں بطلیموس کی زیچ پر بھی ایک کتاب لکھی، مجسطی پر بھی اس کی ایک کتاب ہے، چنانچہ ان سب کتابوں کا ترجمہ کیا گیا،

فالیس رومی

فالیس رومی اس کی تصنیفات جن کا ترجمہ ہوا حسب ذیل ہیں،

مدخل الی صناعۃ النجوم، کتاب المو الید، کتاب المسائل، کتاب الزائجہ، کتاب المسائل الکبیر، کتاب السلطان، کتاب الامطار، کتاب تحویل سنی العالم، کتاب الملوک،

تیودورس

تیودورس (Theodorus) اس کی تصنیفات جو ترجمہ ہوئیں، حسب ذیل ہیں،

کتاب الاکر، کتاب المساکن، کتاب اللیل والنہار،

ببس

ببس (Pappus) ثاون اسکندرانی کا معاصر تھا، اس نے بطلیموس کی کتاب پر جو کرہ کی تسطیح کے متعلق ہے شرح لکھی، اس کتاب کا ترجمہ ثابت نے کیا،

ایرن

ایرن (Heron) ۲۵۰ ق م تھا، اس نے اسطرلاب پر ایک

کتاب لکھی اور اس کا ترجمہ کیا گیا، اقلیدس کے شکوک پر بھی ایک کتاب لکھی اور اس کا بھی ترجمہ ہوا،

ابیون (Apion) انہیں حکما میں سے ہے، اس کی تصنیفات میں سے اصطرلاب پر ایک کتاب ہے، اور وہ عربی میں ترجمہ کی گئی،

جبر ومقابلہ وحساب

جبر ومقابلہ کا فن اگرچہ مسلمانوں نے گویا خود ایجاد کیا، کیونکہ مسلمانوں سے پہلے اس کی ابتدائی حالت ایسی تھی کہ فن کا لفظ اس پر صادق نہیں آسکتا تھا، اور اس بات کا تمام یورپ اعتراف کرتا ہے تاہم اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ یونانیوں نے بھی اس فن میں کچھ کتابیں لکھی تھیں، چنانچہ وہ عربی میں ترجمہ کی گئیں،

سب سے اول جس نے یونان میں اس کے متعلق کچھ لکھا وہ **ابرخس** تھا، جو ۱۴۰ق م نہایت مشہور ریاضی داں گذرا ہے، سیارات کی حرکت چھ سو برس مابعد تک خسوف کی تاریخیں، ستاروں کے فاصلے، اجرام فلکی کی فہرست، ان مضامین پر اس نے بہت سے رسالے لکھے، **جبر ومقابلہ** پر اس کی جو کتاب ہے اس کا ترجمہ اور اصلاح ابو الوفا محمد بن محمد حاسب نے کی، ابو الوفا نے اس کتاب کی شرح بھی لکھی، اور دعووں کو براہین ہندسیہ سے ثابت کیا، ابرخس کی ایک اور کتاب کا عربی میں ترجمہ ہوا جس کا نام قسمۃ الاعداد[1] ہے، ابرخس کے بعد دیوفنطس نے اس فن کو ترقی دی،

دیوفنطس (Diophantus) یونانی تھا، اور اسکندریہ میں سکونت

---

[1] کتاب الفہرست صفحہ ۲۶۹ و دائرۃ المعارف،

رکھتا تھا، جبر و مقابلہ پر اس نے ۱۳ رسالے لکھے جو ایک مجموعہ میں مرتب تھے، ان رسالوں میں مربعات و مکعبات وغیرہ کے بہت سے مسائل موجود ہیں، عربی میں اس کتاب کا ترجمہ کیا گیا یورپ کو مدت تک دیوفنطس کا نام تک معلوم نہ تھا، سب سے پہلے آٹھویں صدی عیسوی میں یوحنا شامی نے اس کا حوالہ دیا، ۱۶۷۰ء میں اس کی کتاب اصل یونانی میں مع لاٹین ترجمہ کے چھاپی گئی، اور ۱۶۲۵ء میں اس کا ترجمہ کیا گیا[۱]،

حساب کے متعلق عام طور پر مسلّم ہے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں سے لیا اور یہی وجہ ہے کہ وہ رقوم اعداد کو ہندی طریقہ سے لکھتے ہیں؛ تاہم یونان کی تصنیفات بھی مسلمانوں نے بہم پہنچائیں، سب سے قدیم تصنیف فیثاغورس کی تھی، جس کا نام ارثماطیقی یعنی اریتھمیٹک تھا، یہ کتاب عربی زبان میں ترجمہ کی گئی[۲]، اس کے علاوہ اور مصنفوں کی کتابیں بھی ترجمہ کی گئیں جنکی تفصیل حسب ذیل ہے،

نیقوماخس

نیقوماخس (Nicomachus) ارسطو کا باپ، اور بہت بڑا موسیقی دان تھا، اس نے اس فن میں ایک کتاب لکھی جس کا نام **ارثماطیقی** ہے، یہ کتاب دو مقالوں میں ہے اور اصل یونانی میں ۱۵۳۸ء میں بمقام پیرس چھاپی گئی ہے، یہ کتاب عربی زبان میں ترجمہ کی گئی[۳]،

---

[۱] دائرۃ المعارف جلد ۸ صفحہ ۴۴۶،

[۲] طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۴۳،

[۳] کتاب الفہرست صفحہ ۲۶۹ و دائرۃ المعارف، لفظ حساب،

مکانک (یا) علم الآلات[1]

یہ فن اگرچہ درحقیقت موجودہ زمانہ کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے، لیکن یونان میں اسکی ابتدا ہو چکی تھی، سب سے پہلے جس نے جرثقیل اور حرکت کے اصول دریافت کئے وہ ارشمیدس (Archhmides) ہے، جو ۲۵۰ ق م تھا، اس نے پانی کی گھڑی ایجاد کی جسمیں گھنٹوں کے گذرنے پر خود بخود گھنٹوں کی تعداد کے موافق گولیاں گرتی تھیں، اسی زمانہ میں ایرن نے اس فن میں بہت سی باتیں اضافہ کیں، پانی کے بلند کرنے کا آلہ اول اسی نے ایجاد کیا، اس نے آلات کی ۵ تقسیمیں کیں، لیکن آج کل چھ قرار دیجاتی ہیں، یعنی سطح مائل بھی ایک قسم قرار دیجاتی ہے، حالانکہ ایرن نے اس کو چھوڑ دیا تھا، ایرن نے جرثقیل پر ایک مستقل کتاب لکھی،

ایک اور حکیم جو اس فن کا استاد گذرا ہے، مارطس تھا،

مارطس (Martus) یونانی الاصل تھا، اس نے ارگن باجہ پر ایک کتاب لکھی اور ایک آلہ دریافت کیا، جس کی آواز ۶۰ میل تک جا سکتی تھی، مارطس

غرض اس فن کے متعلق جو کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں حسب ذیل ہیں،

نام کتاب	مضمون	کیفیت
آلہ ساعات الماء	پانی کی گھڑی	ارشمیدس
کتاب شیل الاثقال	جرثقیل کے بیان میں	ایرن

[1] مکانک کے لئے دیکھو دائرۃ المعارف ذکر آلات و فہرست ابن الندیم صفحہ ۲۶۶ و ۲۶۹ و ۲۷۰ و ۲۸۵ و یعقوبی صفحہ ۲۳۵،

نام کتاب	مضمون	کیفیت
الاشیاء المتحرکۃ من ذاتہا	چیزون کا خود بخود حرکت کرنا	ایرن
الآلات المصوتۃ	ارگن باجہ جو آپسے آپ بجتا ہے،	مارطس
کتاب الدوالیب	گھڑی وغیرہ میں جو چکر ہوتے ہیں،	"

موسیقی

موسیقی کا فن اگرچہ عرب مین مدت سے موجود تھا، لیکن علمی حیثیت سے نہ تھا، یونان مین اول جس شخص نے علمی حیثیت سے اس فن کو مرتب کیا، وہ غالباً فیثاغورث تھا، اقلیدس نے بھی اس کو ترقی دی، اور اس فن مین اس کی تصنیفات بھی ہین، اگرچہ یہ امر یقینی ہے کہ ان قدما کی تصنیفات عربی زبان مین ترجمہ کی گئین، چنانچہ علامہ ابو الفرج اصفہانی نے اسحاق موصلی کے حال مین تصریح کی ہے۔ کہ موسیقی کی تمام کتابین محمد بن حسن بن مصعب کے حکم سے ترجمہ کی گئین،

لیکن ہم کو کسی کتاب اور نہ اس کے مترجم کا نام بہ تعین نہین معلوم ہو سکا، جہان تک ہم کو معلوم ہے، سب سے پہلی تصنیف جو مسلمانون کے ہاتھ آئی وہ نیقوماخس کی کتاب ہے، جو ارسطو کا باپ تھا، یہ کتاب اب اصلی زبان مین بمقام لیڈن ۱۶۱۶ء مین چھاپی گئی ہے،

دوسری تصنیف اس فن مین ارسطکاس کی تھی،

ارسطکاس

ارسطکاس (Aristoxenus) ارسطو کا شاگرد اور فن موسیقی کے ارکان میں تسلیم کیا گیا ہے، فیثاغورث نے اس فن کو صرف ذوق پر محمول رکھا تھا، ارسطکاس پہلا

شخص ہے، جس نے راگ کے ایقاعات کو ریاضی کے اصول سے ثابت کیا، اور فیثاغورث سے جداگانہ طریقہ پر ایک درس گاہ کی بنیاد ڈالی، اس کی کتاب جو خاص ایقاع کے متعلق ہے، اس کا ترجمہ کیا گیا، یہ کتاب تین جلدوں میں ہے، اور اس کا اصلی نسخہ آج یورپ میں موجود ہے، ارسطکاس کی اور بھی بہت سی تصنیفات تھیں لیکن غالباً مسلمانوں کو نہیں ملیں، اور آج یورپ کو بھی اعتراف ہے کہ کتاب الایقاع کے سوا اسکی اور کوئی تصنیف نہیں ملتی،

جغرافیہ

یونانی اسکول میں اس فن کی ابتدا اراٹیستھنز سے ہوئی، جو حضرت عیسیٰؑ سے قریباً ۲۰۰ برس پہلے اسکندریہ میں تھا، اس کے بعد ابرخس نے بہت کچھ اس پر اضافہ کیا، ابرخس کے بعد استرابون ہوا جو یونانی تھا، اس نے خود دور دراز مقامات کے سفر کئے، اور جغرافیہ پر ایک عمدہ کتاب لکھی، اسی دور کے قریب مارنیوس تھا جس کے جغرافیہ میں زمین کا رنگین نقشہ موجود ہے، سب سے اخیر لیکن سب سے زیادہ نامور بطلیموس ہوا، وہ دوسری صدی عیسوی میں تھا، اس نے تمام دنیا میں اپنی طرف سے سیّاح بھیجے جنھوں نے نہایت جدوجہد سے ملکتون اور آبادیون اور دریا و نہر وغیرہ کے حالات بہم پہنچائے، اور ان کی مدد سے ایک نہایت مفصل جغرافیہ لکھا جو آج بھی موجود ہے، اس جغرافیہ میں اکثر شہروں کا عرض بلد و طول بلد بھی درج ہے،

مسلمانوں نے اگرچہ ان تمام تصنیفات سے واقفیت پیدا کی، چنانچہ مورخ مسعودی کتاب التنبیہ والاشراف میں جابجا ان کی طرف اشارہ کرتا ہے،[1] لیکن جن کتابوں کا ترجمہ ہوا وہ مارنیوس اور بطلیموس کا جغرافیہ ہے،

[1] کتاب التنبیہ والاشراف ص۳۰،

مارنیوس — مارنیوس کے جغرافیہ میں تمام اقالیم کے جدا جدا رنگ تھے، مورخ مسعودی نے
لکھا ہے کہ تمام قدیم جغرافیوں میں یہ سب سے اچھا ہے،[۱]

بطلیموس — بطلیموس (Ptolomy) کا جغرافیہ آٹھ بابوں میں ہے اور
نہایت مفصل ہے، اول یعقوب کندی کے حکم سے اس کا ترجمہ ہوا، لیکن وہ اچھا نہ تھا، اسلئے
دوبارہ ثابت نے ترجمہ کیا، اور نہایت عمدگی سے کیا، سُریانی زبان میں بھی اس کتاب
کا ترجمہ کیا گیا،

طب

طب کی ابتدا یونان میں اسقلیبس سے ہوئی، یونانیوں نے اس کو ابو الطب کا لقب
دیا تھا، اور ان کا خیال تھا کہ اس پر خدا کی طرف سے یہ فن الہام ہوا تھا، اسقلیبس نے اپنی
اولاد کو زبانی اس فن کی تعلیم دی، اور وصیت کی کہ یہ فن خاندان سے باہر نہ جانے پائے،
اس کے خاندان میں بڑے بڑے نامور حکما، اور طبیب گذرے، اقلیدس، افلاطون، سولن
وغیرہ اس کے خاندان سے تھے، سولھویں نسل میں تقریباً حضرت عیسیٰؑ سے پانسو برس پہلے
بقراط — بقراط پیدا ہوا، اور یونانیوں میں وہ پہلا شخص ہے جس نے اس فن کو مرتب کیا، اور کتابیں
لکھیں، طب کی تعلیم کو عام بھی اسی نے کیا، ورنہ اس سے پہلے بجز اس خاندان کے کوئی
شخص اس فن کو حاصل نہیں کر سکتا تھا، بقراط کے بعد جالینوس پر اس فن کا خاتمہ ہوگیا،
یونانیوں کے نزدیک فن طب کے آٹھ ارکان ہیں، اوّل اسقلیبس (Axlepius)
اور اخیر جالینوس، ان کے بیچ میں غورس مینس، برمانیدس، افلاطن، اسقلیبس دوم اور

[۱] کتاب مذکور ص ۳۳،

بقراط تھے، ان لوگون کے سوا اور بھی بہت سے صاحبِ تصنیف اطبا گذرے لیکن وہ ارکانِ فن نہیں کہے جاسکتے،

مسلمانوں نے طب کے اس تمام سرمایہ کو عربی زبان میں منتقل کیا، اور چونکہ بقراط و جالینوس نے اس فن کو درحقیقت نہایت کمال کے رتبہ پر پہنچایا، اس لئے ان کی تصنیفات پر زیادہ توجہ کی، بقراط کی طرف اگرچہ بہت سی کتابیں منسوب ہیں، لیکن ان میں سے ۳۰ کتابیں قطعی طور سے اس کی تصنیف کہی جاسکتی ہیں، چنانچہ یہ سب ترجمہ کی گئیں، اور ان میں سے ۱۶ اس قدر مقبول و متداول ہوئیں کہ درس میں داخل ہوگئیں، ابن ابی اصیبعۃ نے ان کتابوں کے علاوہ بقراط کی اور بہت سی کتابیں گنوائی ہیں، جن کا شمار ۹۴ تک پہنچتا ہے، لیکن مصنف مذکور کا بیان ہے کہ ان میں بعض مشتبہ ہیں،

بقراط کی ترجمہ شدہ تصنیفات میں سے جن کے مترجموں کا نام ہم تفصیل سے معلوم کر سکتے ہیں، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے،

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
عہد بقراط	اس میں بقراط نے وہ شرائط بتائے ہیں جن کے بغیر کسی کو فن طب نہیں پڑھانا چاہیے،	حنین حبیش، عیسیٰ بن یحییٰ	اوّل الذکر نے سریانی میں، اور حبیش و عیسیٰ نے عربی میں ترجمہ کیا،
فصول	تمام مسائلِ طبیہ کا خلاصہ ہے،	حنین	محمد بن موسیٰ شاگرد کے لئے ترجمہ کی گئی سات مقالوں میں ہے،
تقدمۃ المعرفۃ	علاماتِ مرض کا بیان ہے،	حنین و عیسیٰ	تین مقالے ہیں،

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
الامراض الحادة	غذا، فصد، مسہل وغیرہ کا بیان ہے،	عیسیٰ بن یحییٰ	اس کتاب کے پانچ مقالوں میں سے صرف تین کا ترجمہ ہوا،
کتاب الکسر والجبر	ہڈیوں کے ٹوٹنے اور جوڑنے کا بیان ہے،	حنین	چار مقالے،
ابیدیمیا		عیسیٰ بن یحییٰ	
اخلاط		"	اس کتاب کا ترجمہ احمد بن موسیٰ شاکر کے حکم سے ہوا،
قاطیطریون	اعمالِ ید کا بیان	حنین	محمد بن موسیٰ شاکر کے حکم سے،
کتاب الماء والہوا	مختلف ملکوں کی آب وہوا کی تاثیر،	حنین حبیش	
طبیعة الانسان[1]	بدن کی ترکیب کا بیان	"	

جالینوس

جالینوس ۵۹ء میں پیدا ہوا، اور ہندسہ وحساب پڑھنے کے بعد سترہ برس کی عمر میں طب کی تحصیل شروع کی، اور اس کی تکمیل کے لئے ایتھنز، سایپرس، اٹلی، اسکندریہ وغیرہ کا سفر کیا،[2] اس نے فن طب کے متعلق بہت سے نئے مسائل دریافت کئے، اور اس

[1] بقراط کی ان تصنیفات اور انکے علاوہ اور تصنیفات کے مضامین کو مورخ یعقوبی اور ابن ابی صیبعہ نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے،

[2] جالینوس نے اپنے حالات آپ نہایت تفصیل سے لکھے ہیں، چنانچہ ابن ابی اصیبعہ نے اس کے حوالہ سے نہایت دلچسپ واقعات اپنی تاریخ میں جمع کئے ہیں،

فن کو اس حد تک پہنچایا کہ اسلام کے دور تک اس پر کچھ اضافہ نہ ہو سکا،

مسلمانون نے اس کی تصنیفات کے بہم پہنچانے اور ترجمہ کرنے میں بے انتہا کوشش کی، ایک کتاب البرہان کی تلاش میں جزیرہ، شام، فلسطین، مصر کے ایک ایک شہر کی خاک چھانی گئی، تصنیفات کے پتہ لگانے میں بڑی آسانی یہ ہوئی کہ جالینوس نے اپنی تصنیفات کی خود ایک فہرست لکھی تھی، اور اس کا ترجمہ کر لیا گیا تھا، مترجمین میں سے حنین بن اسحق نے اپنی تمام زندگی اسی کی تصنیفات کے ترجمہ میں صرف کر دی، چنانچہ اس نے اپنی ایک تصنیف میں جالینوس کی ۱۲۱ کتابوں اور رسالون کا نام مع تصریح مضامین لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہ تمام کتابیں عربی مین ترجمہ کر لی گئیں، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے حنین کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ اس وقت حنین کی عمر ۴۸ برس کی تھی اور اس وقت اُس قدر کتابین اس کو بہم پہنچ سکیں الخ چونکہ حنین نے ۷۰ برس کی عمر پائی تھی اس لئے یہ یقینی ہے کہ اس نے جالینوس کی اور تصنیفات بھی حاصل کی ہون گی،، اس کے بعد علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ مین نے خود جالینوس کی بہت سی کتابین عربی زبان مین دیکھین، جن کا ذکر حنین نے اپنی فہرست مین نہین کیا ہے چنانچہ علامہ موصوف نے ان کتابوں کے نام تفصیل سے لکھے ہیں، جن کی تعداد ۳۲ ہے، جالینوس نے بقراط کی اکثر کتابون کی شرح لکھی ہے، ان کا ترجمہ بھی عربی میں کیا گیا، چنانچہ بقراط کی جس قدر کتابوں کا نام اوپر مذکور ہوا جالینوس کی سب پر شرحیں ہیں، اور سب کا ترجمہ عربی میں موجود ہے، بہرحال، اس میں شبہہ نہیں کہ جالینوس کی تصنیفات جس قدر اس وقت دنیا میں موجود تھیں ایک ایک کر کے ترجمہ کی گئیں، جن کتابون کے متعلق ہم زیادہ تفصیل معلوم کر سکے انکا ایک مختصر نقشہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے،

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
کتاب الفرق	•	حنین	
الصناعۃ	•	"	
کتاب النبض	•	"	
شفاء الامراض	•	"	
مقالات خمس	تشریح میں ہے،	"	
اسطقسات	اربع عناصر	"	
کتاب المزاج	•	"	
القوی الطبیعیۃ	•	"	
العلل والاعراض	•	"	
تعرف علل الاعضاء الباطنۃ	•	حبیش	
کتاب النبض الکبیر	•	"	سولہ مقالے ہیں،
کتاب البحرانات		حنین	
البحران		"	تین مقالے ہیں،
ایام البحران		"	
تدبیر الاصحاء		حبیش	چھ مقالے ہیں،
حیلۃ البرء		"	۱۴ مقالے ہیں، پہلے مقالہ کو حنین نے درست کیا،

یہ تمام کتابیں قدیم زمانہ میں اسلامی درسگاہوں کے نصاب تعلیم میں داخل تھیں، ان کے سوا جالینوس کی اور تصنیفات حسب ذیل ہیں،

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
کتاب التشریح الکبیر	تشریح کا بیان ہے،	حبیش	۱۵ مقالون میں ہے،
اختلاف التشریح		″	۲ مقالے ہیں،
تشریح الحیوان المیت	مردہ جانور کی تشریح	″	۱ مقالہ ہے،
تشریح الحیوان الحی	زندہ جانور کی تشریح	″	۲ مقالے،
علم البقراط بالتشریح	۔	″	۵ مقالے،
علم ارسطو فی التشریح	۔	حبیش	۳ مقالے،
تشریح الرحم	۔	″	۱ مقالہ،
حرکات الصدر والرئیہ	۔	اصطفن بن بسیل	۲ مقالے حنین نے ترجمہ کی اصلاح کی،
علل النفس	۔	″	۲ مقالے،
کتاب الصوت	۔	حنین	یہ کتاب محمد بن عبد الملک الزیات کیلئے ترجمہ کی گئی، ۴ مقالے،
حرکۃ العضل	۔	حنین اصطفن	حنین نے اصلاح کی۔ ۱ مقالہ
کتاب الحاجۃ الی النبض	۔	حبیش	۱ مقالہ
کتاب الحاجۃ الی النفس	۔	اصطفن	۔
کتاب العادات	۔	حبیش	۱ مقالہ
آراء بقراط وفلاطن	۔	″	۱۰ مقالے
کتاب الحرکات المجہولۃ	۔	حنین	۱ مقالہ
کتاب الامتلاء	۔	اصطفن	″

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
منافع الاعضاء	•	جبیش	۱۷ مقالے
کتاب فضل الہیئات	•	حنین	سریانی وعربی دونوں میں ترجمہ ہوئی ۱ مقالہ،
خصب البدن	•	جبیش	۱ مقالہ
کتاب سور المزاج المختلف	•	حنین	"
الادویۃ المفردہ	•	"	۱۱ مقالے،
کتاب الاورام	•	ابراہیم بن الصلت	۱ مقالہ
کتاب المنی	•	جبیش	۲ مقالے
المولود لسعۃ اشہر	•	حنین	۱ مقالہ
کتاب المرۃ السوداء	•	اصطفن	"
کتاب ردارۃ النفس	•	حنین	۳ مقالے
تقدمۃ المعرفہ	•	عیسیٰ بن یحییٰ	۱ مقالہ
کتاب الفصد	•	"	"
کتاب الذبول	•	حنین	"
صفات الصبی یصرع	•	ابن الصلت	"
قوی الاغذیہ	•	حنین	۳ مقالے
التدبیر الملطف	•	"	۱ مقالہ
کتاب الکیموس	•	ثابت وشملی و جبیش	•

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
کتاب الاسطراس	۔	حنین	۔
تدبیر بقراط للامراض الحادہ	۔	"	۱ مقالہ
ترکیب الادویہ	۔	حبیش الاعسم	۱۷ مقالے
الادویۃ المقابلۃ للادواء	۔	عیسیٰ بن یحییٰ	۲ مقالے
کتاب التریاق	۔	یحییٰ بن البطریق	۱ مقالہ
کتاب الیٰ ترا سابولس	۔	حنین	۔
الریاضۃ بالکرۃ الصغیرۃ	۔	حبیش	۱ مقالہ
الریاضۃ بالکرۃ الکبیرۃ	۔	"	"
فی ان الطبیب الفاضل فیلسوف	۔	حنین	"
کتب بقراط الصحیحۃ	۔	"	"
الحث علیٰ تعلیم الطب	۔	حبیش	"
محنۃ الطبیب	۔	حنین	"
کتاب البرہان	۔	"	یہی کتاب ہے جس کی تلاش میں حنین نے تمام ملکوں کا سفر کیا تھا
تعریف المرء عیوب نفسہ	۔	توما	
کتاب الاخلاق	۔	حبیش	۴ مقالے
انتفاع الاخیار باعدائہم	۔	"	۱ مقالہ
ما ذکرہ افلاطن فی طیماوس	۔	حنین و اسحاق	۲ مقالے

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
فی ان قوی النفس تابعة لمزاج البدان		حبیش	•

ان مشہور اطبا کے سوا اور یونانی اطبا کی تصنیفات وتالیفات کے بھی ترجمے کئے گئے، مثلاً ارشیجانس جو جالینوس سے پہلے تھا، اس کی تین کتابیں عربی میں ترجمہ کی گئیں، کتاب اسقام الارحام، طبیعة الانسان، کتاب فی النقرس[۱]،

جالینوس سے پہلے ایک اور بڑا نامی طبیب گذرا ہے، جس کا نام روفس (Rufus) ردفس
تھا، اس کی ۴۳ کتابوں کے نام علامہ ابن الندیم نے اپنی کتاب میں بہ تفصیل نقل کئے ہیں، اور چونکہ علامۂ موصوف کی کتاب کا موضوع انہی کتابوں کا نام لکھنا ہے، جو عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں، اس لئے یہ یقینی ہے کہ ان کتابوں کا ترجمہ کیا گیا تھا، ان کے سوا جن حکما کی تصنیفات کے ترجمے ہوئے اُن کے اور اُن کی تصنیفات کی نام حسب ذیل ہیں،

نام مصنف	تصنیفات ترجمہ کردہ شدہ
فیلغریوس (Philagrius)	کتاب من لا یحضرہ طبیب، وجع النقرس، کتاب الحصاۃ، کتاب لماء الاصفر، کتاب وجع الکبد، کتاب قولنج، کتاب الیرقان، کتاب خناق الرحم، کتاب عرق المنا، کتاب السرطان، کتاب صنعة تریاق الملح، کتاب عضة الکلب، کتاب علامات الاسقام، کتاب فی القوباء

[۱] یہ پوری فہرست ابن الندیم کی کتاب سے مرتب کی گئی ہے دیکھو کتاب الفہرست ص ۲۹۰، [۲] ابن ابی اصیبعہ صفحہ ۴۳،

تصنیفات ترجمہ کردہ شدہ	نام مصنف
کتاب فیما یعرض للثۃ والاسنان	
کتاب الی ابیہ، کتاب الی ابنہ، رسالۃ فی التشریح	اوریباسیوس (Oribasius)
کتاب الادویہ، کتاب السبعین، اول دو کتابون کا ترجمہ حنین نے اور کتاب الادویہ کا ترجمہ اصطفن نے کیا،	
کتاب العلل المهلکۃ	اوارس
کتاب الملکی،	افلاطن طبیب
کتاب البول	مغنس الحمصی (بقراط کا شاگرد)
کتاب الکناش، علل النسا، مترجمہ حنین،	فولیس الاجانیطی
کتاب الزینہ، یہ طبیب جالینوس سے پہلے اور بقراط کے بعد تھا،	اقریطون
علل العین وعلاجہا، کتاب البرسام، کتاب الحیات والدیدان التی تتولد فی البطن، مترجمہ ابن البطریق،	اسکندروس
کتاب الحقن، مترجمہ اصطاث،	مورنوس

اس سلسلہ میں **دیسقوریدس** کا نام خاص حیثیت رکھتا ہے، یہ وہ حکیم ہے، جس نے دواؤن اور ہر قسم کی بوٹیون پر اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر ایک بہت بڑی مفصل کتاب لکھی وہ ہمیشہ جنگلون اور صحراؤن، جزیرون اور دور دراز مقامات میں سفر کیا کرتا تھا، اور جدوا

نئی ہاتھ آتی اس کی تاثیر قلمبند کرتا تھا، اس کے ساتھ اس کی تصویر بھی کھینچتا تھا، جالینوس کا بیان ہے کہ ادویۂ مفردہ کے متعلق میں نے چودہ کتابیں مختلف مصنفوں کی دیکھیں لیکن دیسقوریدس کی کتاب کو کوئی نہیں پہنچتی، اس کتاب کا ترجمہ اور اس کی تصحیح جس اہتمام سے کی گئی، اس کو ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ اوپر لکھ آئے ہیں، دیسقوریدس کی یہ کتاب خود ہماری نظر سے بھی گذری ہے،

تعجب ہے کہ دیسقوریدس کی اس کتاب پر اطبائے مابعد نے کچھ اضافہ نہیں کیا،

مسلمانوں میں **ابن جلجل** اندلسی صرف ایک شخص گذرا ہے، جس نے اپنے تجربہ سے کچھ دوائیں اس پر اضافہ کیں، اور ان کو ایک مستقل کتاب میں قلمبند کیا،

یونانی تعلیم نے چونکہ عام عالمگیری حاصل کی تھی، تمام ممالک میں اس کی شاخیں قائم ہو گئی تھیں، اس سلسلہ میں اسکندریہ سب سے زیادہ ممتاز ہے، یہاں سات بڑے بڑے نامور طبیب پیدا ہوئے جنھوں نے طب یونانی کو بہت ترقی اور وسعت دی، ان لوگوں نے جالینوس کی ۱۶ کتابوں کو خاص کر لیا تھا، اور ان کے خلاصے اور شرحیں لکھی تھیں،

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام حکما، کی تصنیفات عربی میں ترجمہ کی گئیں، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ "ان تمام شرحوں میں میں نے جس کو سب سے بڑھ کر پایا، وہ جالینوس کی شرح ہے، اس شرح سے اس کا نہایت فضل و کمال ثابت ہوتا ہے"

یحییٰ

ان سب میں سے اخیر **یحیی** نحوی تھا جس کا مختصر ذکر فلسفہ کے بیان میں ہو چکا ہے، وہ فلسفہ اور طب میں نہایت کمال رکھتا تھا، اور اسکندریہ میں بشپ کے عہدہ پر ممتاز تھا، قیصر روم نے اس کو قسطنطنیہ میں بلایا تھا، اور چونکہ فن طب میں کوئی شخص اس کا ہمسر نہ تھا، دربار میں نہایت قبول حاصل ہوا، اور مدت تک وہ قسطنطنیہ میں رہا، اس نے جالینوس کی ۱۹ کتابوں پر شرحیں لکھیں جو سب عربی میں ترجمہ کی گئیں، ابن ابی اصیبعہ نے ان سب کے تمام تفصیل سے لکھے ہیں، لیکن ہیں

بہ لحاظ اختصار قلم انداز کرتا ہون،

اطبائے اسکندریہ کے معاصر، شام و روم میں بھی بہت سے نامی اطبا تھے، مثلاً شمعون، اہرن، یوحنا، انطلیس، برطلاؤس، سندہشار، کہلمان، اوراس، بونیوس بیردتی، سیورخنا، فلاغوسوس، عیسیٰ، سرجیس، اطنوس، عزیفوریوس، وغیرہ وغیرہ،

ابن ابی اصیبعہ نے مذکورۂ بالا طبیبون اور ان کی تصنیفات کے نام لکھکر لکھا ہے کہ ان حکیمون کی اکثر تصنیفات اس وقت موجود ہیں، اور ابوبکر رازی نے اپنی کتاب میں جس کا نام حاوی ہے، اکثر ان کتابون سے نقل کیا ہے،

ہندسہ[1] (یا) جامیٹری

اس فن کا موجد اوس جس نے اس کے ابتدائی اور جذری مسائل کو فن کی صورت میں مرتب کیا، تھیلز ہے جو حضرت عیسیٰ سے ۶۲۰ برس پہلے تھا، دائرہ اسی کی ایجاد ہے،

اس کے بعد انکزاگورس نے کچھ مسائل اضافہ کیے، جن میں سے دائرہ کی تربیع بھی تھی، لیکن ان حکما کی تصنیفات مسلمانون کو نہیں مل سکیں، کیونکہ وہ اسلام سے پہلے ناپید ہوچکی تھیں، اس سلسلہ میں سب سے مقدم زمانہ کی جو تصنیف مسلمانون کو مل سکی وہ اقلیدس کی تصنیف تھی، یہ مشہور فاضل حضرت عیسیٰ سے ۳۰۰ برس پہلے تھا، وہ اگرچہ یونان کا باشندہ نہ تھا، لیکن چونکہ تعلیم یونان میں پائی تھی، اور اس کی تصنیفات بھی یونانی ہی زبان میں تھیں، اس لئے وہ یونانی ہی کہلاتا ہے، مسلمانون نے اس کی تصنیفات نہایت جد وجہد سے بہم پہنچائیں، اور عربی زبان میں ان کے ترجمے کیے گئے،

[1] اس عنوان کی تفصیل میں جن حکما اور جن فن کے نام آئے ہیں، ان کی تصحیح انگریزی ترجمون میں دوبارہ کی گئی ہے،

ہندسہ میں اس کی مشہور کتاب جو اب اس کے نام سے مشہور ہے، اس کا ترجمہ اول حجاج ابن یوسف بن مطر نے ہارون الرشید کیلئے کیا، پھر اسی نے دوسرا ترجمہ مامون الرشید کے لئے کیا، اور یہ ترجمہ زیادہ صحیح اور صاف ہے،

اسحٰق بن حنین نے بھی اس کا ترجمہ کیا، اور ثابت بن قرۃ نے اس کی اصلاح کی، حجاج کے نسخہ میں کل شکلیں ۴۶۸ ہیں، ثابت کے نسخہ میں ۱۰ شکلیں زائد ہیں، کچھ مقالے ابو عثمان دمشقی نے بھی ترجمہ کئے،

علماے اسلام نے نہایت کثرت سے اس کتاب کی شرحیں لکھیں، جن میں سے یزیدی، ابو جعفر ماہانی، ابو حفص الحرث خراسانی، ابو الوفا، ابو الجوزجانی، ابو القاسم الانطاکی، احمد بن محمد الکرابیسی، ابو یوسف الرازی، قاضی عبد الباقی بغدادی، ابو علی الحسن بن الہیثم المصری، ابو جعفر خازن اہوازی، ابو داؤد سلیمان بن عقبہ کا نام خصوصیت سے لیا گیا ہے، قاضی عبد الباقی کی شرح نہایت بسیط ہے، اس نے اشکال کی مثالیں اعداد سے دی ہیں، ابن ہیثم نے مصادرات کی شرح لکھی ہے، اور ایک کتاب میں اس کے مسائل پر اعتراضات لکھے ہیں، اور پھر جواب دیئے ہیں، ثابت بن قرہ نے ان علل کی تشریح کی جن پر اقلیدس نے شکلوں کی ترتیب رکھی ہے،

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یورپ کو یہ کتاب عرب ہی کی بدولت اور عربی ہی زبان میں ملی، چنانچہ اول اس کا ترجمہ عربی زبان سے اڈیلرڈ دوباش نے کیا،[1]

ہندسہ میں اقلیدس کی اور بھی تصنیفات ہیں، اور وہ عربی میں ترجمہ کی گئیں،

اقلیدس کے بعد دو بہت بڑے نامور فاضل گذرے جنھوں نے فن ریاضی کو اوج کمال تک پہنچادیا، ارشمیدس و اپلونیوس،

[1] دائرۃ المعارف طبع بیروت، ذکر اقلیدس۔

ارشمیدس

ارشمیدس سرقوسہ میں ۲۰۰ برس قبل مسیح پیدا ہوا، اور اسکندریہ کے مدرسہ میں علوم کی تکمیل کی، وہ پہلا شخص ہے جس نے ہندسہ کو عملی طور پر برتا، اور اس کے ذریعہ سے بہت سے مفید آلات ایجاد کئے، پانی کی گھڑی بھی غالباً اسی کی ایجاد ہے، اس حکیم کی جو تصنیفات عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں حسبِ ذیل ہیں،

نام کتاب	کیفیت	نام کتاب	کیفیت
کتاب الکرۃ والاسطوانہ	دو مقالے ہیں،	تربیع الدائرہ	ایک مقالہ ہے،
تسبیع الدائرہ	دائرہ کو سات حصہ کرنیکا طریقہ	الدوائر المماسۃ	
المثلثات		الخطوط المتوازیہ	
المفروضات		الماخوذات فی اصول الهندسہ	
ساعات الماء	یعنی پانی کی گھڑیان	خواص المثلثات القائمۃ الزاویہ	

ارشمیدس کی کتابیں آج کل اصل یونانی میں چھاپی گئی ہیں، اور موسیو پیرار نے فرنچ زبان میں ان کا ترجمہ بھی کیا ہے؛[1]

ارشمیدس کی تصنیفات میں سے چونکہ کرہ اور اسطوانہ کی کتاب زیادہ مہتم بالشان تھی، مسلمانوں نے اسی کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا، ثابت بن قرہ نے ترجمہ کی اصلاح کی، اوطوقیوس نے اس کی مشکلات کی جو شرح لکھی تھی اس کا بھی عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا، محقق طوسی نے اس کی تحریر لکھی، اس کتاب میں ۸۰ شکلیں ہیں، اسی طرح کتاب الماخوذات کی طرف بھی بہت

[1] ارشمیدس اور اس کی تصنیفات کیلئے دیکھو کتاب الفہرست و دائرۃ المعارف ذکر ارشمیدس و کشف الظنون،

ابلونیوس

توجہ کی گئی، ابوالحسن علی نے اس کی تفسیر لکھی، طوسی نے اصلاح کی، ابوسہل نے بھی اس کو ترتیب دیا، **ابلونیوس** نے اس فن کو اور بہت زیادہ ترقی دی، اور اسکندریہ کے مدرسہ کی شہرت اس کی وجہ سے حدِ کمال کو پہنچ گئی، اس کی تصنیفات کے بہم پہنچانے میں بہت زیادہ جد وجہد کی گئی، کیونکہ پوری کتاب کا نسخہ کہیں موجود نہ تھا، مامون الرشید نے روم سے جو کتابیں منگوائی تھیں ان میں یہ بھی آئی تھی، یہ کتاب اصل میں آٹھ مقالوں میں تھی، لیکن مسلمانوں کو صرف ۷ مقالے ملے، اور آٹھویں مقالے کی صرف ۴ شکلیں، چار پہلے مقالوں کا ترجمہ ہلال حمصی نے اور ۳ مقالوں کا ثابت بن قرہ نے ترجمہ کیا، ابلونیوس کی اور کتابیں جو عربی میں ترجمہ کی گئیں، حسب ذیل ہیں،

کتاب قطع الخطوط علی نسبۃ، کتاب فی النسبۃ المحدودۃ، کتاب قطع السطوح علی نسبۃ کتاب الدوائر المماسہ	ثابت بن قرہ نے اس کے پہلے مقالہ کی اصلاح کی،

ان دو مہندسوں کے بعد منالاؤس اور اوطیوقیوس کا نام زیادہ مشہور ہوا، اور انھوں نے درحقیقت اس فن کو ترقی دی، منالاؤس (Menlaus) اسکندریہ کا رہنے والا تھا، اور سنہ ۱۰۰ء میں تھا، بطلیموس نے اپنی کتاب مجسطی میں اس کا حوالہ دیا ہے، اس کی تصنیفات حسب ذیل ہیں، جن کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا،

الاشکال الکریہ کتاب معرفۃ الکمیہ	چند اجسام جو مخلوط کر دیئے جائیں اُنکی کمیت دریافت کرنے کا طریقہ،

اصول الہندسہ	تین مقالوں میں ہے، ثابت بن قرہ نے ترجمہ کیا،
کتاب المثلثات	صرف چند اجزا کا عربی میں ترجمہ ہوا،

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے کہ اس مصنف کی جو تصنیفات یورپ کو ملیں وہ عربی زبان کے ذریعہ سے ملیں ورنہ اُن کی اصل مفقود ہے،

ان مشہور اہلِ فن کے سوا جن مصنفوں کی کتابیں ترجمہ ہوئیں، ان میں سے ارسطو وغیرہ کی کتابوں کا ذکر اوپر گذر چکا باقی کی تفصیل حسب ذیل ہے،

اوطوقیوس ۵۰۰ء میں تھا، اور شام کا رہنے والا تھا، اس نے ارشمیدس کی مشہور کتاب الکرۃ والاسطوانۃ کے پہلے مقالہ کی شرح لکھی، ہندسہ میں اس کی ایک اور کتاب دو خطوں کے بیان میں ہے، اس میں اس نے تمام حکماے مہندسین کا مذہب اور اُن کے اقوال اور دلائل نقل کئے ہیں، ان دونوں کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا، پچھلی کتاب کا ترجمہ ثابت نے کیا، اور نہایت خوبی سے کیا،[1]

سنبلیقوس (Senuplyous) یہ یحییٰ نحوی کا معاصر تھا، اس نے اقلیدس کی شرح لکھی، چنانچہ اس کا ترجمہ عربی زبان میں موجود ہے،

دیگر علوم وفنون

علوم مذکورۂ بالا کے علاوہ اور بہت سے علوم وفنون تھے جن پر یونانی زبان میں سیکڑوں تصنیفات موجود تھیں، وہ جہاں تک مل سکیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں، لیکن ان کی تفصیل بھی

[1] فہرست ابن الندیم ص ۲۶۷،

جائے تو بہت بڑا دفتر بن جائے، اور ناظرین گھبرا جائیں، اس لئے اجمالی طور پر اشارہ کرنا کافی ہو گا،

بہت بڑا سرمایہ یونانی زبان میں ادب اور تاریخ کا تھا، یونان کو فصاحت و بلاغت پر اس قدر ناز تھا کہ وہ تمام دنیا کو الکن سمجھتے تھے، فصاحت و بلاغت کے اصول اول یونانیوں نے منضبط کئے، ارسطو نے اس فن کو منطق میں داخل کیا، اور اس کو ایک جداگانہ باب میں لکھا جس کا نام ریطوریقا ہے، یہ کتاب بعینہٖ عربی زبان میں ترجمہ کی گئی، ارسطو کے سوا اور لوگوں نے بھی اس فن میں کتابیں لکھیں، اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے معتدبہ کتابیں عربی میں ترجمہ کی گئیں،

یونانی لٹریچر کی جان اور روح ہومر کا کلام ہے، جس کی نسبت یورپ کا دعویٰ ہے کہ کل دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی شاعر نہیں ہوا،

ہومر کا ترجمہ خلیفہ مہدی کے عہد میں اس کے مشہور منجم تاوفیلوس نے سریانی زبان میں کیا،[1] یونان کے اور بہت سے افسانے جو انشا کی حیثیت رکھتے تھے، ترجمہ کئے گئے، علامہ ابن الندیم نے اُن کے نام بھی گنائے ہیں، مثلاً کتاب سمہ و دمن، مورد یانوس، انطوس یاح دیونی درحیل وغیرہ وغیرہ، لیکن عربی لہجہ کے تصرفات میں ان کتابوں کے نام اس قدر بدل گئے ہیں کہ ہم اُن کے اصلی یونانی نام نہیں معلوم کر سکے،

تاریخ اور اس کے متعلق اس کثرت سے کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں کہ یونان و روم کے حالات عربی زبان میں جس وسعت اور استقصاد سے ملتے ہیں خود اسلامی ممالک کے حالات میں اس قسم کی اکثر جزئیات نہیں ملتیں، چنانچہ مورخ مسعودی کی تصنیفات کے دیکھنے سے اس

[1] دائرۃ المعارف جلد ۴ صفحہ ۲۶۲.

بات کا اندازہ ہو سکتا ہے، مسعودی کے زمانہ سے پہلے اور خود اس کے زمانہ میں بہت سے مصنفون نے مفید تاریخیں عربی زبان میں لکھیں، جو یونانی تصنیفات سے ماخوذ تھیں، اور اس لحاظ سے اُن کو بھی ایک قسم کا ترجمہ کہنا چاہیئے، مثلاً فرقہ مارونیہ میں سے قیس مارونی نے ایک کتاب بادشاہانِ روم و مختلف ممالک کے حالات میں لکھی، فرقہ ملکیۃ میں سے ابن قسطنطن کی کتاب نہایت عمدہ خیال کی جاتی ہے، اسی طرح سعید بن البطریق جو اسکندریہ کا لارڈ بشپ تھا، اس کی کتاب جو عربی زبان میں ہے، نہایت مستند خیال کی جاتی ہے اور ہماری نظر سے بھی گذر چکی ہے، اثنایوس راہب نے آدم سے لیکر قسطنطن تک کے واقعات لکھے یعقوب بن زکریا کسکری کی تاریخ کو اکثر تصنیفاتِ تاریخی پر ترجیح دی جاتی ہے، ابوزکریا نصرانی جو فلسفہ دان اور مسعودی کا معاصر تھا، اس نے اپنی کتاب میں بادشاہانِ یونان و روم کے واقعات کے علاوہ حکما اور اربابِ فن کے حالات اور ان کے اخلاق و عادات لکھے[۱]،

فلاسفہ اور حکما کے متعلق یونانی زبان سے نہایت مفید ذخیرہ ہاتھ آیا، اور عربی میں منتقل ہوا، اسی کا اثر ہے کہ یونانی حکما، مثلاً افلاطون، بقراط، ارسطو وغیرہ کا نام آج بچہ بچہ کی زبان پر ہے، اور ان کے مقولے اور کہاوتیں نقلِ محفل ہیں،

فرفوریوس جو تیسری صدی عیسوی میں تھا اور جس کا ذکر فلسفہ کے بیان میں گذر چکا ہے، اس نے حکما و فلاسفہ کے حالات میں جو کتاب لکھی تھی، اس کا بجنسہ ترجمہ کیا گیا، چنانچہ اس کے حوالوں سے علامہ ابن ابی اصیبعہ کی کتاب مالامال ہے، جالینوس نے اپنی تصنیفات کی ایک فہرست لکھی تھی، اور اس میں اپنے علمی حالات بھی اکثر لکھے تھے وہ بھی ترجمہ کی گئی[۲]، جالینوس عام طبی تصنیفات میں بھی اکثر اپنے واقعات لکھ جاتا ہے ان سے بھی اس کے بہت سے حالات بہم پہنچے،

[۱] ان تمام کتابوں کا ذکر کتاب التنبیہ والاشراف ص ۱۳۵ و ۱۵۵، میں ہے، [۲] طبقات الاطبا صفحہ ۷۰، جلد اول،

بطلیموس نے ارسطو کے حال میں ایک مستقل کتاب لکھی تھی، اس کا بھی ترجمہ کیا گیا، غرض اس طرح یونانی حکما و اہلِ فن کے متعلق جو کچھ یونانی زبان میں موجود تھا، عربی زبان میں آگیا، اور ان کو ترتیب دے کر نہایت عمدہ تالیفات تیار ہوئیں، حنین بن اسحاق کی کتاب نوادر الفلاسفہ والحکما، اور مبشر بن فاتک کی کتاب مختار الحکم و محاسن الکلم اور ابن جلجل اندلسی کی کتاب اور جمال الدین قفطی اور شہرزوری کی تاریخ الحکما، اور ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطباء، یہ تمام کتابیں جن میں یونانی اور مصری حکما کے حالات دفتر کے دفتر ملتے ہیں، در اصل یونانی ہی تصنیفات ہیں جنھوں نے اپنا قالب بدل لیا ہے،

فن حرب میں یونان میں دو بڑے مصنف گذرے، الیانوس، پولوبیس، ان مصنفوں نے لڑائی کے تمام اصول قلمبند کئے، جس میں فوجوں کی تقسیم، صفوں کی ترتیب، فوجی مشقیں، قواعد وغیرہ نہایت تفصیل سے مندرج ہیں، چنانچہ ان کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا، اصل ترجمہ تو مجھ کو نہیں مل سکا لیکن ان کتابوں سے اخذ کر کے عربی میں جو کتاب لکھی گئی وہ یورپ میں چھپ گئی ہے اور میرے مطالعہ میں ہے،

مسلمانوں نے یونانی لٹریچر کے عمدہ اور ضروری حصہ پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ جو کچھ زبان میں موجود تھا سب کو لیا، یہاں تک کہ شعبدے اور نیرنگجات، قیافہ و فال، اکسیر و کیمیا، طلسمات و حاضرات، ان لغویات سے بھی بے پروائی نہ کی،

ارسطو کا ایک شاگرد قالیس تانس (Callis Thenes) نامی تھا اور اکثر سکندر کے ساتھ رہتا تھا، یونان میں غالباً اول اسی نے نیرنگجات اور شعبدے ایجاد کئے، اور ان پر کتابیں لکھیں، چنانچہ اس کی کتاب عربی زبان میں ترجمہ کی گئی، جس کا نام اسجاع فی النیرنجات و الخواص ہے[۱]،

[۱] فہرست صفحہ ۳۱۲،

اس فن میں ایک اور نہایت مشہور فاضل گذرا ہے جس کا نام بلینیاس (Apoll-
onius) تھا، یہ پہلی صدی عیسوی میں تھا، اور حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا منکر تھا، لوگون سے
کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ نے جو معجزے دکھائے میں بھی دکھا سکتا ہون، چنانچہ اس کے ثبوت میں
شعبدوں کے کرشمے دکھاتا تھا، اس کی کتاب جس میں اُن طلسمات کا بیان ہے جو خود اس نے
جابجا قائم کئے تھے، عربی زبان میں ترجمہ کئے گئے[1]

قیافہ اور فال کے متعلق جو کتابیں ترجمہ ہوئیں حسب ذیل ہیں،

کتاب الفراست، کتاب زجر الروم، کتاب الخیلان مصنفہ میلنس رومی، کتاب فیثاغورس
فی القرعہ، کتاب قرعۃ ذی القرنین، کتاب القرعۃ المنسوبۃ الی الاسکندر بالسہام[2]،

خواب کی تعبیر کے متعلق حسب ذیل کتابیں ترجمہ کی گئیں،

کتاب ارطامیدورس، کتاب النوم والیقظۃ لفرفوریوس،

کیمیا کی بہت سی کتابین ترجمہ ہوئین، اور افسوس یہ ہے کہ اس نے ہزارون لاکھون آدمیون
کو مدتون تک بوالہوسی کے دام مین پھنسائے رکھا، اور آج بھی ہزارون پڑھے لکھے اس مرض
میں مبتلا ہین، بہرحال اس فن کی جو کتابین عربی زبان مین آئین حسب ذیل ہین،

کتاب ویقرس فی الصنعۃ، کتاب الاسکندر فی الحجر، کتاب ویقرس فی جواب بذیوس،
کتاب قلوبطرۃ، کتاب سقناس، کتاب دوسیموس، کتاب کربانوس،

علامہ ابن الندیم نے اور بہت سی کتابون کے نام لکھے ہیں، اور یہ ممکن تھا کہ میں تلاش
اور کوشش سے ان کتابوں اور ان کے مصنفین کے صحیح نام دریافت کرتا، لیکن اس بیہودہ
شغل میں اگلوں نے وقت ضائع کیا تو کیا میں کیوں اپنی اوقات خراب کروں،

[1] فہرست [illegible] [2] ایضاً صفحہ ۳۱۲،

فارس

مسلمانون کو فارس کے علمی ذخیرے سے جس قدر واقفیت ہونے کے ذریعے تھے اور کسی زبان سے نہ تھے، فارسی نسلیں نہایت کثرت سے اسلام لائیں، عباسیوں کے دربار میں عموماً مجوسی بھرے ہوئے تھے، جن میں بہت سے مذہباً بھی مجوسی تھے، اور ان سے ترجمہ اور تالیف کی خدمت متعلق تھی، سلاطینِ اسلام اکثر فارسی خاندان تھے، تاہم تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ فارسی زبان کا جو سرمایہ عربی زبان میں آیا، اس میں منطق، فلسفہ، ہیئت، ہندسہ کا پتہ نہیں ملتا، یہان تک کہ ان نہایت کدو کاوش سے کسی فارسی حکیم کا نام بھی نہیں معلوم ہوتا، حالانکہ یونانی حکما، مثلاً ارسطو، افلاطون، بقراط، جالینوس کا نام بچہ بچہ کی زبان پہ ہے، اس کی وجہ اس کے سوا اور نہیں ہو سکتی کہ مسلمانون کے زمانہ سے پہلے فارس کا ذخیرہ اکثر برباد ہو چکا تھا، اور بالخصوص فلسفہ اور اس کے متعلقات بالکل ناپید ہو چکے تھے، اس کی تفصیل میں کسی قدر اپنے مضمون کتب خانہاے اسلام میں لکھ چکا ہون، یہان مزید اطمینان کے لئے حمزہ اصفہانی جو بہت بڑا نامور مورخ گذرا ہے، اس کی عبارت نقل کرتا ہون،

فاما تواریخ من کان قبل الساسانیۃ فلم اشتغل بھا للآفات المعترضۃ فیھا وذلک ان الاسکندر لما استولی علی ارض بابل وقھر اھلھا حسدھم علی ما کان اجتمع لھم من العلوم التی لم تجتمع قط لامۃ من الامم مثلھا فاحرق من کتبھم ما نالتہ یدہ ثم قصد الی قتل الموابذۃ والھرابذۃ والعلماء والحکماء ومن کان یحفظ علیھم فی اثناء علومھم

دتواسیرہم حتی اتی علی عامتہم،[1]

غرض مسلمانوں نے جب ترجمہ کے کام پر توجہ کی تو فارسی زبان میں جو ذخیرہ موجود تھا، وہ تاریخ، طب، ادب، فن حرب وغیرہ کا ذخیرہ تھا، اور وہ بھی اخیر زمانہ یعنی اردشیر اور اس کے بعد کی تصنیفات تھیں، مسلمانوں کو سب سے زیادہ دلچسپی فن تاریخ سے تھی، اور اسی لئے تاریخ کا جس قدر سرمایہ مل سکا عربی زبان میں منتقل کیا گیا، فارسی کی تاریخیں دو قسم کی تھیں، عام جس میں تمام سلاطین کے حالات و واقعات تھے، اور خاص جس میں کسی خاص بادشاہ یا خاص ملک اور شہر کا حال تھا، چنانچہ دونوں قسم کی تاریخیں کثرت سے عربی میں ترجمہ کی گئیں،

تمام تاریخوں میں سے جن کتابوں کے نام ہم معلوم کر سکے وہ حسب ذیل ہیں،

خدائی نامہ، یہ نہایت مفصل کتاب تھی جس میں ابتدائے سلطنت عجم سے لیکر اخیر زمانہ تک مفصل حالات درج تھے، عبد اللہ بن المقفع نے اس کا ترجمہ کیا، اور اس کا نام تاریخ ملوک الفرس رکھا، یہ اصل کتاب اس قدر مقبول اور متداول تھی کہ بہرام بن مردان شاہ جو دولت عباسیہ کے عہد کا مترجم ہے، اس نے لکھا ہے کہ میں نے بیس سے زیادہ مختلف نسخے اس کتاب کے فراہم کئے تھے،[2]

آئین نامہ، یہ نہایت مفصل تاریخ تھی، اور اس کا ترجمہ بھی عبد اللہ بن المقفع نے کیا،[3] علامہ مسعودی

---

[1] تاریخ سنی ملوک بحمزۃ الاصفہانی مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۲، اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ ساسانیوں سے پہلے زمانہ کی تاریخ پر میں نے توجہ نہیں کی کیونکہ اس پر بہت آفتیں آئیں، وہ یہ کہ جب سکندر نے بابل پر قبضہ پایا اور وہاں کے لوگوں کو دبا لیا تو ان کے علوم و فنون پر اس کو رشک ہوا، چنانچہ اس نے ان کی جس قدر کتابیں پائیں سب جلا دیں اور موبدوں اور علماء و حکماء کو قتل کرا دیا؛ [2] خدائی نامہ کے لئے دیکھو حمزہ اصفہانی کی کتاب صفحہ ۱۶۸، ۲۴۲ و کتاب الفہرست صفحہ ۱۱۸، [3] کتاب الفہرست صفحہ ۱۱۸،

نے لکھا ہے کہ یہ بہت بڑی کتاب ہے، اور کئی ہزار صفحوں میں اس کا مکمل نسخہ بجز پارسی موبدون کے اور کسی کے پاس پایا نہیں جاتا،[1]

کہن نامہ، یہ آئین نامہ کا ایک ٹکڑا ہے، اس میں عہدہ دارون و متوسلانِ سلطنت کے مراتب مذکور ہیں، چنانچہ اس میں چھ سو عہدون اور اُن کے مراتب اور درجات کا ذکر ہے،[2]

سیر ملوک الفرس، عبداللہ بن المقفع نے اس کا ترجمہ کیا، لیکن یہ نام اصل کتاب کا نہیں بلکہ ترجمہ ہے،

سیر ملوک الفرس، مترجمہ محمد بن جہم البرمکی،

سیر ملوک الفرس، مترجمہ زادویہ بن شاہویہ الاصفہانی،

سیر ملوک الفرس، مترجمہ محمد بن بہرام بن مطیار الاصفہانی،

سیکسران، یہ بھی نہایت مفصل تاریخ ہے، مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ اہلِ عجم اس کتاب کی نہایت عزت کرتے تھے، عبداللہ بن المقفع نے اس کا ترجمہ کیا، پہلوی زبان میں تھی، یہ تمام کتابیں شاہانِ فارس کے حالات و واقعات میں ہین، لیکن ان کے اصلی نام معلوم نہیں ہو سکے،

خاص خاص عہدہ یا خاص خاص اشخاص کی جو تاریخیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں حسب ذیل ہیں،

تاریخ دولتِ ساسانی، خاندانِ ساسان کی یہ نہایت مفصل تاریخ تھی، اس میں عام حالات کے علاوہ ساسانیون کے قوانینِ سلطنت اور طریقِ انتظام نہایت تفصیل سے

---

[1] دیکھو کتاب التنبیہ والاشراف للمسعودی مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۰۴، [2] کتاب التنبیہ صفحہ ۱۰۴،

[3] ان چارون کتابون کا ذکر تاریخ حمزہ اصفہانی صفحہ ۸ میں ہے،

درج تھے، چنانچہ اس کا ذکر ہم بتفصیل کے ساتھ ابتدا میں لکھ آئے ہین، مورخ مسعودی نے اس کتاب کا نسخہ ۳۰۳ھ میں بمقام اصطخر دیکھا تھا،

ایضاً، مترجم ہشام بن قاسم الاصفہانی،

اصلاح دادہ بہرام بن مروان شاہ جو شہر نیشاپور کا موبد تھا،[1]

رستم و اسفندیار نامہ، اس میں رستم و اسفندیار کے معرکون کی تفصیل ہے، جبلہ ابن سالم نے اس کا ترجمہ کیا،

بہرام نامہ، مترجمہ جبلہ بن سالم،

کارنامہ، نوشیروان کے حالات و واقعات ہیں،

شہرزاد با پرویز،

کارنامہ، اردشیر بن بابک، جو بہت بڑا مدبر بادشاہ گذرا ہے، اس نے خود اپنے واقعات و حالات اس کتاب میں قلمبند کیے تھے[2]

کتاب التاج،

بہرام و نرسی نامہ،

کارنامہ، نوشیروان کے حالات ہیں،

مزدک نامہ،

نوشیروان نامہ،[3]

سیرت نامہ، ہرامود بن فرخ زاد کی تصنیف ہے،

---

[1] ان دو اخیر کتابون کا ذکر تاریخ حمزہ اصفہانی صفحہ ۹ میں ہے [2] مروج الذہب مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۰۴ جلد اول [3] ان سات اخیر کتابون کا ذکر کتاب الفہرست صفحہ ۳۰۵ میں ہے،

عام تاریخون اور سوانحمریون کے علاوہ اس قسم کی تمام تحریرون اور دستاویزون کا بھی ترجمہ کیا گیا، جن سے واقعاتِ تاریخی کا پتہ لگتا تھا مثلاً نوشیروان نے اپنے بیٹے ہرمز کو جو وصیت نامہ لکھا اور خاندان کے لئے جو وصیت لکھی، اردشیر بابکان کا عہدنامہ شاپور کے نام، کسریٰ و مرزبان کا سوال وجواب، نوشیروان کا خط سردارانِ فوج کے نام، نوشیروان اور جواسپ کی باہمی خط و کتابت، یہ اور اسی قسم کی بہت سی تحریرین عربی میں ترجمہ کی گئیں،

باوجود اس کے کہ مسلمانون نے فارس کی تاریخ کے ساتھ اس قدر اعتنا کیا تاہم یورپ نے ان کی کوششون کی جو داد دی وہ یہ ہے کہ ملکم صاحب نے جنھون نے ایران کی تاریخ نہایت تحقیق و تدقیق سے لکھی تحریر فرماتے ہیں کہ

"تمام مورخون نے جو صدر اسلام کے ہمعصر تھے لکھا ہے کہ پیغمبرؐ کے اصحاب نے ایرانیون کی پامردی اور دلیری سے طیش میں آکر فتح کے بعد جس قدر اُن کی مذہبی چیزین پائیں برباد کردیں، شہر کے شہر جلا دیئے، آتش کدون میں آگ لگادی، موبدوں اور دستورون کو قتل کردیا، اور جس قدر کتابیں تھین مذہبی یا تاریخی تمام برباد کردیں، قریباً چارسو برس تک کسی نے ایران کی قدیم تاریخ کے مرتب کرنے کی طرف توجہ نہیں کی، سب سے پہلی کوشش اس باب میں جو ہوئی وہ سلاطینِ سامانیہ کی طرف سے ہوئی، اور وہ بھی اس وجہ سے کہ یہ خاندان بہرام چوبین کی نسل سے تھا، اور اُن کو اپنے باپ دادا کا نام زندہ کرنا مقصود تھا،

ملکم صاحب نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ اول جو کتاب شاہانِ عجم کی تاریخ میں لکھی گئی، وہ شاہنامہ تھی، ملکم صاحب نے صحابہ اور قرنِ اول پر جو متواتر اتہام لگائے ہین، ان سے قطع نظر کرکے ان کا یہ بیان کس قدر صحیح ہے کہ مسلمانون نے چارسو برس تک ایران کی تاریخ پر توجہ نہیں کی، خو الملک عبلغہم من العلم، غریب ملکم کو معلوم نہیں کہ ساسانیون کے دور سے

پہلے ایسے بہت سے مسلمان مورخ گذرے ہیں جنھوں نے اپنی تمام عمر صرف ایران کی تاریخ کی تدوین و ترتیب میں صرف کر دی، ان میں سے ایک عمر کسروی تھا جس کا لقب اسی وجہ سے کسروی پڑ گیا تھا، خدائے نامہ جس کا ذکر ہم اوپر لکھ آئے ہیں، اس کی نسبت موسیٰ کسروی کا بیان ہے کہ میں نے اس کتاب کو بار بار پڑھا اور اس کی تصحیح و تحقیق میں بہت کوشش کی لیکن اس کے جس قدر نسخے ہاتھ آئے سب مختلف اور متناقض تھے، بالآخر میں حسن ابن علی الہمدانی سے مقام مراغہ میں ملا، اور چونکہ وہ اس فن کا بہت بڑا ماہر تھا اُس سے اس کتاب کی تصحیح کرنی چاہی[1]، اس کے بعد کسروی نے نہایت غور رسی سے جس طرح سنین اور تاریخ کی تحقیق کی ہے، اس کو مفصل لکھا ہے، مورخ مسعودی نے باوجود اس کے کہ عرب کی نسل سے ہے ایک کتاب خاص بہادرانِ ایران کے معرکوں پر لکھی، اور خود کتاب التنبیہ والاشراف میں تصریح کی کہ میں نے یہ کتاب ابوعبیدہ کے جواب میں لکھی، جس نے بہادرانِ عرب کے معرکے لکھے تھے، غریب ملکم کو یہ بھی نہیں معلوم کہ علامہ طبری، مسعودی، ابوحنیفہ دینوری، ابن واضح کاتب عباسی، حمزہ اصفہانی وغیرہ جنھوں نے ایران کی تاریخیں نہایت تحقیق و تدقیق سے لکھیں سب کے سب سامانی دور سے پہلے تھے،

شاہنامہ، عام تاریخ کی حیثیت سے تو درکنار منظوم تاریخ ہونے کی حیثیت سے بھی نئی تصنیف نہیں، سب سے پہلے جس نے شاہنامہ نظم میں لکھا، وہ ابوعلی محمد بن احمد البلخی شاعر تھا، لیکن اس نے صرف شاعرانہ حیثیت سے یہ کتاب نہیں لکھی، بلکہ ایران کی نہایت قدیم اور نایاب تاریخیں فراہم کی ہیں، چنانچہ اس نے خود تصریح کی ہے کہ اس کتاب کے واقعات اُس نے سیر الملوک عبداللہ بن المقفع و سیر الملوک محمد بن جہم البرمکی، و سیر الملوک ہشام بن القاسم

---

[1] تاریخ حمزہ اصفہانی ص ۱۶، ۱۷،

وسیر الملوک بہرام بن مردان شاہ وسیر الملوک بہرام بن مہران اصفہانی سے لئے ہیں، اور بہرام مجوسی کی تصنیفات سے اس کا مقابلہ کیا ہے [1]

ملکم صاحب کی کوتاہ بینی تو بالکل تعصب پر مبنی ہے، لیکن چونکہ ایران کی تاریخون میں جو مسلمانون نے لکھیں دور از کار قصے مثلاً سیمرغ، دیو سفید، مار ضحاک ہفتخوان وغیرہ اکثر پائے جاتے ہیں، اس کے علاوہ یونانی مورخون کی تحریرون سے اکثر جگہ مطابق نہیں، اس لئے ظاہر میں یہ قیاس ہوتا ہے کہ مسلمانون کو ایران کا قدیم تاریخی سرمایہ ہاتھ نہیں آیا، لیکن درحقیقت یہ قیاس صحیح نہیں، مسلمان ہمیشہ سے اس بات کے عادی ہیں کہ جو روایت اُن کے ہاتھ آئے اس کو بغیر کسی تصرف اور کاٹ چھانٹ کے بیان کر دیں، ایران کی قدیم تاریخون میں یہ تمام دور از کار قصے موجود تھے، اسلامی مورخون نے ان کو اسی طرح نقل کر دیا، نہ اس لئے کہ وہ بھی وہم پرست اور اس قسم کی مزخرفات پر یقین رکھنے والے تھے، بلکہ اس لئے کہ نقل و روایت میں دیانت داری کا یہی مقتضا ہے کہ اپنی طرف سے کچھ تصرف نہ کیا جائے، مورخ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں مار ضحاک وسلاطین کی درازی عمر وغیرہ کی نسبت صاف تصریح کر دی ہے کہ "یہ ایرانیوں کی لغویات ہیں"، بیرونی نے آثار الباقیہ میں لکھا ہے کہ ولھم فی التواریخ القسم الاول واعصار الملوک وانما علیھم المشہورۃ عنھم ما یستنفر عن استماعہ القلوب وتمجہ الآذان ولا تقبلہ العقول [2]

یونانی مورخوں سے اختلاف کی یہ کیفیت ہے کہ مسلمانوں نے جب ایران کی تاریخ لکھنے پر توجہ کی تو ان کے سامنے دو مختلف ماخذ موجود تھے، خود ایرانی تصنیفات، اور یونانی مورخون کی جستہ جستہ تحریریں، لیکن مسلمانون نے صاحب البیت ادری بما فیھا کے بموجب

---

[1] دیکھو کتاب الآثار الباقیہ للبیرونی مطبوعہ یورپ ص ۹۹ [2] ایضاً ص ۱۰۰،

ایرانی ہی تصنیفات پر اعتبار کیا، مورخ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں صاف لکھا ہے[1]

ولم نذکر من ذلك الا ماذکرته الفرس دون غیرهم من الامم کالاسرائیلین والیونانیین والروم اذ کان ما یذهبون الیه فی ذلك خلاف ما حکته الفرس وکانت الفرس احق ان یوخذ عنهم، یعنی میں نے اس باب میں صرف وہ بیان کیا ہے جو ایرانیون نے لکھا ہے، نہ وہ جو اور قومون مثلاً یہودیون، یونانیون اور رومیون نے لکھا ہے، کیونکہ ان قومون کا بیان ایرانیون سے مختلف ہے، اور ایرانی ہی اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی روایت اختیار کیجائے،

تاریخ کے علاوہ مذہبی کتابون کا ایک بڑا سلسلہ تھا اور وہ جہان تک مل سکا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا،

ایران میں سب سے پہلا بانیِ مذہب جس کا نام و نشان معلوم ہے، **زردشت** تھا، اس پر جو کتاب (بخیال اس کے) آسمان سے اتری اس کا نام اَوِستا تھا، یہ کتاب قدیم پہلوی زبان میں تھی، زردشت نے خود اس کا ترجمہ کیا، اور اس کا نام پاژند رکھا، پھر موبدون نے اس کی شرح لکھی جس کا نام پازدہ تھا، مجوسی اس تمام سلسلے کو آسمانی اور وحیِ الہی خیال کرتے تھے، شرح الشرح تو سکندر کے ہاتھوں بالکل برباد ہو گئی، لیکن اَوِستا اور ژندو پاژند کا سلسلہ باوجود سکندر کی غارت گری کے جابجا بچا رہ گیا، اور وہی مسلمانون کے ہاتھ آیا، اوِستا میں کل ۲۱ سورتیں تھیں، اور ہر سورۃ تقریباً چار چار سو صفحون میں لکھی جاتی تھی، ان سورتوں میں سے ایک سورہ کا نام جستر شست تھا جس میں دنیا کے آغاز اور انجام کا حال بیان کیا گیا ہے، ایک سورہ کا نام ہادوخت تھا جس میں نصائح اور پند تھی، غرض یہ تمام سلسلہ مسلمانوں نے بہم پہنچایا، اور نہایت احتیاط سے اس کو محفوظ رکھا، چنانچہ مورخ مسعودی

---

[1] دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۱۰۵،

نے تصریح کی ہے کہ چوتھی صدی کے آغاز تک یہ کامل نسخہ موجود تھا، اور سیستان میں ایک شخص کو یہ کتاب تمام وکمال حفظ یاد تھی، اگرچہ قرائن سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ تمام کتابیں عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں، لیکن اس قدر تو مصرح شہادتوں سے ثابت ہے کہ اوستا کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا، اور مدتوں تک اس کے نسخے پائے جاتے تھے، حمزہ اصفہانی چوتھی صدی عیسوی میں تھا، اس نے اپنی کتاب تاریخ سنی الملوک میں جابجا اوستا کے عربی ترجمہ کے حوالے دیئے ہیں، اور یہ ترجمہ خود اس کی نظر سے گذرا تھا، حمزہ اصفہانی نے جو تاریخ کبیر لکھی اس میں بھی تصریح کی ہے کہ میں نے اس کتاب کے واقعات کو اوستا سے مقابلہ کر کے صحیح کیا ہے،[1]

زردشت کے علاوہ اور بہت سے جو مدعیانِ نبوت یا بانیانِ مذہب پیدا ہوئے، اُن میں مرقیون، ابن دیصان، مزدک اور مانی زیادہ مشہور ہیں، مرقیون ٹیٹس کے زمانہ میں تھا، جو قیصرانِ روم کے سلسلہ میں بارھواں قیصر گذرا ہے، ابن دیصان، مرقیون سے ۳۰ برس بعد پیدا ہوا، مانی، شاپور بن اردشیر کے زمانہ میں تھا، مزدک قباد کا ہمعصر تھا، مرقیون اس بات کا قائل تھا کہ تمام کائنات نور و ظلمت سے پیدا ہوئی ہے، خدا نے خود کائنات کو نہیں پیدا کیا، کیونکہ کائنات برائی سے خالی نہیں اور خدا برائی کا خالق نہیں ہوسکتا، مرقیون نے عقائد وغیرہ کے متعلق ایک کتاب لکھی جس کا نام انجیل رکھا، یہ کتاب بعینہٖ عربی زبان میں ترجمہ کی گئی،

ابن دیصان کا مذہب مرقیون کے قریب قریب ہے، بلکہ گویا مرقیون کے مذہب کی ایک شاخ ہے، اس نے جو کتابیں تصنیف کی تھیں، اُن میں سے کتبِ ذیل کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا،

---

[1] اوستا اور ژند و پاژند کے متعلق دیکھو کتاب التنبیہ والاشراف ص ۹۱-۹۲ مسعودی مطبوعہ یورپ جلد دوم ص ۱۲۶ و تاریخ حمزہ اصفہانی ص ۴۴ و الآثار الباقیہ للبیرونی ص ۱۰۵،

کتاب النور والظلمت، کتاب روحانیۃ الحق، کتاب المتحرک والجماد،

مانی نبوت کا مدعی تھا اور اپنے تئیں فارقلیط کا مصداق سمجھتا تھا، اس نے ایک انجیل تصنیف کی تھی، جو موجودہ انجیل سے بالکل الگ تھی، اس کے اصول عقائد یہ تھے کہ نور و ظلمت قدیم ہیں، احکام فقہی میں جانور کا ذبح کرنا، آگ، پانی، نباتات کو نقصان پہنچانا حرام ہے، اس کی تصنیفات بکثرت ہیں، جن میں سات بطور اصل کے ہیں، ان میں ایک فارسی زبان اور چھ سریانی زبان میں ہیں، یعنی سفر الاسرار، سفر الجبابرۃ، فرائض السماعین، شاپورگان، سفر الاحیا، فرقماطیہ،

شاپورگان، مذہبی کتاب ہونے کے ساتھ تاریخی حیثیت بھی رکھتی تھی، علامہ ابوریحان بیرونی نے اپنی کتاب الآثار الباقیۃ میں جابجا اس کے حوالے دیئے ہیں، اور لکھا ہے کہ تاریخی واقعات کے متعلق اردشیر کے زمانہ کے بعد ایرانی تصنیفات میں سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے،[1]

مانی کی تصنیفات ایک مدت تک موجود رہیں، علامہ ابوریحان بیرونی نے ایک رسالہ میں جو الآثار الباقیۃ کے ساتھ چھپا ہے لکھا ہے کہ مجھ کو مانی کی تصنیفات کی بہت تلاش تھی، چنانچہ ایک دوست کے ذریعہ سے کتب ذیل میسر آئیں،

فرقماطیا، سفر الجبابرۃ، کنز الاحیاء، فسیح الیقین، انجیل، شاپورگان، سفر الاسرار، ان کتابوں کے علاوہ مانی نے بہت سے چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے تھے، اور ان تمام رسالوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا، ابن الندیم نے ان تمام رسالوں کے نام بہ تفصیل لکھے ہیں،[2]

[1] الآثار الباقیۃ ص ۱۱۸ [2] مانی و مرقیون و ابن دیصان اور ان کی تصنیفات و مسائل کا ذکر فہرست ابن الندیم و کتاب التنبیہ والاشراف و الآثار الباقیۃ میں مفصلاً و مجملاً ہے،

مانی کی تصنیفات وتالیفات اس کثرت سے عربی میں متداول ہوئیں کہ مسلمانون میں
اس کے معتقدات وخیالات عام طور پر پھیل گئے، یہان تک کہ بہت سے لوگوں کی نسبت
گمان کیا گیا کہ وہ مانی کے پیرو ہو گئے، مسعودی کے حوالہ سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ابن
ابی العرجاء، حماد عجرد، یحیی ابن زیاد، مطیع بن ایاس نے مانی کی تائید میں کتابیں لکھیں، ابن الندیم
نے اور بہت سے مسلمان علماء کے نام لکھے ہیں جو مانی کی پیروی میں بدنام تھے، لیکن میرا خیال
ہے کہ یہ نری تہمت ہے، مسلمانوں میں ہمیشہ آزادخیالی اور تعصب دونون ساتھ ساتھ رہے
ہیں، جو لوگ آزادخیال تھے وہ ہر فرقہ اور ہر مذہب کے مسائل کی تحقیقات اور اس کا تذکرہ
کرتے رہتے تھے، متعصبون کے نزدیک غیر مذہب والون کا نام لینا بھی کفر تھا، اس لئے جو
آزادخیال علما غیر مذہب کے مسائل کو کسی حیثیت سے بیان کرتے تھے، متعصبوں کے نزدیک
وہ انہی مذاہب کے پیرو کہلاتے تھے،

ایران میں سب سے اخیر جو شخص مذہبی فرقہ کا بانی ہوا وہ **مزدک** تھا، یہ نوشیروان
کے باپ قباد کے زمانہ میں تھا، اور قباد اس کا مقلد ہو گیا تھا، مزدک کا اصل مذہب قریب
قریب وہی تھا جو آج کل یورپ میں رڈیکل اور سوشلیسٹ وغیرہ کا ہے، یعنی ہر آدمی
دوسرے آدمی کے مال اور ناموس پر اختیار رکھتا ہے، اسی بنا پر مزدک کے مذہب میں
زنا کچھ گناہ نہ تھا، یہ معلوم نہیں کہ مزدک نے کوئی مستقل تصنیف کی تھی یا نہیں، لیکن یہ ثابت
ہے کہ اس کے مسلّمات ومعتقدات واحکام ومسائل جس قدر تھے عربی زبان میں آگئے تھے، ابو حفص
علامہ بلخی نے اس پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جس کا نام عیون المسائل والجوابات ہے[۱]، مزدک
کے حالات فارسی زبان میں اسلام سے پہلے قلمبند کئے گئے تھے، عبداللہ بن المقفع نے اس کا

[۱] کتاب الفہرست صفحہ ۳۴۲،

ترجمہ عربی زبان میں کیا،[۱]

تاریخی اور مذہبی تصنیفات کے بعد جو چیز مسلمانوں کو سب سے زیادہ مرغوب تھی، وہ فن ادب تھا، چنانچہ فارسی کے لٹریچر کا جس قدر سرمایہ ہاتھ آیا عربی میں ترجمہ کیا گیا، اس سلسلہ میں زیادہ دلچسپ اور لطیف کتاب ہزار افسانہ تھی، جو عربی میں ترجمہ ہو کر الف لیلہ کے نام سے مشہور ہوئی، یہ کتاب اصل میں شاہانِ عجم کے مشغلہ اور شب بیداری کے لئے تصنیف ہوئی تھی، اس میں ہزار راتیں اور دو سو سے کم قصے تھے، چنانچہ اس کا بعینہ ترجمہ کیا گیا، لیکن موجودہ الف لیلہ فارسی کا ترجمہ نہیں ہے، بلکہ غالباً اس نسخہ سے مرتب کیا گیا ہے، جو محمد بن عبدوس جہشیاری نے بہت سے فسانہ گویوں کو جمع کر کے خود ایک جدید کتاب تیار کی تھی، جس میں ۴۸۰ راتیں تھیں،[۲]

الف لیلہ کے سوا فارسی کے اور بہت سے ناول اور افسانے عربی زبان میں ترجمہ کئے گئے، لیکن افسوس ہے کہ اُن کے نام عربی میں آکر کچھ ایسے بدل گئے ہیں کہ لفظ کی صحت نہیں ہو سکتی، ان میں سے ابن الندیم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے، حسب ذیل ہیں،

کتاب بوسفاس، تجدخسرو، مرمن، خرافتہ ونزہتہ، خرس وخرگوش، روزبہ، سگ زمانہ، شاہ زنان، فرودنامہ،[۳]

اس سلسلہ کے علاوہ فن انشا، کی اور بہت سی کتابیں ترجمہ ہوئیں، ان میں سب سے زیادہ اور عجیب کتاب تعلیمیہ تھی، اس کتاب کی خوبی اور عمدگی اس قدر مسلم تھی کہ ملاحدہ اس کو قرآن مجید کے مقابلہ میں پیش کرتے تھے (نعوذ باللہ) چنانچہ علامہ باقلانی کو اپنی کتاب اعجاز القرآن میں

---

[۱] کتاب الفہرست صفحہ ۱۱۸، [۲] الف لیلہ کے متعلق پوری تفصیل کتاب الفہرست ۳۰۴ میں ہے،
[۳] کتاب الفہرست صفحہ ۳۰۵،

اس کا جواب دینا پڑا، اتیمیہ کے مقابلہ کی دوسری کتاب اردشیر کا عہد نامہ تھی، چنانچہ اس کا ترجمہ بھی عربی میں موجود ہے، ابن الندیم نے لکھا ہے کہ جن کتابوں کی خوبی پر تمام زمانہ کا اتفاق ہے، وہ حسب ذیل ہیں، عہد اردشیر، کلیلہ و دمنہ، رسالہ عمارۃ بن حمزہ، ماہانیہ، تیتمیہ، رسالہ حسن الاحمد ابن یوسف الکاتب[1]،

آداب و اخلاق کی کتابیں بھی کثرت سے ترجمہ کی گئیں، ان میں سے چند کے نام ذیل میں ہیں،

نامۂ فرخ زاد، بیٹے کی نصیحت کے لئے لکھی تھی،

نامۂ مہرادو حسیس، یہ دونوں موبد تھے، اور بزرجمہر وزیر نوشیروان کے لئے یہ کتاب لکھی تھی،

بفردس،

موبد موبدان کی کتاب، محاضرات اور اخلاق میں ہے،

کتاب اردشیر فی التدبیر، یہ کتاب اردشیر کے حکم سے تمام حکما کی کتابوں سے التقاط کر کے لکھی گئی تھی،

کتاب[2] بن مردبود، ہرمز بن کسریٰ کے لئے تصنیف کی گئی تھی،

توقیعات کسریٰ، نوشیروان کے فرامین اور احکام،

آداب کبیر و **آداب صغیر** } یہ دونوں کتابیں آداب و اخلاق میں ہیں اور عبداللہ بن المقفع نے انکا ترجمہ کیا،

فن حرب

فن حرب اور تدابیر جنگ کے متعلق نہایت مفید کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، چنانچہ بعض کتابوں

---

[1] فہرست صفحہ ۱۲۶ [2] ان کتابوں کا ذکر فہرست ابن الندیم صفحہ ۳۱۵ و ۳۱۶ میں ہے،

کے نام ذیل میں درج ہیں،

کتاب آداب الحروب، اس میں نہایت تفصیل سے لشکر آرائی قلعوں اور شہروں کا محاصرہ، گشت کی فوج، سرحد کی مضبوطی، اس قسم کے امور کے متعلق ہر قسم کے قاعدے اور تدبیریں درج تھیں، یہ کتاب اردشیر کے لئے تیار کی گئی تھی،

کتاب تعبیتہ الحروب وآداب الاساورہ } اس میں خاص لشکر آرائی اور سواروں کی قواعد کے طریقے درج تھے،

کتاب الرمی، تیر اندازی کے فن میں تھی، اور بہرام گور کی تالیف تھی،

چوگان وگوی، اس کا مضمون نام سے ظاہر ہے،

ان فنون کے سوا اور بہت سے مضامین کی کتابیں ترجمہ کی گئیں، مثلاً بیطاری، شکار بازی، قیافہ وشگون، وغیرہ وغیرہ، چنانچہ ان مترجم کتابوں کے نام جابجا فہرستِ ابن الندیم میں ملتے ہیں[1]،

کلدانی، نبطی، سریانی

تمام مورخوں کا بیان ہے کہ دنیا میں سب سے اول تہذیب وتمدن کی ابتدا بابل ونینوا سے ہوئی، اور یہ مقامات کسی زمانہ میں جاہ ودولت اور حرفت وصنعت کے مرکز تھے، خسوف وکسوف کے دریافت کے قاعدے اول یہیں کے علمانے معلوم کئے، دھوپ گھڑی بھی اول یہیں ایجاد ہوئی، یہاں کی زبان نے مختلف دوروں میں مختلف نام پائے، یعنی آرامی، پھر کلدانی، پھر سریانی، آرامی وکلدانی نبطی خط میں لکھی جاتی تھی،

مسلمانوں نے قدامت کے لحاظ سے ان زبانوں کی طرف نہایت توجہ کی، اور

---

[1] ان کتابوں کے لئے دیکھو ابن الندیم صفحہ ۳۱۴،

علوم وفنون موجود تھے، لیکن مسلمانوں کے دور تک اصلی علوم اکثر مٹ چکے تھے، اور اخیر اخیر عصر نجوم، سحر، خواب کی تعبیر، اور اس قسم کی باتوں پہ مدار رہ گیا تھا، غرض جو کچھ ذخیرہ مل سکا مہیا کیا گیا، اور عربی زبان میں منتقل ہوا،

بابل میں ستاروں کے نام پہ سات بڑے عظیم الشان ہیکل تعمیر کئے گئے تھے، جن میں سے بعض کے کھنڈر اب بھی موجود ہیں، یہ ہیکل بڑے بڑے علما کے اہتمام میں تھے، اور وہ اِن ہیکلوں سے رصد خانہ کا کام لیتے تھے، چنانچہ عطارد کا ہیکل ہرمز کے اہتمام میں، مشتری کا تینکلوس کے اہتمام میں، مریخ کا طینقروس کے اہتمام میں تھا، ہرقل اور قیطوار بھی ان ہی علما میں تھے،

تینکلوس ایک مشہور عالم یہاں کا تھا، جس کی نسبت علامہ ابن الندیم نے لکھا ہے، کہ ضحاک کے وقت میں تھا،[۱]

افسوس ہے کہ انگریزی کتابوں کی رو سے ان ناموں کی تصحیح نہیں ہو سکتی، نوفل آفندی نے اپنی کتاب سیاحۃ المعارف میں جو یورپین تصنیفات سے ماخوذ ہے، لکھا ہے کہ بابل کے علما میں سے بیلوس ایک بڑا ہیئت دان تھا، جو حضرت عیسیٰؑ سے ۲۱۲ برس پہلے تھا، ممکن ہے کہ یہ تینکلوس ہو جس کو ابن الندیم نے ضحاک کا معاصر لکھا ہے، بہرحال عرب کے مورخوں کی تحریر کے مطابق ان سات علما میں سے اکثروں کی تصنیفات بہم پہنچیں اور ان کا ترجمہ کیا گیا، تینکلوس کی کتاب عربی میں ترجمہ ہو کر کتاب الوجوہ والحدود کے نام سے موسوم ہوئی،

قیطوار کی کتاب کا نام صناعۃ النجوم رکھا گیا، **ہرمز** کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، جن کے نام ابن الندیم نے تفصیل سے لکھے ہیں،[۲] لیکن چونکہ وہ صرف جادو اور شعبدہ

---

[۱] فہرست ابن الندیم صفحہ ۲۳۸ [۲] کتاب الفہرست ص ۲۳۲-۳۵۳،

وکیمیا کے متعلق ہیں ہیں ان کے نام قلم انداز کرتا ہون،

بابل کی تاریخیں جو ہیں کی زبان میں لکھی گئی تھیں ان میں سے اکثر کا ترجمہ ہوا، چنانچہ ابن الندیم نے اُن کے عربی نام حسب ذیل لکھے ہیں، کتاب ملک بابل، کتاب نمرود، کتاب الملک الراکب، کتاب الشیخ والفتی، کتاب اردشیر، کتاب لاہج، کتاب الحکیم الناسک،

مانی کی سات مشہور تصنیفات میں سے چھ سریانی زبان میں تھیں، اور ان سب کا ترجمہ ہوا، چنانچہ اس کا ذکر زبان فارسی کے ذیل میں اوپر گذر چکا،

کلدانی زبان کا سب سے بڑا مشہور مترجم احمد بن علی تھا، جو ابن وحشیہ کے نام سے مشہور ہے، اور جو نسل کے لحاظ سے بھی کلدانی تھا، علم فلاحۃ کے متعلق اس نے بابل کی تصنیفات کا جو مجموعہ مرتب کیا وہ درحقیقت نہایت مفید تصنیف ہے، اور آج بھی مصر کے کتبخانہ خدیویہ میں موجود ہے، طب، دینیات، سحر، نجوم وغیرہ کے متعلق اس نے کلدانی زبان کا بہت بڑا ذخیرہ عربی زبان میں منتقل کیا، ان میں سے ابن الندیم نے جن کتابون کے نام لکھے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں،

کتاب طرد الشیاطین، کتاب السحر الکبیر، کتاب السحر الصغیر، کتاب الدوار، علی مذہب النبط، کتاب مذاہب الکلدانیین فی الاصنام، کتاب الاشارۃ فی السحر، کتاب اسرار الکواکب، کتاب حیاطوثی الکلدانی، کتاب الحیوۃ والمماۃ فی علاج الامراض. لدرا اسطا ابن سموطان الکلدانی، کتاب الاصنام، کتاب القرابین، کتاب الطبیعۃ، کتاب الاسماء،[1]

عبرانی

یہ زبان سمٹک زبان کی شاخ اور کلدانی کی بہن ہے، اس زبان میں اگرچہ فلسفہ

---

[1] کتاب الفہرست صفحہ ۳۱۲ و ۲۴۵،

وسائنس کا ذخیرہ نہیں تھا، لیکن توریت وزبور وانجیل کی اصلی زبان عبرانی ہے، اور بہت سے صحفِ انبیاء بھی اسی زبان میں ہیں، اس لحاظ سے اس زبان کے ساتھ بھی نہایت اعتنا کیا گیا، غالباً سب سے اول جس نے عبرانی کتابوں کا ترجمہ کیا وہ احمد بن عبداللہ بن سلام ہارون الرشید کے دربار کا ملازم تھا، اس فاضل نے عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کی تمام کتابوں کا ترجمہ کیا اور یہ التزام رکھا کہ جہاں تک ممکن ہو ہر لفظ کا ترجمہ کیا جائے، چنانچہ دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے صحفِ انبیاء، توراۃ، انجیل اور کتبِ انبیاء کا ترجمہ عبرانی اور یونانی وعیسائی زبان سے کیا، اور ترجمہ میں عبارت کی خوبی اور آرایش سے بالکل قطع نظر کی تاکہ معنی میں کسی قسم کا فرق نہ آنے پائے،[۱]

توریت کا دوسرا ترجمہ حنین بن اسحاق نے کیا، یہ ترجمہ اس یونانی نسخہ سے کیا گیا تھا، جو مصر میں بطلیموس اسکندر کے زمانہ میں ۷۲ بڑے بڑے نامور پادریوں نے عبرانی زبان سے یونانی زبان میں کیا تھا، اور یہ نسخہ تمام نسخوں سے صحیح تر سمجھا جاتا تھا،[۲]

عہدِ عتیق اور جدید کے مجموعہ کا جس میں ۴۲ کتابیں شامل ہیں، اور لوگوں نے بھی عربی زبان میں ترجمہ کیا، جن میں سے اکثر یہود تھے، چنانچہ ان میں سے مفصلۂ ذیل علماء کا نام مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں لکھا ہے،

ابو کثیر یحییٰ بن زکریا الکاتب الطبرانی، ۳۲۰ھ میں وفات پائی،

سعید بن یعقوب الفیومی الشمعثی، بہت بڑا فاضل تھا، بغداد کے وزراء اور قضاۃ کے دربار میں اکثر یا حضر ہوتا تھا، اور اسرائیلیوں کے مباحثات میں اس کے فیصلے

---

[۱] یہ تمام تفصیل کتاب الفہرست صفحہ ۲۲ و ۲۳ میں ہے [۲] کتاب التنبیہ والاشراف للمسعودی صفحہ ۱۱۲،

داؤد قومسی،	ہمیشہ تسلیم کئے جاتے تھے، ۳۳۱ھ کے بعد وفات پائی،
	بیت المقدس میں رہا کرتا تھا، ۳۴۰ھ میں وفات پائی،
ابراہیم بغدادی[1]،	یہ بھی چوتھی صدی میں تھا،

قبطی

قبطی زبان سے مصر کی قدیم زبان مراد ہے، مصر میں اگرچہ آج کل عموماً عربی زبان شائع ہے، لیکن اصلی قبطی زبان معدوم نہیں ہوئی، اور قبطیوں کی مذہبی کتابیں اب بھی اسی زبان میں لکھی جاتی ہیں[2]، البتہ خطوط میں بہت انقلابات ہوئے، نہایت ابتدائی زمانہ میں ہیروغلوفی خط جاری تھا، جو اہرام وغیرہ پر کندہ ہے، اس خط میں حروف نہ تھے، صرف نقوش اور تصویریں تھیں، جو بالذات یا بالعرض مطالب پر دلالت کرتی تھیں، ۶۶۰ ق م ابجدی حروف ایجاد ہوئے، مذہب عیسوی کا قدم آیا تو یونانی خط جاری ہوا، اور تمام تالیفات و تصنیفات اسی زبان میں ہونے لگیں،

قدیم زمانہ کی تصنیفات تو اسلام سے پہلے معدوم ہو چکی تھیں، لیکن زمانۂ مابعد کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا، جو زیادہ تر بلکہ قریباً کل یونانی زبان میں تھا، کیونکہ اسکندریہ میں حضرت عیسیٰؑ سے ۲۸۸ برس پہلے فلسفہ کا جو مدرسہ قائم ہوا تھا وہ گویا یونان کی شاخ تھا، اور اسکندریہ کے بڑے بڑے حکما مثلاً ارسترخس، ایرخس، اپلونیوس، فرفوریوس وغیرہ جن کا ذکر اوپر گذر چکا'

[1] ان چاروں کے لئے دیکھو کتاب التنبیہ والاشراف صفحہ ۱۱۳ [2] سیاحۃ المعارف صفحہ ۶۱،

سب دراصل یونانی تھے،

اس عہد کی اکثر تصنیفات عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں لیکن اُن کا ذکر یونان کے تذکرہ میں گذر چکا، یہاں صرف قبطی زبان کے سرمایہ سے بحث ہے، اگرچہ ہم تفصیل سے یہ نہیں بتا سکتے کہ اس زبان کی کیا کیا کتابیں ترجمہ ہوئیں لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ اس زبان کے ہر قسم کے سرمائے بہم پہنچانے میں نہایت کوششیں کی گئیں، لوگوں کو تعجب ہوگا لیکن مورخ مسعودی نے بڑے وثوق کے ساتھ بیک واسطہ روایت کی ہے کہ حضرت ذوالنون مصری کو مصر کی قدیم عمارتوں کے کتبون کے دریافت کرنے کا نہایت شوق تھا، اور انھوں نے ہیروغلوفی خط کے نقوش اور تصویروں کو بڑی کوشش سے پڑھا تھا مسعودی کے خاص الفاظ جیسا کہ علامہ مقریزی نے نقل کئے ہیں یہ ہیں[1]،

واخبرني غير واحد من بلاد اخميم من صعيد مصر عن ابي الفيض ذي النون بن ابراهيم المصري الاخميمي الزاهد وكان حكيما وكانت له طريقة ياتيها ونحلة يعضدها وكان ممن يقرء على اخبار هذه البرابي[2] وامتحن كثيرا مما صور فيها ورسم عليها من الكتابة والصور قال رايت في بعض البرابي كتابا تدبرته فاذا هو . . ورايت في بعضها كتابا تدبرته فاذا فيه يقدر المقدر والقضاء يضحك،

ابوزید بلخی نے لکھا ہے کہ اہرام پر جو تحریریں ہیں ان میں سے ایک عبارت کا عربی میں ترجمہ کیا گیا، تو اس کا یہ مطلب تھا[3] الخ مورخ مقریزی نے اپنی کتاب (جلد اول صفحہ ۱۱۶) میں ایک اور واقعہ نہایت تفصیل سے لکھا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہایت قدیم قبطی خط کے

---

[1] دیکھو مقریزی جلد اول صفحہ ۳۹ [2] برابی بربا کی جمع ہے، بربا مصر کے قدیم مقبروں اور اس قسم کی عمارتوں کو کہتے ہیں [3] مقریزی جلد اول صفحہ ۱۱۵،

پڑھنے والے اسلام کے زمانہ میں موجود تھے، اگر یہ روایتیں صحیح ہیں تو ہیروغلوفی خط کے پڑھنے کا فخر یورپ سے چھین کر مسلمانوں کو ملنا چاہیئے، ہیروغلوفی خط کے متعلق کچھ شبہہ ہو تو ہو، لیکن زمانۂ مابعد کی قبطی تصنیفات کا ترجمہ کیا جانا بالکل یقینی ہے، فرعون کے زمانہ کی مالگزاری اور اس کے مصارف کی تعداد اور تفصیل جو مسلمان مورخوں نے لکھی ہے، وہ درحقیقت ایک قبطی کتاب کا ترجمہ ہے، چنانچہ مورخ مقریزی نے اس کتاب کے ترجمہ کئے جانے کی تصریح کی ہے،[۱]

سنسکرت

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ سنسکرت کے ترجموں کی ابتدا خلیفہ منصور کے عہد سے ہوئی یعنی ہندوستان کا ایک نامور پنڈت منصور کے دربار میں آیا، اور کتاب سدھانتا نذر گذرانی جس کا ترجمہ دربار کے ایک عالم محمد بن ابراہیم فزاری نے کیا، اسی زمانہ میں یحییٰ برمکی نے ایک شخص کو ہندوستان بھیجا کہ وہاں جو دوائیں پیدا ہوتی ہیں، ان کو تلاش کر کے لائے، اور نیز ہندوستان والوں کے عقائد اور مذہب وغیرہ کی تفصیل لکھ کر لائے، چنانچہ اس رپورٹ کا ایک نسخہ علامہ ابن الندیم نے یعقوب کندی کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا تھا جس کی تاریخ کتابت ۲۴۹ھ تھی،[۲] علامہ مذکور نے لکھا ہے کہ خاندان برامکہ نے ہندوستان سے بہت سے پنڈت اور ویدک کے علما طلب کئے، افسوس کہ ان کے نام کی تفصیل صحت کے ساتھ نہیں ملتی، جاحظ اپنی کتاب البیان والتبیین میں ایک جگہ ایک ضمنی تذکرہ میں لکھ گیا ہے کہ "معمر کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں یحییٰ بن خالد نے ہندوستان کے حکیموں یعنی منکہ، بازیکر

[۱] مقریزی جلد اول ص ۵، [۲] کتاب الفہرست صفحہ ۲۴۵ [۳] کتاب مذکور صفحہ ۱۴ مطبوعہ مصر،

فلر تحل، سند بار وغیرہ وغیرہ کو طلب کیا تھا میں نے بہلہ ہندی سے پوچھا کہ بلاغت کس کو کہتے ہیں الخ"، اس عبارت سے پتہ لگتا ہے کہ بہت سے ہندو پنڈت اور طبیب بغداد میں آئے تھے، لیکن افسوس ہے کہ ان کی تفصیل نہیں ملتی،

برامکہ کے سوا، ہارون الرشید اور مامون الرشید کی قدر دانی نے ہندوستان کے اہل کمال کو بغداد کی طرف متوجہ کیا، ہارون الرشید ایک مرتبہ سخت بیمار ہوا، اور پایہ تخت کے اطبا علاج سے عاجز آ گئے، اس زمانہ میں ہندوستان کے ایک پنڈت کی شہرت دور دور پھیلی ہوئی تھی، ابو عمرو عجمی کی تحریک سے ہارون الرشید نے اس کو طلب کیا، اور اس کے علاج سے خدا نے شفا دی، اس فاضل کا نام منکا تھا اور وہ طبابت کے علاوہ علوم عقلیہ کا بڑا ماہر تھا، بغداد میں رہ کر اس نے فارسی زبان سیکھ لی، اور سنسکرت کتابوں کے ترجمے کرائے[1]،

ہارون الرشید کے دربار کا ایک نامور پنڈت صالی تھا جس کو عرب کے مصنف صالح لکھتے ہیں، اسی عہد میں ایک اور مشہور فاضل ہندو تھا جس نے سنسکرت کتابوں کے ترجمے کئے، اس کے باپ کا نام دھن تھا، اور اہلِ عرب اس کو اس کے اصلی نام کے بجائے ہمیشہ ابن دھن یعنی دھن کا بیٹا لکھتے ہیں، برمکیوں نے بغداد میں جو ہسپتال بنایا تھا، یہ اس کا افسر تھا[2]،

معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں سنسکرت اور بھاشا کی تعلیم اس حد تک وسیع ہو گئی تھی کہ مدت تک ایک گروہ اس قسم کا موجود رہا جو ان زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا، ہارون الرشید نے ہندوستان میں جو علما مناظرہ کے لئے بھیجے تھے، ضرور ہے کہ سنسکرت[3] داں ہوں گے، مورخ مسعودی ۳۰۳ھ میں کھنبایت آیا تھا اور وہاں کے حالات سے

[1] منکا کا مفصل تذکرہ طبقات الاطبا جلد دوم ص ۳۳ میں ہے [2] کتاب الفہرست صفحہ ۲۴۵،

واقفیت پیدا کی تھی، وہ لکھتا ہے کہ یہاں کا راجہ مذہبی مناظروں کا بہت شائق ہے، اور مسلمان اور دوسرے مذہب کے لوگ جو اس شہر میں آتے ہیں ان سے بحث اور گفتگو کرتا رہتا ہے[۱]، یہ ظاہر ہے کہ مناظرہ بھاشا زبان میں ہوتا ہوگا، اور سنسکرت تصنیفات سے واقفیت کے بغیر مناظرہ کی بنیاد قائم نہیں ہوسکتی،

اس گروہ میں سب سے بڑا ماہر ابو ریحان بیرونی تھا، جس کا مختصر حال ہم اوپر لکھ آئے ہیں، اس کی سنسکرت دانی اس مرتبہ کی تھی کہ اس نے بعض عربی تصنیفات کو ہندوؤں کے لئے سنسکرت میں ترجمہ کیا، سنسکرت علوم و فنون کے متعلق جو کتاب اس نے لکھی ہے اور جس کو جرمنی کے مشہور پروفیسر زخاؤ نے اپنی تصحیح سے چھپوایا ہے، ہمارے سامنے ہے، یہ کتاب درحقیقت سنسکرت علوم و فنون کا نہایت عمدہ خلاصہ ہے، مصنف نے سنسکرت کی بہت سی مستند اور قدیم تصنیفات سے ذخیرۂ معلومات مہیا کیا ہے، ایک عجیب بات یہ ہے کہ چونکہ ہندو اپنی کتابوں کے دینے میں بخل کرتے تھے، اس لئے مصنف نے بہت سی کتابوں کو زبانی پڑھا اور یاد کیا، اس نے خود لکھا ہے[۲] کہ مختلف پرانوں میں سے جو پران میں نے زبانی سیکھے وہ حسب ذیل ہیں،

اوپران، مچھ پران، کورم پران، براہ پران، نرسنگھ پران، بایو پران، بامن پران، نند پران، اسکند پران، ادت پران، سوم پران، سانب پران، برہمانڈ پران، مارکنڈیو پران، تارکشن پران، بشن پران، برہم پران، بھیش پران،

بیرونی کی کتاب کی جامعیت و وسعت معلومات کا اندازہ ان ابواب کے عنوان سے ہوسکتا ہے جو مصنف نے اختیار کئے ہیں، یہ کل اسی عنوان ہیں، اور ہر عنوان پر تفصیلی

---

۱ مسعودی مطبوعہ یورپ جلد اول صفحہ ۲۰۵، ۲ کتاب الہند صفحہ ۶۳،

بحث کی ہے، اور جو کچھ لکھا ہے سنسکرت کی مستند کتابوں سے لکھا ہے، ان میں سے بعض عنوان ہم نمونہ کے طور پر نقل کرتے ہیں،

(۱) ہندوؤں کا اعتقاد خدا کی نسبت،

(۲) موجوداتِ عقلیہ اور حسیہ کی نسبت اعتقاد،

(۳) تناسخ کا مسئلہ،

(۴) بید اور پران اور دیگر مذہبی کتابیں،

(۵) نحو اور عروض کی تصنیفات،

(۷) ہیئت اور نجوم، اس کے متعلق بہت سے عنوان قائم کئے ہیں، اور ہر ایک پر مفصل بحث کی ہے،

(۸) حرام و حلال،

(۹) قانونِ وراثت،

اس نامور مصنف نے علاوہ اس کتاب کے سنسکرت کی متعدد کتابیں عربی میں ترجمہ کیں، یا سنسکرت کی کتابوں سے اخذ کر کے لکھیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے،

سامیکا،[1]

پاتنجلی[2] पातञ्जली

پلس سدھانتا[3]

برہم سدھانتا[4] ब्रह्मसिद्धान्त

برہ تسامیتا،[5]

لاجو[6] مصنف براہمر बराहमिहर

سدھانتا پر ایک کتاب جس کا نام جوامع الموجود لخواطر الہنود ہے، یہ کتاب ۵۰۰ صفحہ میں ہے،

کھنڈکھنڈ کا، اس کتاب کا ترجمہ پہلے عربی میں ہوا تھا، جس کو عربی کتابوں میں ارکنڈ لکھتے ہیں،

کسوف پر ایک رسالہ،

ایک رسالہ حساب پر، جس میں بتایا ہے کہ سندھ اور ہندوستان میں صفروں کے شمار کا قاعدہ کیا ہے،

ایک رسالہ، جس میں بیان کیا ہے کہ اعداد کے مدارج عربی میں باعتبار ہندی کے زیادہ صحیح طریقہ پر مقرر کئے گئے ہیں، ۱۵ صفحوں میں ہے،

۱۲ راسیکا، یعنی اربعۂ متناسبہ پر ایک مضمون، ۱۵ صفحوں میں ہے،

۱۳ اعداد کی ترتیب کے متعلق ایک رسالہ،

۱۴ برھما سدھانتا میں حساب کا جو طریقہ ہے اس کا ترجمہ، ۴۰ صفحوں میں ہے،

۱۵ موجودہ زمانہ کا تعین باعتبار ہندی تاریخ و سنہ کے، ۱۰۰ صفحوں میں ہے،

۱۶ ایک رسالہ جس میں یہ تعین بتایا ہے کہ کون کون ثوابت صرف منازل قمر کے متعلق ہیں،

۱۷ ان سوالات کے جوابات جو ہندو ہیئت دانوں نے اس سے پوچھے تھے، ۱۲۰ صفحوں میں ہے،

۱۸ ان سوالون کے جواب جو کشمیر سے اس کے پاس آئے،

۱۹ طول عمر کے شمار کا ہندی طریقہ،

तपनातकप

۲۰ لاگھو جتکم، مصنفہ وراہ مہر کا ترجمہ جو ایک چھوٹی سی کتاب ولادت کے متعلق ہے،

بامیان[۲۱] کی دو تبون کی کہانی،

نیلو تر[۲۲] کا قصہ جس میں دلبتی اور برہماکرہ کا بیان ہے،

کلپہ یارہ[۲۳]، کا ترجمہ جو ایک رسالہ ہے متعلق عوارض مکروہ کے،

داسو دیو[۲۴] کے دوبارہ ظہور پہ ایک مضمون، नासेदेव

ایک کتاب[۲۵] کا ترجمہ جو تمام محسوسات اور مدرکات پر مشتمل ہے،

مساوات[۲۶] کی تنصیف[۲۷] کی وجہ کے متعلق ایک رسالہ، موافق رائے برہمہ سدھانتا،

اخیر اخیر میں **اکبر شاہ** کی بدولت سنسکرت کی تصنیفات نے زیادہ تر مسلمانوں میں رواج پایا، اکبر کو ہندوؤں کی طرف جو میلان تھا وہ عام طور سے مشہور رہے، اس نے اپنے دربار میں بڑے بڑے قابل اور نامور پنڈتوں کو جمع کیا تھا، ابوالفضل نے آئین اکبری میں جہان دانش اندوزِ دولت کی فہرست دی ہے، ہندو علما میں سے حسب ذیل نام شمار کئے ہیں،

مہادیو، بھیم ناتھ، بابا بلاس، نرائن، سیوجی، مادھو، رام بھدر، سرجی بھٹ، مادھو سر[۲۸] جدروپ، بشن ناتھ، مدسودن، رام کشن، نارائن اسرم، بلبھدر مصر، ہرجی سور، باسدیو مصر، داموردر بھٹ، باہن بھٹ، رام تیرتھ، بدھ نواس، نرسنگھ، گوری ناتھ، برم اندر، گوپی ناتھ، بجے سین سور، کشن پنڈت، نہال چند، بھٹاچارج، کاشی ناتھ،

اکبر نے اپنے اہتمام سے بہت سی کتابوں کے ترجمے کرائے، دیوی برہمن اور

---

[۱] بیرونی کی کتاب آلآثار الباقیہ جو یورپ میں چھاپی گئی ہے، اس کے اخیر میں خود بیرونی کی لکھی ہوئی ایک فہرست شامل ہے جسمیں اس نے اپنی تمام تصنیفات کی تفصیل لکھی ہے، کتاب الہند میں بھی جابجا اپنی تصنیفات اور ترجموں کا ذکر کیا ہے، میں نے اس مقام پہ جن ترجموں کی فہرست دی ہے، انہی دونوں کتابوں سے ماخوذ ہے،

عبد القادر بدایونی و شیخ سلطان تھانیسری و نقیب خان کی شرکت سے **مہابھارت** کا فارسی میں ترجمہ ہوا، اکبر نے اس ترجمہ کا نام **رزم نامہ** رکھا؛ اور تمام معرکوں کی تصویریں بنوا کر اس میں شامل کیں، مذکورۂ بالا فضلا نے رامائن کا بھی ترجمہ کیا، اور اس میں بھی تصویریں بنوائی گئیں، **اتھرون وید** جو چوتھا وید ہے اس کا ترجمہ حاجی ابراہیم سرہندی نے کیا، اور اس ترجمہ کا قلمی نسخہ ہمارے کالج کے کتبخانہ میں موجود ہے، **لیلاوتی** جو فن حساب کی مشہور کتاب ہے، اس کا ترجمہ فیضی نے کیا **تاجک** جو علم نجوم میں ایک معتبر تصنیف ہے، اکمل خان گجراتی نے اس کو فارسی قالب پہنایا، **کنہیاجی** کے حالات میں ہربنس ایک کتاب ہے، مولانا شیری نے اس کا ترجمہ کیا، نل اور دمن کا قصہ جو ایک پر درد ناول ہے، فیضی نے اس کو مثنوی کا لباس پہنایا[1]،

اکبر نے سنسکرت کے سرمایہ میں بھی اضافہ کیا، یعنی عربی و فارسی کی کتابیں سنسکرت میں ترجمہ کرائیں، چنانچہ زیچ میرزائی کا ترجمہ سنسکرت میں کیا گیا، جس کے ترجمہ میں فتح اللہ شیرازی، ابوالفضل، کشن جوتشی، گنگا دھر، مہیش، مہانند، یہ سب فضلا شریک تھے،

ہر قسم کے علوم و فنون کے متعلق سنسکرت کی تصنیفات جو فارسی اور عربی میں ترجمہ ہوئیں، ان کا اگر استقصا کیا جائے، تو ایک مستقل رسالہ لکھنا پڑے گا، اور شاید میں اس محنت کو گوارا کرتا، لیکن بڑی دقت یہ ہے کہ عربی لب و لہجہ نے ناموں میں اس قدر تغیر پیدا کر دیا ہے کہ اکثر کتابوں اور مصنفوں کے صحیح نام دریافت نہیں ہو سکتے، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبار میں لکھا ہے کہ کنکتہ ہندوستان کا سب سے نامور طبیب و حکیم تھا؛ اور اس کی حسب ذیل تصنیفات ہیں (یعنی جو عربی میں ترجمہ کی گئیں)

---

[1] ابوالفضل نے ان تمام واقعات کو آئین اکبری میں آئین تصویر خانہ کے ذیل میں لکھا ہے،

کتاب النمودار فی الاعمار، اسرار المو الید، القرانات الکبیر، القرانات الصغیر، کتاب اش، کتاب فی التوہم، کتاب فی احداث العالم والدور فی القران، کنکہ کی جن کتابوں کا نام ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے، بے شبہہ عربی میں موجود ہیں لیکن ہم کو خود کنکہ کا پتہ نہیں چلتا کہ اس کا اصلی نام سنسکرت تلفظ میں کیا ہے،

علامۂ مذکور نے ہندوستان کے اور حکماء کے نام لکھے ہیں یعنی باکھر، راجہ، سکھ، داہر، رنگل، جہر، اندی، جاری اور لکھا ہے کہ ان حکماء کی اکثر تصنیفات عربی میں ترجمہ کی گئیں لیکن ہم اُن ناموں کی صحت نہیں کرسکتے،

طبی تصنیفات میں صحیح تلفظ کے ساتھ ہم کو صرف دو تصنیفوں کا پتہ لگتا ہے، ایک چرک کی کتاب جو آج سے پانچہزار برس پہلے نہایت مشہور طبیب تھا، اور جس کو ہندو بہت بڑا رشی مانتے تھے، یہ کتاب پہلے فارسی میں ترجمہ کی گئی، پھر عبداللہ بن علی نے فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا، دوسری **ششرت** (सुश्रुत) کی کتاب جو دس بابوں میں ہے، اس کتاب کا ترجمہ یحییٰ بن خالد کے حکم سے کیا گیا،

ناموں کی صحت سے مایوس ہو کر ہم ایک اجمالی نقشہ مورخین عرب کی تصریحات کے موافق اس موقع پر درج کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوگا کہ ہر علم و فن کے متعلق سنسکرت کی کون کون سی تصنیفات عربی میں ترجمہ کی گئیں[1]، ان میں بیرونی وغیرہ کے وہ ترجمے داخل نہیں جن کا ذکر اوپر گذر چکا،

---

[1] یہ فہرست یا نقشہ کتب ذیل سے ماخوذ ہے،

طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۳۲ و ۳۳ و کتاب الفہرست صفحہ ۲۷۰ و ۳۰۵ و ۳۰۱ و تاریخ یعقوبی جلد اول صفحہ ۱۰۵،

کیفیت	نام کتاب
اس میں چار سو چار بیماریوں کا بیان ہے،	بدان
ابن دھن نے اس کا ترجمہ کیا،	شندہشان
یونانی اور ہندوستانی طب میں جو اختلافات ہیں اس کا بیان ہے،	فیما اختلف فیہ الہند والروم
دواؤں کا نام، اس کا ترجمہ منکہ نے اسحق بن سلیمان کے لئے کیا تھا،	تفسیر اسماء العقاقیر
سانپوں کے اقسام اور اُن کے زہر کا بیان،	رای کی کتاب
ابن دھن نے اس کا ترجمہ کیا،	استانکر کی کتاب
	حاملہ عورتوں کا علاج
اس میں سو بیماریوں اور سو علاجوں کا بیان ہے،	توقشتل کی کتاب
عورتوں کے علاج ہیں،	روسا کی کتاب
	کتاب السکر
تاکشتل کی تصنیف ہے،	کتاب التوہم والامراض
شاناق کی تصنیف ہے اور زہروں کا بیان ہے، اس کتاب کا ترجمہ اول فارسی میں ابو حاتم بلخی نے منکہ کی مدد سے کیا، پھر مامون کے حکم سے عباس بن سعید نے کیا،	کتاب السموم
جانوروں کا علاج،	کتاب البیطرۃ
شاناق ہندی کی تصنیف ہے،	کتاب فی النجوم
جودر کی تصنیف ہے،	کتاب المو الید

کیفیت	نام کتاب
منطق میں ہے،	توفا
یونانی اور ہندوستانی فلسفہ کے اختلافات،	ماتفاوت فیہ فلاسفۃ الہند والروم
سندباد کا قصہ جو الف لیلہ میں شامل ہے در اصل سنسکرت سے ماخوذ ہے،	سندباد
	بوداسپ وبلوہر

ان کتابوں کے علاوہ ابن الندیم نے اور بہت سی کتابوں کے نام لکھے ہیں، مثلاً کتاب البلد، کتاب ادب الہند والصین، کتاب دیک الہندی، کتاب سادیرم، کتاب ملک الہند، کتاب الاشربۃ، کتاب بیدپا وغیرہ وغیرہ، لیکن مبہم اور غیر صحیح التلفظ نام لکھنے میں عاجز آگیا ہوں،

(از رسائل شبلی)

مطبوعہ ۱۸۹۸ء

کتب خانۂ اسکندریہ

منجملہ اُن افسوسناک غلطیوں کے جو یورپ میں اسلامی تاریخ کے متعلق کسی زمانہ میں پیدا ہو گئی تھیں اور اب تک قائم ہیں، ایک یہ واقعہ بھی ہے،

اگرچہ ایک زمانۂ دراز سے یورپ کو مسلمانوں کے حالات سے واقف ہونے کے ذریعے حاصل ہیں، لیکن موجودہ علم تاریخ کی ابتدا جس دور سے شروع ہوتی ہے وہ کروسیڈ یعنی صلیبی لڑائیاں ہیں، اس زمانہ میں یورپ نے مسلمانوں کو جس حیثیت سے جانا اور پہچانا وہ صرف یہ حیثیت تھی کہ مسلمان جنگجو ہیں، غارت گر ہیں، وحشی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مقدس صلیب اور عیسائیوں کے قبلہ (بیت المقدس) کے دشمن ہیں،

یہی زمانہ یورپ کے عہدِ ظلمت سے نکلنے کا بھی ہے، کیونکہ جیسا کہ اکثر مورخوں نے تصریح کی ہے، یورپ کی علمی اور تمدنی ترقی کی ابتدا اسی زمانہ سے ہوئی،

اس زمانہ میں یورپ میں مسلمانوں کے متعلق عجیب عجیب روایتیں پیدا ہو گئیں، اور واقعات موجودہ کے لحاظ سے ایسا ہونا ضرور تھا، اس زمانہ میں مسلمانوں کے مذہب، اخلاق، معاشرت، تمدن کے متعلق یورپ میں جو غلط اور بے سروپا روایتیں پیدا ہوئیں، وہ رفتہ رفتہ اس قدر شہرت پکڑ گئیں کہ ضرب المثل کے طور پر عام و خاص کی زبانوں پر جاری ہو گئیں، اور جب تصنیف و تالیف کا زمانہ شروع ہوا تو تاریخوں، حکایتوں، ناولوں بلکہ فلسفہ کی کتابوں میں بھی بکثرت سے اُن کا استعمال ہونے لگا، لیکن جو یورپ میں فلسفۂ حال کا بانی

خیال کیا جاتا ہے، اُس نے مضامین کا ایک مجموعہ لکھا ہے جس کا نام (Bacons Essays)
ہے، وہ ایک مضمون میں جرات اور دلیری کی مثال میں لکھتا ہے کہ

"محمدؐ ایک دن لوگوں کو اپنی نبوت کا یقین دلا رہے تھے، چنانچہ حاضرین سے کہا کہ اس پہاڑ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ تجھکو محمدؐ نے طلب کیا ہے، لوگ گئے اور یہ پیغام سنایا، پہاڑ اپنی جگہ سے کیونکر حرکت کر سکتا تھا، محمدؐ نے یہ دیکھ کر بجائے اس کے کہ شرمندہ ہوتے نہایت اطمینان اور جرات سے کہا کہ کچھ پرواہ نہیں، اگر پہاڑ محمدؐ کے پاس نہیں آتا تو محمدؐ خود پہاڑ کے پاس جا سکتا ہے"

بیکن کوئی مورخ نہ تھا اور نہ اپنے خیال میں یہ واقعہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر کی غرض سے لکھا ہے۔ بلکہ جرات اور حوصلہ مندی کی تعریف کرتے کرتے یہ مثال پیش کی ہے، لیکن چونکہ اس زمانہ میں اس قسم کی روایتیں یورپ کی آب وہوا میں سرایت کر گئی تھیں، اس لئے عام وخاص سب بے تکلف اصولِ موضوعہ کے طور پر ان کو استعمال کرتے تھے، اور صحیح سمجھتے تھے،

سو ڈیڑھ سو برس سے یورپ زیادہ تحقیقات پر مائل ہوا ہے، اور اس قسم کی روایتوں کی غلطی روز بروز کھلتی جاتی ہے، یہاں تک کہ یورپ کے نامور مورخ ان روایتوں کی نسبت تسلیم کرتے جاتے ہیں کہ وہ یورپ کے لئے شرم کی باعث ہیں، مسٹر کارلائل اپنی کتاب لکچر آن دی ہیروز میں لکھتے ہیں کہ "جو جھوٹ باتیں دور اندیش اور مذہبی سرگرمی رکھنے والے آدمیوں نے اس انسان (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت قائم کی تھیں، اب وہ الزام قطعاً ہماری روسیاہی کے باعث ہیں" کارلائل صاحب نے یہ لکچر چونکہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت لکھا ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص کی' ورنہ یورپ میں

اس قسم کی جھوٹ باتیں عام طور پر اسلام اور تاریخ اسلام کے متعلق شائع تھیں، موجودہ تحقیقات نے اگرچہ ان غلطیوں کو کم کر دیا ہے، لیکن مٹا نہیں دیا ہے، کیونکہ جو واقعات اس وسعت سے تمام قوم میں پھیل گئے تھے، اُن کی تحقیق پر مائل ہونا صرف اُن لوگوں کا کام ہے جن کے دلوں کو عام اجماع اور جمہوریت کا بوجھ دبا نہیں سکتا، و قلیل ماھم،

اس کے علاوہ ایک خاص سبب یہ ہے کہ ہر قوم میں محققین کا دائرہ جمہور سے الگ ہوتا ہے، اور اگرچہ اعتبار کے قابل صرف وہ واقعات ہوتے ہیں جن کو محققین نے غور و تحقیق کے بعد تسلیم کیا ہو، لیکن اُن کی تحقیقات ایک خاص دائرہ تک محدود رہتی ہے، عام لوگوں میں اور عام تصنیفات میں اُن کو رواج نہیں ہوتا، یورپ میں جو نامور محقق ہیں اکثر اُن بیہودہ روایتوں کو غلط تسلیم کرتے جاتے ہیں جو اسلامی واقعات کے متعلق وہاں پیدا ہو گئی تھیں، چنانچہ گبن، کارلائل، گاڈفری، ہگنز، باسورتھ، رینان، سیدیو وغیرہ نے عموماً ان واقعات سے صاف انکار کیا ہے، لیکن عام تصنیفات اور عام روایتوں میں ان غلطیوں کا زور اب بھی کم نہیں ہوا،

اسی قسم کے واقعات میں اسکندریہ کے کتب خانہ کے جلائے جانے کا واقعہ بھی ہے، اس واقعہ کو یورپ نے جس بلند آہنگی سے مشہور کیا ہے، حقیقت میں وہ نہایت تعجب انگیز ہے، تاریخیں، ناولیں، حکایتیں، مثلیں، افسانے، قصہ طلب حوالے، روزمرہ کے محاورے! ایک چیز بھی اس صدا سے خالی نہیں، ادب اور لٹریچر کا تو کیا ذکر ہے، منطق و فلسفہ بھی اس کے اثر سے محروم نہ رہے، ایک سال[1] کلکتہ یونیورسٹی کے سوالات امتحان (ایف اے پرچہ علم منطق)، میں یہ سوال تھا کہ ذیل کے مغالطہ کو حل کرو، یعنی "کتابیں اگر قرآن کے موافق ہیں

[1] یعنی ۱۸۸۲ء،

تو ان کی کوئی ضرورت نہیں، اور مخالف ہیں تو اُن کو برباد کر دینا چاہیئے"
یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ یورپ کو کتب خانۂ اسکندریہ کے ساتھ اس قدر ہمدردی کیوں ہے؟ یہ مسلّم ہے کہ جس کتب خانہ کی نسبت بحث ہے عیسائیوں سے اس کو کچھ واسطہ نہیں، اس کو بادشاہانِ مصر نے قائم کیا تھا، جو بت پرست تھے، اور حضرت عیسیٰؑ سے بہت پہلے تھے، شاید یہ کہا جائے کہ یورپ کی عام قدردانی اور ہمدردی کا اثر ہے، لیکن اس حالت میں اسکندریہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ انہی ممالک میں اور بھی بہت بڑے بڑے کتب خانے برباد ہوئے، ان پر یورپ میں یہ شور وغل کہاں ہوا؟ اسکندر نے ایران کے کتبخانے جو برباد کئے، ان کی تشہیر کس نے کی؟ اسپین میں خود عیسائیوں نے مسلمانوں کی تمام علمی یادگاروں کو مٹادیا اور کئی لاکھ کتابیں برباد کر دیں، کس نے اس کا ماتم کیا؟ پھر کتبخانہ اسکندریہ کے ساتھ یہ خاص ہمدردی کیوں ہے؟ حقیقت یہ ہے (جیسا کہ ہم آگے چل کر ثابت کریں گے) کہ اس کتبخانہ کو خود عیسائیوں نے برباد کیا تھا، اور بڑے بڑے پیشوایانِ مذہب اس کی بربادی میں شریک تھے، اس وقت تو یہ امر فخر کا باعث تھا، لیکن جب کسی قدر تہذیب و شائستگی کا زمانہ آیا تو یورپ نے دیکھا کہ اس کے دامن پر یہ بہت بڑا بدنما داغ ہے، اس کے مٹانے کی اس کے سوائے اور کوئی تدبیر نہ تھی کہ یہ الزام کسی دوسری قوم کے سر منڈھا جائے، مسلمانوں نے جب مصر و اسکندریہ فتح کیا تو کتب خانۂ مذکور کا وہاں نام و نشان نہ تھا، متعصب عیسائیوں نے اس گمشدگی کو فاتحانِ اسلام کی طرف منسوب کر دیا، اور چونکہ اس زمانہ میں تمام یورپ تعصب سے لبریز تھا اور کسی قسم کی علمی ترقی کا اثر نہ تھا، اس لئے کسی نے غور و تحقیق کی پروانہ کی، اور نہایت تیزی سے یہ روایت

تمام یورپ میں پھیل گئی، یورپ نے اس ہمدردی سے اس واقعہ کا ماتم کیا کہ گویا وہ انہی کا خاص کتب خانہ تھا، چنانچہ عوام کا آج تک یہی خیال ہے، اس عام شہرت نے یہ بڑا فائدہ دیا کہ عیسائیوں کی طرف اس الزام کے منسوب کرنے کا کسی کو خیال بھی نہ آیا کیونکہ ظاہرًا یہ ایک بدیہی بات ہے کہ کوئی قوم اپنا سرمایہ آپ نہیں برباد کر سکتی،

اب اس فرضی واقعہ کو جس کی صدا سے کسی زمانہ میں تمام یورپ گونج رہا تھا، تحقیق کرو کہ اس کی اصل کیا ہے، افسوس کچھ بھی نہیں!!! لیکن یہاں ایک سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے، کہ ایک فرضی واقعہ کا اتنی مدت تک تمام ممالک یورپ میں اس طرح مشہور و مسلّم رہنا کیونکر ممکن ہے؟ یہ سوال بظاہر مشکل ہے، لیکن اس کا جواب بہت آسان ہے، یورپ کے عہدِ ظلمت میں تو اس شہرت پر کچھ تعجب نہیں، اس وقت ایسی اور بھی سیکڑوں بیہودہ روایتیں شائع تھیں، اور عمومًا تسلیم کی جاتی تھیں، جیسا کہ ہم اس مضمون کے شروع میں لکھ آئے ہیں، تہذیب و ترقی کے زمانہ سے اس پر بحثیں شروع ہوئیں، اور بڑے بڑے نامور مصنفین نے اس کی صحت سے انکار کیا، البتہ یہ تعجب ہے کہ اب بھی کچھ لوگ اس کی صحت کے قائل ہیں، حالانکہ اس کے بطلان کا قطعی فیصلہ ہو جانا چاہیے تھا،

لیکن اس کی دو وجہیں ہیں، اوّل تو یہ کہ تہذیب و ترقی کے زمانہ میں بھی جاہلیت کے آثار بالکل فنا نہیں ہو جاتے اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے، دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ تاریخی واقعات کے متعلق یورپ کا جو طرز بحث ہے، وہ (اکثر) کسی پہلو کا قطعی فیصلہ نہیں ہونے دیتا، اصل روایت کو چھوڑ کر درایت و قیاسات پر بحثیں شروع ہو جاتی ہیں، اور بہت سی فروعی باتیں بحث طلب قرار پا جاتی ہیں، رفتہ رفتہ ایک بڑا سلسلہ تیار ہو جاتا ہے، اور اصل بحث غیر منفصل رہ جاتی ہے، اس مسئلہ میں بھی ایسا ہی ہوا چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے،

یورپ میں ایک مدت سے یہ مسئلہ زیر بحث ہے اور اکثر مصنفون نے اس کے متعلق مستقل مضامین لکھے، مسلمانوں کے متعلق جو عام تاریخیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی اکثر اس کا ذکر آجاتا ہے، اور مصنفین اس روایت کے نقل کرنے کے بعد اپنی خاص رائے (موافق یا مخالف) بیان کرتے ہیں، اس قسم کی جس قدر تحریریں ہماری نظر سے گذریں اجمالاً ان کا ذکر کرنا مناسب ہوگا، کیونکہ ہمارے مضمون میں اکثر جابجا ان کے حوالے آئیں گے، اسی لحاظ سے ہم ان کتابوں کے مقامات بقید صفحات و اڈیشن لکھتے ہیں،

سب سے پہلے مسٹر گبن نے جو ۱۷۹۴ء میں فوت ہوا اس واقعہ سے انکار کیا، اور اپنی تاریخ رومن امپائر حصہ مسلمانان فتح اسکندریہ کے بیان میں اس کے متعلق مختصر مگر محققانہ ریمارک کیا،

پروفیسر وائٹ نے اس کے ثبوت میں ایک مستقل آرٹیکل لکھا، (دیکھو)

Aegyptiuca or Observation certain antiquities of Egypt by J. White D. D. Professor of Arabic in The university of Oxford 1801- وہائٹ

Successors of Mohammad by Washington Irving P 113 Printed by Bell & Sons London واشنگٹن اروِنگ

The Saracens Second Edition Page 254 Story of nation Series edited 1889. آرتھر گلمین ایم، اے،

History of Arabia Ancient and modern vol 1 Page 393. by Andrew Crichton مسٹر کرچٹن

History of The conflict between religion and-

Science 20th Edition London 1887 Page 104 &

103 by Draper L. L. D. Professor New York College America

ڈریپر

اسپکٹیٹر جو لندن کا مشہور اخبار ہے، اس میں متعدد مباحثے اس کے متعلق شائع ہوئے، جن میں سے بعض موافق تھے اور بعض مخالف،

(دیکھو اسپکٹیٹر پرچہائے ۲ جون ۱۸۸۰ء اور ۲۳ جون ۱۸۸۰ء)

برٹش انسائیکلوپیڈیا ذکر اسکندریہ،

سیو سیدیو نے جو فرانس کا مشہور عالم ہے، اور جس نے اسلام کی نہایت جامع اور مفید تاریخ لکھی ہے، اس پر مورخانہ نکتہ چینی کی، (دیکھو

Histoire Genarale Des Arabes Par L. A. Seddillot Tom Paris 1877 P. 155.

پروفیسر ڈیسایسی فرانس کے مشہور عربی دان نے اس واقعہ کے متعلق مفصل بحث لکھی، دیکھو پروفیسر ڈیسایسی (De sacy) کا ترجمہ و نوٹ کتاب عبد اللطیف بغدادی مطبوعہ پیرس ۱۸۱۰ء صفحہ ۲۴۰،

سب سے زیادہ جامع اور مفصل وہ آرٹیکل ہے، جو مسٹر کریل جرمنی نے اورینٹل کانفرنس میں پیش کیا، یورپ میں دس پندرہ برس سے ایک کانگریس قائم ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ ایشیا کی تاریخ کے متعلق نادر اور مفید تحقیقات بہم پہنچائے، اس کانگریس کا چوتھا اجلاس ستمبر ۱۸۷۸ء میں بمقام فلارنس منعقد ہوا تھا، اس کے ایک اجلاس میں مسٹر کریل نے جو جرمنی کے مشہور عربی دان عالم ہیں اس بحث پر جرمن زبان میں ایک رسالہ پیش کیا، جو کانگریس کی رپورٹ

کے ساتھ شائع ہوا ہے، چنانچہ اس رسالہ کا ترجمہ بعینہ اس مضمون کے اخیر میں ضمیمہ کے طور پر شامل ہے،

اس مقام پر مجھ کو یہ بھی ظاہر کر دینا ضرور ہے کہ مسٹر کریل کے مضمون کا ترجمہ میری درخواست کے موافق میرے معزز دوست نہیں بلکہ میرے مخدوم شمس العلماء مولانا سید علی بلگرامی جیا جولسٹ بی اے، بی، ایل انسپکٹر جنرل معدنیات حیدر آباد دکن نے کیا ہے، جو واقفیتِ السنۂ مختلفہ کے لحاظ سے ہمارے زمانہ کے فارابی و کندی ہیں، فرنچ تصنیفات کے متعلق مجھ کو مجبوراً لکھنا پڑتا ہے کہ میں نے ٹوٹی پھوٹی فرنچ سیکھ لی ہے، اور اس لئے ان سے متمتع ہونا میرے لئے چنداں دشوار نہ تھا،

مقدم اور ضروری بحث

اس روایت کے متعلق سب سے مقدم اور ضروری بحث یہ ہے کہ اس کا اصلی مخرج یورپین تاریخیں ہیں، یا عربی تاریخیں؟ یہ سوال اگرچہ نہایت ضروری سوال ہے، لیکن بحث طلب نہیں، کیونکہ مخالف و موافق دونوں نے اس سوال کا یکساں جواب دیا ہے، یورپ کے عام مورخین موافق ہوں یا مخالف، اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ اُن کے پاس اس روایت کا کوئی مخرج نہیں ہے، اور وہ اس مرحلہ میں صرف عربی تاریخوں کے دست نگر ہیں، لیکن اس بات کے ثابت کرنے سے پہلے ہم بتانا چاہتے ہیں کہ یورپ میں یہ قصہ کیوں کر مشہور ہوا، اور کس ذریعہ سے،

یورپ میں اول اول اس واقعہ کو ابو الفرج نے مشہور کیا،

سب سے پہلے جس نے یورپ میں اس واقعہ کو مشہور کیا وہ ابو الفرج ہے، اس کی مختصر سی لائف یہ ہے کہ وہ ایک یہودی طبیب ہارون نامی کا بیٹا تھا، اور شہر میلٹن میں سنہ ۱۲۲۶ء میں پیدا ہوا، چونکہ اس کا باپ ترکِ مذہب کر کے عیسائی ہو چکا تھا، اس لئے ابو الفرج نے شروع ہی سے عیسائی مذہب کی تعلیم پائی، اس نے اپنے مذہبی علوم کے علاوہ عربی و سریانی

ابوالفرج کی مختصر لائف

زبان میں نہایت کمال پیدا کیا، اور اپنی لیاقت کی وجہ سے اکیس ہی سال کی عمر میں گویا کا بشپ مقرر ہوا اور رفتہ رفتہ ماقریان کے درجہ تک ترقی کی جس کے بعد صرف بطریق یعنی پٹریارک کا رتبہ باقی رہ جاتا ہے، ابو الفرج نے سُریانی زبان میں ایک نہایت بسیط تاریخ لکھی، جس کا ماخذ سریانی، عربی، فارسی اور یونانی کتابیں تھیں، اس بڑی کتاب کا اس نے عربی زبان میں ایک خلاصہ لکھا، جس کا نام مختصر الدول ہے، اور جس کو ڈاکٹر پوکاک پروفیسر آکسفورڈ کالج نے ۱۶۶۳ء میں لاٹن ترجمہ کے ساتھ چھاپا، اس خلاصہ کے مختلف نسخے ہیں، اور سب نامکمل ہیں، اور بعض واقعات اصل سریانی کتاب سے زائد ہیں یہ امر مشتبہ ہے کہ یہ زائد واقعات خود ابو الفرج نے بڑھائے یا کسی اور نے الحاق کئے،

یہی خلاصہ ہے جس میں سب سے اول اسکندریہ کے کتب خانہ جلائے جانے کے واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے، اور اسی کے لاٹن ترجمہ کے ذریعہ سے تمام یورپ میں یہ روایت پہنچی،

مسٹر گبن اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ جب سے ابو الفرج کی تاریخ لاٹن میں ترجمہ ہو کر دنیا میں شائع ہوئی یہ قصہ بار بار منقول ہوا ہے" ڈاسنگٹن ارونگ و آرتھر گلیمن ایم اے و مسٹر کرچٹن اور بہت سے یورپین مصنفین نے صاف تصریح کی ہے کہ یورپ میں یہ روایت ابو الفرج کے ذریعہ سے پہنچی، یہ زمانہ یورپ کے نہایت تعصب اور جہالت کا زمانہ تھا، اور اسی لئے وہاں مسلمانوں کے متعلق تمام اس قسم کی روایتیں صحیح ہوں یا غلط فوراً قبول کر لی جاتی تھیں، جن سے مسلمانوں کی نسبت نفرت انگیز خیالات پیدا ہوں، غرض یورپ کے ہر حصہ میں یہ واقعہ مشہور ہو گیا، اور نہایت تیزی سے وہ یورپین لٹریچر کا عنصر بن گیا، اس واقعہ کو جس عبارت میں ابو الفرج[1] نے لکھا ہے اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے،

[1] دیکھو تاریخ مختصر الدول مصنفہ ابو الفرج مطبوعہ لندن ۱۶۶۳ء ص ۱۸۰، ۱۸۱،

"اور اس زمانہ میں عربوں میں یحیٰی نحوی جو ہماری زبان میں غراماطیقوس کے لقب سے ملقب ہے مشہور ہوا، وہ اسکندریہ کا رہنے والا تھا، اور یعقوبی عیسائیوں کا عقیدہ رکھتا تھا، اور ساوری کے عقیدہ کی تائید کرتا تھا، پھر عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث سے منکر ہوا، اس پر مصر میں تمام پادری جمع ہوئے اور اس سے درخواست کی کہ اس عقیدہ سے باز آئے، اس نے نہ مانا، اس پر پادریوں نے اس کا رتبہ گھٹا دیا، وہ بہت دنوں تک زندہ رہا، یہاں تک کہ عمروؓ بن العاص نے اسکندریہ کو فتح کیا، وہ (حضرت) عمروؓ کے پاس حاضر ہوا، (حضرت) عمروؓ اس کی لیاقت سے واقف ہو چکا تھا، اس لئے اس نے اس کی بہت عزت کی اور اس سے وہ فلسفیانہ بحثیں سنیں جس سے اہل عرب کبھی آشنا نہ تھے، حضرت عمروؓ کے دل پر ان بحثوں نے بہت اثر کیا، اور وہ اس پر فریفتہ ہو گیا، (حضرت) عمروؓ عاقل، خوش فہم، صحیح الفکر شخص تھا، اسی لئے اس نے یحیٰی کی صحبت کو لازم پکڑ لیا اور اس کو اپنے پاس سے جدا نہ کرتا تھا،

ایک دن یحیٰی نے (حضرت) عمروؓ سے کہا کہ اسکندریہ کی تمام قسم کی چیزوں پر آپ قابض ہیں، جو جو چیزیں کہ آپ کے کام کی ہیں میں ان سے تعرض کرنا نہیں چاہتا، لیکن جو چیزیں آپ کے کام کی نہیں اس کے تو ہمیں لوگ زیادہ مستحق ہیں، (حضرت) عمروؓ نے کہا تم کو کیا درکار ہے، یحیٰی نے کہا فلسفہ کی وہ کتابیں جو شاہی کتب خانوں میں ہیں (حضرت) عمروؓ نے کہا اس امر کی نسبت میں امیر المومنین (حضرت) عمرؓ بن الخطاب کی اجازت کے بغیر کوئی حکم نہیں دے سکتا، (حضرت) عمروؓ نے یحیٰی کی درخواست کی اطلاع (حضرت) عمرؓ بن الخطاب کو دی، وہاں سے جواب آیا کہ جن کتابوں کا تم نے ذکر کیا ہے اگر وہ خدا کی کتاب کے موافق ہیں، تو خدا کی کتاب کے ہوتے اُن کی کوئی ضرورت نہیں، اور اگر اُن کے مضامین خدا کی کتاب کے مخالف ہیں تو تم ان کو برباد کر دو، (حضرت) عمروؓ بن العاصؓ نے ان کتابوں کو اسکندریہ کے حماموں میں تقسیم کرنا اور اُن کو

جلوانا شروع کیا، پس وہ چھ مہینے کی مدت میں جل کر تمام ہوئیں، سو جو کچھ ہوا اس کو سنو اور تعجب کرو،،

یہ واقعہ اسی طرح برابر تسلیم ہوتا آتا تھا، اور کسی کو اس کی نسبت تحقیق و تفتیش کا خیال تک نہ آیا، سب سے پہلے مشہور مورخ **گبن** نے جو تاریخ کے طرز خاص کا بانی ہے اس واقعہ کو تحقیق کی نگاہ سے دیکھا، اور لکھا کہ "میں اس واقعہ کی اصلیت اور اس کے نتائج دونوں کے انکار کی طرف مائل ہوں، (گبن نے اپنے انکار کی مختلف وجہیں قائم کیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ ابوالفرج واقعہ مجوث فیہ کے پانسو برس بعد پیدا ہوا، اور اس کے سوا اور کسی مورخ حتی کہ خود عیسائی مورخوں نے اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا، اس لئے ابو الفرج کی شہادت کیونکر معتبر ہو سکتی ہے، گبن کے اس انکار کے بعد یورپ خواب غفلت سے چونکا، اور متعدد علما، اس کی تحقیق میں مصروف ہوئے) اگرچہ گبن کے بعد اس واقعہ کے متعلق دو فریق موافق و مخالف قائم ہو گئے لیکن چونکہ اس قدر عموماً مسلّم تھا کہ پہلی صدی ہجری میں اسلام کے متعلق یورپ میں کوئی تصنیف نہیں لکھی گئی، اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اور خلفاے راشدین کے حالات میں آج تک یورپ میں جس قدر تاریخیں لکھی گئیں یا لکھی جارہی ہیں عموماً اسلامی تصنیفات سے ماخوذ ہیں، اس لئے خود اس فریق کو بھی جو اس واقعہ کو صحیح ثابت کرنا چاہتا ہے، عربی ہی تاریخوں کی طرف رجوع کرنا پڑا،

مسٹر کرنٹن جنھوں نے گبن کے انکار پر بہت غصہ ظاہر کیا، اپنی کتاب تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں "اگر یہ واقعہ صرف اس اجنبی شخص (ابو الفرج) کے بیان پر جس نے چھ سو برس کے بعد اس واقعہ کو تحریر کیا مبنی ہوتا تو ہم کو آرمینا کے مورخ (ابو الفرج) کے بیان کے تسلیم کرنے میں تامل ہوتا، لیکن یہ واقعہ صرف اس کی سند پر مبنی نہیں ہے، بلکہ برخلاف اس کے مقریزی اور

عبد اللطیف نے جنھوں نے مصر کی تاریخِ قدیم پر تصنیفات لکھی ہیں، اس واقعہ کو بیان کیا ہے، مسٹر کریل نے نہایت انصاف کے ساتھ علانیہ اس کا اعتراف کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ "جہاں تک مجھے یاد ہے، یہ واقعہ پہلے پہل عبد اللطیف کی تاریخ میں جو اس واقعہ کے پانسو برس بعد پیدا ہوا مذکور ہے"۔

اس امر کے طے ہو جانے کے بعد کہ اس واقعہ کا ماخذ جو کچھ ہے صرف عربی تاریخیں ہیں، ہم کو اس بحث کا فیصلہ کرنا نہایت آسان ہے، کیونکہ عرب کی تصنیفات سے واقف ہو جانیکا استحقاق یورپ کی بہ نسبت ہم کو زیادہ ہے، صاحب البیت ادریٰ بما فیہا "گھر کا حال گھر کا آدمی خوب جانتا ہے"۔

یورپین مصنفین جنھوں نے اس واقعہ کو ثابت کرنا چاہا ہے، سند میں عبد اللطیف بغدادی، مقریزی، حاجی خلیفہ کا نام لیا ہے، اور کہا ہے کہ "یہ مورخین نہایت معتبر ہیں، اور ان کی شہادت سے انکار نہیں کیا جاسکتا"، میں نے جہاں تک دیکھا اور پڑھا یورپینے ہمیشہ انہی مورخین کا نام لیا ہے، ایک ناواقف انگریز نے ابن خلدون کا بھی حوالہ دیا ہے، اور جھوٹ سے شرم نہ کر کے لکھا ہے کہ "ابن خلدون نے حضرت عمرؓ کے حالات میں یہ روایت بیان کی ہے"، لیکن ابن خلدون کی تاریخ ایک عام اور مشہور کتاب حضرت عمرؓ کی تمام تاریخ میں اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی مذکور نہیں، غرض ابن خلدون کے علٰحدہ کرنے کے بعد صرف تین مذکورۂ بالا مصنفین پر اس روایت کا مدار رہجاتا ہے، اب ہم مورخانہ اصول سے اس روایت کی تحقیق پر متوجہ ہوتے ہیں، جس کے ذیل میں ہم یہ بھی دکھائیں گے کہ یورپین مورخین نے ان مصنفوں سے استناد کرنے میں کس قدر تدلیس اور فریب سے کام لیا ہے،

واقعاتِ تاریخی کے ثابت کرنے کے دو طریقے ہیں، روایت، درایت،

روایت سے یہ مطلب ہو کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے، اس کی سند اس شخص تک پہنچائی جائے، جو خود اس واقعہ میں موجود رہا ہو، عرب کی تمام مستند تاریخیں اسی اصول پر لکھی گئی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ان میں اخبرنا وحدثنا کے ذریعہ سے سند کا تمام سلسلہ مذکور کیا جاتا ہے، اور ان تمام راویوں کا نام لیا جاتا ہے جن کے ذریعہ سے واقعہ کی سند اس شخص تک پہنچتی ہے جو خود اس واقعہ میں شریک تھا، چوتھی صدی تک اسلامی تاریخوں کا یہی طرز رہا، اور گو زمانہ مابعد میں اس کا رواج کم ہو چلا، لیکن گذشتہ تین صدیون کے واقعات میں اب تک اس کا لحاظ ہے، یعنی اس زمانہ کے انہی واقعات کا اعتبار کیا جاتا ہے جو سلسلۂ سند کے ساتھ ثابت ہوں،

درایت سے یہ غرض ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے، اس پر اس لحاظ سے غور کیا جائے کہ وہ طبیعتِ انسانی کے اقتضاء، زمانہ کی خصوصیتوں، منسوب الیہ کے حالات، اور اس قسم کے اور قرائن کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے یا نہیں، اگر وہ واقعہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو اس کی صحت مشتبہ ہو گی، یعنی احتمال ہو گا کہ روایت کے تغیرات نے واقعہ کی صورت بدل دی ہے،

اس واقعہ کی تحقیق میں بھی ہم کو انہی دو اصول سے کام لینا چاہیئے،

چونکہ اس بحث میں مقدمہ کے دو فریقوں میں سے ایک نافی اور دوسرا مثبت ہے اور چونکہ اس قسم کے مقدمات میں بارِ ثبوت ہمیشہ اس فریق پر ہوتا ہے جو ثبوت کا مدعی ہے، اس لئے اول ہم کو ان شہادتوں پر غور کرنا چاہیئے جو واقعہ کے اثبات میں پیش کی جاتی ہیں، ہم کو جہاں تک معلوم ہے (اور ہم دعوی کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی شخص اس بحث میں اس سے زیادہ ثابت نہیں کر سکتا) یورپ کے تمام مصنفین جو اس دعوی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، ان کی دلیل روایت کی حیثیت سے صرف اس قدر ہے کہ "اس واقعہ کو عبد اللطیف بغدادی، مقریزی، حاجی خلیفہ

نے بیان کیا ہے" اب امورِ تنقیح طلب یہ ہیں کہ کیا ان مصنفوں نے اس واقعہ کے متعلق ایسا کوئی بیان کیا ہے جو شہادت میں پیش ہو سکتا ہے؟ اور کیا اس واقعہ کے متعلق ان کی شہادت کافی ہے؟

یورپ کے مورخین نے جو اس واقعہ کے مدعی ہیں فریب آمیز طور پر بار بار عبد اللطیف مقریزی حاجی خلیفہ کا نام لیا ہے، اور جن کو انکار ہے وہ ان مصنفوں کی شہادت کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے، اور اس طریق بحث نے ان یورپین مورخوں کی فریب آمیزی پر پردہ ڈال رکھا ہے، کیونکہ بحث اس پر محدود ہو گئی کہ عبد اللطیف وغیرہ قابلِ سند ہیں یا نہیں، حالانکہ پہلے یہ تحقیق ضروری تھی کہ عبد اللطیف وغیرہ نے کوئی شہادت بھی دی ہے یا نہیں،

پہلی ضروری بحث یہ ہے کہ کیا ان تینوں مصنفوں کا بیان (جن کا بار بار نام لیا جاتا ہے) تین جدا اگانہ شہادتیں ہیں؟ مقریزی کی تاریخ مطبوعۂ مصر ہمارے پیشِ نظر ہے، اس نے جلد اول صفحہ ۱۵۱ میں عمود السواری کے بیان میں جو اسکندریہ کا ایک مشہور منارہ ہے، عمود السواری کے لفظ سے عنوان قائم کیا ہے اور حرف بہ حرف وہ عبارت نقل کر دی ہے جو اس مینار کے ذکر میں عبد اللطیف نے لکھی تھی، عبد اللطیف کی تحریر میں محض ضمنی طور پر اسکندریہ کے کتبخانہ کا ذکر آگیا تھا، چونکہ مقریزی نے حرف بہ حرف عبد اللطیف کی عبارت نقل کی ہے، اس لئے کتب خانہ کے متعلق جو عبارت ہے وہ بھی اسی طرح منقول ہو گئی ہے، اسی بنا پر موسیو لانگل نے جو فرانس کا مشہور عالم ہے مجبورانہ تسلیم کیا ہے کہ مقریزی کا بیان کوئی مستقل شہادت نہیں بلکہ صرف عبد اللطیف کے فقرے کی نقل ہے[1]، موسیو لانگل کتب خانہ اسکندریہ کی بحث میں ہمارے مخالف ہیں، لیکن ان کو مجبوراً یہ تسلیم کرنا پڑا ہے، جن یورپین مورخوں نے

[1] دیکھو پروفیسر ڈساسی کا نوٹ ترجمہ تاریخ عبد اللطیف بغدادی صفحہ ۲۴۰، مطبوعہ پیرس ۱۸۱۰ء،

مقریزی کی اصل کتاب نہیں دیکھی وہ ایمان بالغیب کے طور پر بار بار مقریزی کا نام لیتے ہیں، لیکن موسیو لاگل ایسا نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ اس نے مقریزی کی کتاب کو خود پڑھا تھا، مقریزی نے اسی کتاب میں اسکندریہ کی فتح کا حال نہایت تفصیل سے لکھا ہے، لیکن کتب خانہ کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ واقعہ مذکورہ کو تاریخی واقعات کی فہرست میں شمار نہیں کرتا،

مقریزی کے خارج ہونے کے بعد دو نام رہ جاتے ہیں، عبد اللطیف و حاجی خلیفہ،

حاجی خلیفہ کا ذکر اگرچہ اکثر یورپین مورخوں نے کیا ہے، لیکن اس کی خاص عبارت کا حوالہ نہیں دیا، کیونکہ اگر وہ ایسا کرتے تو ان کا دعویٰ غالباً کمزور ہو جاتا، ہم پروفیسر ڈساسی کے (جو ایک مشہور فرنچ مصنف ہیں، اور بڑے زور شور سے اس واقعہ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں) ممنون ہیں، جنھوں نے اس راز کو ظاہر کر دیا ہے، اور حاجی خلیفہ کی عبارت نقل کر دی ہے، جس کے اصلی الفاظ یہ ہیں،

فكانت العرب في صدر الاسلام	اہل عرب شروع اسلام میں تمام علوم
لا تعتني بشيء من العلوم الا بلغتها	میں سے بجز لغت و احکام شریعت و طب کے
ومعرفة احكام شريعتها وصناعة	کسی علم کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے، صرف یہ
الطب فانها كانت موجودة عند	علوم بوجہ عام حاجت کے بعض لوگوں کے
افراد منهم لحاجة الناس طرًّا اليها	پاس موجود تھے، اور اس کا یہ سبب تھا
وذلك منهم صونا لقواعد الاسلام	کہ چونکہ اسلام کے قواعد اور لوگوں کے
وعقائد اهله عن تطرق الخلل من	عقائد مضبوط اور راسخ نہیں ہو چکے تھے،
علوم الاوائل قبل الرسوخ والاحكام	اس لئے ڈر تھا کہ قدما کے علوم سے ان میں

حتی یروی انھم احرقوا ما وجدوا	خلل نہ پیدا ہو، یہاں تک کہ بیان کیا جاتا
من الکتب فی فتوحات البلاد،	ہے کہ ان لوگوں نے شہروں کے فتوحات
. . . .	میں جو کتابیں پائیں وہ جلا دیں،

اس عبارت میں اسکندریہ کا تو ذکر تک نہیں، عام طور پر کتابوں کے ..... جلانے کا ذکر کیا ہے، اور وہ بھی **یروی** کے لفظ سے جو ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک عامیانہ روایت ہے، اس عبارت کے طرز اور نظام سے ہرگز نہیں پایا جاتا کہ مصنف اس واقعہ کو واقعہ مسلّمہ قرار دیتا ہے، حاجی خلیفہ شروع زمانہ اسلام کی عدم اعتنا کا ذکر بیان کرتا ہے، اور اس کے ذیل میں ایک عامیانہ روایت کو اسی عامیانہ حیثیت سے ذکر کر جاتا ہے، اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جس طرح کوئی کہے کہ نپولین نے مصر میں اسلامی افسری کا دعویٰ کرنا چاہا، اور اس کے لئے بڑے جال پھیلائے یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ "اس نے جامعہ ازہر میں کلمۂ توحید پڑھا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی" یہ طرز بیان کا ایک عام طریقہ ہے کہ ایسے موقعوں پر ایک مقرر یا مضمون نگار ضعیف سی ضعیف روایت کا بھی ذکر کر جاتا ہے، غرض خاص کتب خانہ اسکندریہ کے جلائے جانے کا دعویٰ حاجی خلیفہ کی طرف منسوب کرنا ایسی تعجب انگیز جرأت ہے جو یورپین مورخوں کے سوا اور کسی سے نہیں ہو سکتی،

اب صرف **عبد اللطیف** بغدادی کی شہادت باقی رہ گئی، اور درحقیقت یورپین مورخوں کا اخیر سہارا یہی عبد اللطیف ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ عبد اللطیف نے مصر کی ایک تاریخ لکھی ہے جس کا نام کتاب الافادۃ والاعتبار فی المشاھدۃ والحوادث المعائنۃ بارض مصر ہے، یہ کتاب اس نے ۱ شعبان سنہ ۶۰۳ھ میں تمام کی، اور اس کا موضوع صرف وہ حالات و واقعات ہیں جو عبد اللطیف نے خود مصر میں مشاہدہ کئے، اس میں ایک موقع پر عمود السواری

کے لفظ سے ایک عنوان قائم کیا ہے، اس کے تمام حالات بیان کئے ہیں، اور لکھا ہے کہ اس ستون کے گرد چار سو اور چھوٹے چھوٹے ستون تھے، یہ حالات لکھتے لکھتے اخیر میں ضمناً یہ عبارت لکھی ہے،

ویذکر ان ھذا العمود من جملۃ عمدٍ	اور کہا جاتا ہے کہ یہ ستون منجملہ ان ستونوں
کانت تحمل رواق ارسطالیس	کے ہے جن پر وہ چھت قائم تھی جو ارسطو
الذی کان یدرس بہ الحکمۃ	کا رواق تھا، اور جہاں ارسطو حکمت کا درس
وان کان دار علم وفیہ خزانۃ	دیا کرتا تھا، اور یہ کہ وہ دار العلم تھا اور
کتب حرقہا عمرو بن العاصؓ	اسمیں وہ کتبخانہ تھا جس کو عمرو بن العاصؓ نے
باشارۃ عمر بن الخطاب،	عمر بن الخطاب کے اشارے سے جلا دیا،

اس عبارت سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ عبد اللطیف نے اس واقعہ کو کس حیثیت سے ذکر کیا ہے، عبد اللطیف کا یہ تمام قول **یذکر** کے تحت میں ہے، جس سے کسی طرح یہ ظاہر نہیں ہوسکتا کہ وہ اس مورخ کو مورخانہ حیثیت سے لکھتا ہے، یا اس کو تسلیم کرتا ہے، مسٹر کریل جرمن اپنے مضمون میں عبد اللطیف کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں " یہ بیان محض علی سبیل التذکرہ معلوم ہوتا ہے اور اس سے خاص کوئی غرض نہیں معلوم ہوتی، یہ کسی خاص اصل واقعہ کو یاد دلانا نہیں ہے، بلکہ محض ایک مشہور بات کا اعادہ کر دینا ہے، جس کو اس زمانہ کے سیاحوں نے بار بار کہا ہے، اور یہ من قبیل اسی قسم کی غیر معتبر اور خلافِ عقل بیانات کے ہے جو زمانۂ وسطیٰ کے سیاحوں میں بیت المقدس کے مقام کے بارہ میں مشہور رہتے ہیں،،

ایک مزے کی بات یہ ہے کہ عبد اللطیف نے چونکہ بازاری گپوں کا ذکر کیا، اس لئے

سلہ ایک نسخہ میں جو مصر میں چھپا ہے اور نہایت غلط چھپا ہے بجائے یذکر کے ادری کا لفظ ہے، اگر یہی نسخہ صحیح مان لیا جائے تو بھی یہ عبد اللطیف کی ذاتی رائے ہوگی،

اس جملہ میں جتنے واقعات بیان کئے اتفاق سے سب غلط تھے، نہ یہ مقام ارسطو کا رواق تھا، نہ ارسطو نے کبھی وہاں درس دیا! ایک مضمون نگار نے جس نے اسپکٹیٹر مورخہ ۱۳ رجون میں اس مضمون پر ایک بحث لکھی ہے، عبد اللطیف کے بیان کی غلطی پر عجیب لطف سے استدلال کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ کتب خانہ کا جلایا جانا تو ایک طرف عبد اللطیف نے اس کے ساتھ اور جو واقعات بیان کئے وہ کون سے سچ ہیں!!!

یہ ہے حقیقت ان سندوں اور روایتوں کی جن پر یورپین مورخوں نے چھاونی چھا رکھی ہے، ان مصنفون نے اس بحث میں جس قسم کی تدلیس سے کام لیا ہے حقیقت میں وہ نہایت تعجب انگیز ہے، عبد اللطیف وغیرہ کی جو اصل عبارتیں ہم نے نقل کی ہیں، ان سے ناظرین کو معلوم ہو سکتا ہے کہ مقریزی نے خود اس واقعہ کو نہیں بیان کیا، بلکہ عمود السواری کے ذکر میں عبد اللطیف کی عبارت نقل کردی ہے، جس میں ضمناً کتب خانہ کا بھی ذکر تھا، حاجی خلیفہ نے اسکندریہ کا نام تک نہیں لیا، البتہ عام طور پر کتب خانوں کا ذکر کیا ہے، اور وہ بھی بذکر کے تحت میں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کوئی مصدقہ روایت نہیں، لیکن یورپین مورخون نے عبد اللطیف وغیرہ کا نام ہمیشہ اس حیثیت سے لیا ہے کہ گویا انھوں نے اس واقعہ کی صحت کا دعویٰ کیا ہے اور اس پر کوئی مستقل مضمون لکھا ہے،

پروفیسر ڈیساسی نے اپنے نوٹ میں لکھا ہے کہ جو اعتراضات ابو الفرج کے بیان پر کئے جاتے ہیں، ان میں یہ نہایت قوی اعتراض خیال کیا جاتا ہے کہ عرب کے مورخ ایک ایسے عظیم واقعہ کے متعلق خاموش ہیں، اس کے بعد پروفیسر ڈساسی اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "لیکن اس اعتراض کا زور یقیناً عبد اللطیف اور مقریزی کی شہادت کے بعد گھٹ جاتا ہے" لطف یہ ہے کہ اسی عبارت کے بعد پروفیسر موصوف لکھتے ہیں کہ

"اگرچہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع حاصل ہے کہ مقریزی کا قول صرف عبد اللطیف کے فقرہ کی نقل ہے"

مسٹر کریمٹن لکھتے ہیں کہ "یہ واقعہ صرف سند مذکورۂ بالا (یعنی ابو الفرج کا بیان) پر مبنی نہین ہے، بلکہ برخلاف اس کے مقریزی اور عبد اللطیف نے جنھوں نے قدیم تاریخ مصر پر تصنیفات لکھیں اس واقعہ کا بیان کیا ہے"

پروفیسر وائٹ نہایت بلند آہنگی سے فرماتے ہیں کہ "ہم گبن کی منکرانہ دلیل کے مقابلہ مین دو عربی مورخوں کی اثباتی شہادت پیش کرنے کی جرأت کریں گے، جو ایسے مستند مصنف ہیں کہ ان کے مستند ہونے کی نسبت کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا، اور دونوں مذہب اسلام کے نہایت متعصب پیرو ہیں، اس سے عبد اللطیف و مقریزی کو مراد لیتا ہوں، جو اس واقعہ یعنی کتب خانہ کے جلانے کے ذکر ہی میں ہمزبان نہیں ہیں بلکہ ٹھیک اس مقام کا نشان دیتے ہیں، جہان کتب خانہ مذکور قائم تھا"

پروفیسر وائٹ نے اس موقع پر کس چالاکی سے کام لیا ہے، عبد اللطیف نے ایک ستون کے ذکر میں ضمناً افواہی طور پر اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، پروفیسر وائٹ اس کو اس قالب میں ڈھالتے ہیں، جس سے ایک ناواقف شخص کو یہ گمان ہوگا کہ عبد اللطیف نے مستقل طور پر اس واقعہ کو ثابت کرنا چاہا ہے، اور صرف اصل واقعہ کو ثابت نہیں کیا بلکہ واقعہ کا موقع و محل بھی متعین کر دیا؛

اگرچہ یورپ کے اکثر مورخین جو اس واقعہ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں صرف انھی تینون یعنی عبد اللطیف، مقریزی، حاجی خلیفہ پر استناد کا مدار رکھتا ہے، اور ہم نے اس موقع پر انہی مصنفون سے بحث کی ہے، بعض یورپین مصنفون نے تدلیس (مخفی فریب) کے میدان میں اور دو ن

سے بڑھ کر قدم رکھا ہے، اور فریب آمیز طور پر ظاہر کیا ہے کہ اس واقعہ کی تائید کے لئے اور بھی متعدد شہادتیں موجود ہیں، مسٹر گرفتن صاحب اپنی کتاب کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ "بیرن ڈساسی نے اپنے ایک لمبے نوٹ میں جو اس نے عبد اللطیف کے ترجمہ پر لکھا ہے، (مصر کا بیان صفحہ ۲۴۲) عربی مصنفون کی کتابوں سے مختلف شہادتیں جمع کی ہین، جو پیرس کے شاہی کتب خانہ مین موجود ہین، اور ان شہادتون سے ابو الفرج کا بیان قابلِ اعتبار ثابت ہوتا ہے لیکن مغرور گبن نے ان تصنیفات کو نہین دیکھا تھا،"

اس عبارت سے ایک ناواقف اور خصوصاً وہ جس کو یورپ مصنفون کے ساتھ عام خوش اعتقادی ہو، بالکل دھوکے مین آجائے گا، اور یقین کرے گا، کہ پیرس کے عظیم الشان کتب خانہ مین ضرور اس واقعہ کے متعلق بہت کچھ مادہ موجود ہوگا، اور نہ تمام یورپ مین ایسا غلط واقعہ کیونکر مشہور ہو سکتا تھا،

لیکن ہمارے ناظرین کو پیرس کے پر شوکت نام سے مرعوب نہ ہونا چاہیئے، اور ڈیساسی کا نوٹ اور وہ کتابین جن کا انھون نے حوالہ دیا ہے ہمارے سامنے ہین، بے شبہہ ڈیساسی نے اس واقعہ کو بڑے زور شور سے ثابت کرنا چاہا ہے لیکن افسوس ہے کہ جو زور اُن کی طبیعت مین ہے، وہ دلائل مین نہین، ہم اس موقع پر اُن کی پوری تحریر کا لفظی ترجمہ نقل کرتے ہین،

"ابو الفرج نے اپنی تاریخ خاندانِ عرب مین عمر رضا کے حکم سے کتب خانہ اسکندریہ کی بربادی کی نسبت جو واقعہ بیان کیا ہے، اس مین متعدد مشہور مصنفون نے شک کیا ہے، جو کچھ اس واقعہ پر لکھا گیا ہے، اس کے بیان کرنے اور اوس کی حیثیت کے اندازہ کرنے مین ایک بڑی بحث ضرور ہونی چاہیئے،

وہ دلیلین جن کی بنا پر یہ شکوک کئے گئے ہین، اس جرمن مباحثہ مین مل سکتی ہین جس کو

(Mch Rainhard) نے ۱۷۹۲ء میں بمقام (Gollingue) چھاپا تھا، اور
اُن ریمارکون مین جو اسکندریہ کے قدیم کتب خانون کے متعلق ہین جن کو کہ (M. de Saine
Croix) نے میگزین انسائیکلوپیڈیا، سال پنجم ص ۲۲۴ مین درج کیا ہے، موسیو لانگل (M.
Langles) اور وائیٹ (White) عام خیال کی حمایت کرتے ہین، لیکن ابوالفرج
کے مبالغہ آمیز بیان کو قبول نہین کرتے،

ابوالفرج کے بیان پر جو اعتراضات کیئے گئے ہین، اُن مین یہ اعتراض قوی خیال کیا
کیا گیا ہے کہ عرب کے مورخ ایک ایسے عظیم واقعہ کے متعلق خاموش ہین لیکن اس اعتراض
کا زور یقیناً عبداللطیف اور مقریزی کی شہادت کے بعد گھٹ جاتا ہے، اگرچہ لوگ یہ کہ سکتے
ہین کہ ظاہرا مقریزی کا وہ فقرہ جیسا کہ موسیو لانگل نے نشان دیا ہے، صرف عبداللطیف
کے فقرہ کی نقل ہے،

مین نہین چاہتا کہ ان ریمارکون سے جن کو کہ مین بیان کرون گا، ایک ایسے عالم مصنف
(موسیو لانگل مراد ہے) کے ساتھ میدانِ مبارزت مین آؤن، جس کی مین تہ دل سے نہایت عزت
اور محبت رکھتا ہون، لیکن مین نے چند اور نئی خاص سندین پیدا کی ہین، اور مین یقین کرتا ہون
کہ یہ واقعہ جس طرح کہ ابوالفرج نے بیان کیا ہے، گو اس مین ایسی تفصیلین ہین جو نکتہ چینی کی برداشت
نہین کر سکتین، تاہم یہ سچ ہے کہ وہ ایک تاریخی سچائی پر مبنی ہے، اور یہ کہ عربون نے جب یہ شہر
فتح کر لیا تھا، تو عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کے فرمان کے مطابق یہ حکم دیا تھا کہ ایک مجموعہ جس مین بہت
سی کتابین تھین، اور جو اسکندریہ مین تھا، آگ پر رکھ دیا جائے،

اس کے بعد پروفیسر ڈساسی نے حاجی خلیفہ اور مقدمہ ابن خلدون کی عبارت نقل کی ہے
اور ان سے کتب خانہ اسکندریہ کے واقعہ پر استدلال کیا ہے،

پروفیسر ڈساسی نے جونسی خاص سندین پیدا کین، اُن کے دیکھنے کا ہم کو نہایت شوق تھا، مگر افسوس کہ وہ کچھ نہ نکلین، پروفیسر موصوف نے پیرس کے اتنے بڑے عظیم الشان کتب خانہ کو چھان کر صرف دو سندین پیدا کین، ایک تو وہی حاجی خلیفہ کی عبارت جس کو ہم اوپر نقل کر چکے ہین، دوسری مقدمہ ابن خلدون کا ایک فقرہ جس مین ایک موقع پر ضمناً اور اجمالاً ایران کے کتب خانہ کا ذکر آگیا ہے، یہ بھی عجیب منطق ہے کہ اسکندریہ کے کتب خانہ کے جلائے جانے کا دعوی کیا جائے، اور دلیل مین ایران کا نام لیا جائے، اگرچہ ابن خلدون کا یہ قول بالکل غلط اور تمام صحیح اور مستند تاریخون کے خلاف ہے، لیکن ہم اس مقام پر اس سے بحث نہین کرتے کیونکہ ہمارا مضمون اسکندریہ کے کتب خانہ پر ہے، نہ ایران پر؛

شاید یہ کہا جائے کہ پروفیسر ڈساسی نے ابن خلدون کے قول کو تائیدی شہادت مین پیش کیا ہے لیکن اس سے یہ مقصد بھی حاصل نہین ہوتا، کیونکہ اس سے آگے کوئی نتیجہ نکلتا ہے، تو یہ نکلتا ہے کہ اسکندریہ کا واقعہ بالکل بے اصل ہے، ورنہ جس طرح ایران کا واقعہ ابن خلدون نے بیان کیا تھا، کوئی نہ کوئی عربی مورخ اسکندریہ کے واقعہ کا بھی اسی حیثیت سے ذکر کرتا، حالانکہ عربی کی سینکڑون ہزارون تاریخون مین سے ایک مین بھی اس کا پتہ نہین چلتا،

عبداللطیف و مقریزی کی اصل عبارت جو ہم نے نقل کی وہ تو کسی طرح شہادت مین پیش نہین کی جاسکتی، لطف یہ ہے کہ خود ابوالفرج جو اس بحث مین ہمارا مدعا علیہ ہے اُس نے بھی اس واقعہ کو اس حیثیت سے نہین لکھا جس سے ثابت ہو کہ وہ یقیناً اس کو تسلیم کرتا تھا، اور صحیح سمجھتا تھا، ابوالفرج کی اصلی تاریخ جو سُریانی زبان مین ہے، اور جس مین فتح اسکندریہ کا حال تفصیلاً مذکور ہے، اس مین اس واقعہ کا ذکر تک نہین، البتہ اس تاریخ کا خلاصہ جو عربی زبان مین ہے، اس مین یہ واقعہ جیسا کہ ہم اوپر نقل کر آئے مذکور ہے، لیکن اس خلاصہ کی

نسبت کافی اطمینان نہین ہے کہ جو بیانات اس مین اصل سُریانی تاریخ پر اضافہ کئے لئے ہین، وہ درحقیقت ابو الفرج ہی کے ہین، یا کسی اور نے الحاق کر دیا ہے، مسٹر گربل جرمن اس خلاصہ کی نسبت لکھتے ہین کہ اس مین بہت سی ایسی چیزین ہین جو اصل سُریانی مین نہیں، اور یہ امر کہ آیا یہ مقامات زمانہ مابعد کے الحاق ہین یا خود ابو الفرج نے اُن کو بڑھایا ہے، اچھی طرح معلوم نہین ہوتا، کیونکہ اس خلاصہ کے کل نسخے ناکامل ہین، یہ واقعہ کتب خانہ اسکندریہ کے جلائے جانے کا جو عربی مین موجود ہے اصل سریانی مین نہین پایا جاتا، اس عبارت کے الحاقی ہونے کا گمان اس سے زیادہ قوی ہو جاتا ہے کہ اس عربی خلاصہ کو پروفیسر پوکاک نے اپنے اہتمام و تصحیح سے چھپوایا ہے، اور اُن کو مسلمانون کے خلاف واقعات گڑھ لینے مین نہایت کمال حاصل تھا،

یہ تمام بحث تو اس لحاظ سے تھی کہ عبد اللطیف و حاجی خلیفہ نے اس واقعہ کے متعلق کوئی شہادت دی بھی ہے، یا نہین، لیکن بطریق تنزل اگر ہم یہ مان بھی لین کہ درحقیقت اُن مصنفون نے اس کو صحیح تسلیم کیا ہے، تو دوسری بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ اس امر کے متعلق ان مصنفون کی شہادت قابلِ اعتبار ہے یا نہین، عبد اللطیف بغدادی ۵۵۷ھ مین پیدا ہوا، اور حاجی خلیفہ کو تو دو سنو برس سے زیادہ نہین گذرے، کون شخص کہہ سکتا ہے کہ ایک ایسے واقعہ کے متعلق جو پہلی صدی ہجری کے شروع مین واقع ہوا ہو، وہ شہادت معتبر ہو سکتی ہے جس کو اُن لوگون نے بیان کیا ہو، جو اصل واقعہ کے پانچ سنو برس کے بعد پیدا ہوئے اور جس کی اُن لوگون نے نہ کوئی سند بیان کی ہو، نہ کوئی حوالہ دیا ہو،

ہم کو ان مصنفون کی نسبت یہ بھی دیکھنا ہے کہ فن تاریخ مین ان کو کیا رتبہ حاصل ہے کیونکہ یورپین مورخون نے اس موقع پر بھی تدلیس سے کام لیا ہے، وہ بڑے بڑے شاندار لفظون مین حاجی خلیفہ اور عبد اللطیف کی تعریف کرتے ہین، اور لکھتے ہین کہ اُن کی عظمت و شان کے لحاظ سے

اُن کا قول ضرور تسلیم کے قابل ہے، یوروپین مصنفون کے اس فریب کی پردہ دری کے لئے صرف ایک مختصر سا سوال کافی ہے (ہم بھی تسلیم کرتے ہین کہ عبد اللطیف اور حاجی خلیفہ بڑے پایہ کے مصنّف ہین، مگر سوال یہ ہے کہ کس فن مین؟ عبد اللطیف بے شبہہ بہت بڑا طبیب تھا، طب مین اس کی متعدد تصنیفات موجود ہین، ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبا مین اس کا مفصل تذکرہ لکھا ہے جس سے اوس کی طبی معلومات اور عظمت وشان کا اندازہ معلوم ہو سکتا ہے، لیکن کیا اوس کو کسی نے مؤرخ کہا ہے، ؟ کیا اس نے اپنی لائف مین کہین فن تاریخ کا تذکرہ کیا ہے؟ اگر یہ نہین ہے تو تاریخی واقعات مین اوس کی عظمت وشان کس کام آئے گی، فارابی بوعلی سینا کے حوالہ سے اگر کوئی تاریخی واقعہ لکھا جائے، تو کس حد تک اعتبار کے قابل ہوگا،

حاجی خلیفہ نے بے شبہہ کشف الظنون نہایت مفید کتاب لکھی ہے لیکن وہ کوئی تاریخ کی کتاب نہین ہے، بلکہ اسلامی تصنیفات کی فہرست ہے، اس کے سوا حاجی خلیفہ کا کوئی کارنامہ ہم کو معلوم نہین، تاریخ مین نہ اس کی کوئی کتاب ہے، نہ کسی نے اس کو مورخون مین شمار کیا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مخالفون کے لئے یہ نہایت شرم کی جگہ ہے کہ ان کو ایک ایسے عظیم الشان واقعہ کے لئے جو بخیال اُن کے چھ مہینے تک قائم رہا، اسلام کی سیکڑون ہزارون تصنیفات مین سے کہین کوئی سہارا ہاتھ نہ آئے، اور مجبور ہی اُن کو ایک طبیب، اور فہرست نگار کے سایہ مین پناہ لینی پڑے،

یہان تک ہم نے جو بحث کی، وہ اس حیثیت سے تھی کہ ہم نے مخالفین کو مدعی قرار دیا تھا کیونکہ اصول مناظرہ کی رو سے درحقیقت وہی مدعی ہین لیکن اس سے بڑھ کر ہم خود مدعی بنتے ہین، اور دعوی کرتے ہین کہ حضرت عمرؓ کے حکم سے یہ کتب خانہ برباد نہین ہوا، اور نہ کبھی مسلمانون نے

اوس کو برباد کیا، لیکن پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو دعوی نفی کی صورت مین کیا جاتا ہے، اس کے لئے روایۃً ودرایۃً استدلال کا کیا طریقہ ہے، مثلاً اگر یہ دعوی کیا جائے کہ فلان واقعہ فلان عہد مین نہین ہوا، تو اس کی دلیل روایت کے لحاظ سے صرف یہ ہوگی، کہ اس عہد کے متعلق علم و واقفیت کے جس قدر ذریعے ہین، ان سے اس واقعہ کا کہین پتہ نہین چلتا، اور درایت کے لحاظ سے یہ کہ تمام قرائن اور شہادتین اس واقعہ کے ثبوت کے خلاف ہین، ان ہی وجوہ استدلال کے لحاظ سے ہم دعوی کرتے ہین۔ کہ کتب خانۂ اسکندریہ مسلمانون کے ہاتھ سے ہرگز برباد نہیں ہوا،

اسلام مین تصنیف وتالیف کی ابتدا سنہ ۱۴۰ھ سے ہوئی، اور اسی زمانہ مین تاریخ کی سب سے پہلی کتاب محمد بن اسحٰق نے لکھی، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مین ہے، اس کے بعد اور مصنفین نے عام تاریخین لکھین، جن مین خلفائے راشدین کی فتوحات وواقعات تفصیل سے مذکور ہین، اس دور کی تصنیفات مین سے آج جو موجود ہین، یا جن کا نام ونشان معلوم ہے یہ ہین،

فتوح البلدان بلاذری، بلاذری خلیفہ متوکل باللہ کے عہد مین تھا، اس تاریخ مین اُس نے تمام واقعات سند متصل کے ساتھ بیان کئے ہین،

تاریخ یعقوبی یعنی تاریخ احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح کاتب العباسی یہ مصنف نہایت قدیم مصنف ہے، اور مامون الرشید کے درباریون کا ہمعصر ہے، اس نے یہ تاریخ ۲۵۹ھ تک لکھی ہے، اور غالباً اس سنہ مین وہ موجود تھا، یہ کتاب دو جلدون مین ہی، اور ۱۸۸۳ء مین بمقام لیڈن چھاپی گئی

تاریخ ابو حنیفہ دینوری لیڈن مین چھاپی گئی،

تاریخ کبیر ابو جعفر جریر طبری، یہ تاریخ اگرچہ مذکورۂ بالا تاریخون سے کسی قدر زمانۂ مابعد کی ہے

کیونکہ اس کے مصنف نے ۳۱۰ھ مطابق ۹۲۲ء مین وفات پائی لیکن اُس نے تمام واقعات سند متصل کے ساتھ لکھے ہین، اور ہر روایت مین تمام راویون کے نام بیان کردیئے ہین، یہ کتاب تمام ان روایتون کا مخزن ہے، جو تاریخ اسلام کے متعلق آج موجود ہین، یا کبھی موجود تھین، اور اس لحاظ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ تین سو صدیون کے متعلق جو معتد بہ واقعہ اس کتاب مین نہین ہے وہ داخل تاریخ نہین، یہ ایک نہایت ضخیم کتاب ہے، اور اس کی ۱۲ جلدین ہالینڈ مین چھپ چکی ہین، اور متعدد جلدین اور باقی ہین،

ابن الاثیر و ابن خلدون جن کی تاریخین نہایت معتبر خیال کی جاتی ہین، وہ تاریخ طبری ہی کا خلاصہ ہین، اور خود ان مورخون نے اس کا اعتراف کیا ہے، ان تاریخون کے سوا تاریخ اسلام کے متعلق اور بھی بہت سی کتابین لکھی گئین، لیکن قدیم واقعات کی نسبت ان سب کا ماخذ یہی چند کتابین ہین جن کا ذکر اوپر ہوچکا، اور یہ صریح طور پر خود ان کتابون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے،

ان کتابون کے سوا مصر و اسکندریہ کے خاص حالات مین بہت سی کتابین لکھی گئین، ان مین سے جس قدر ہم دریافت کرسکے ہین یہ ہین:-

(۱) خطط مصر لابی عمر الکندی المتوفی ۲۴۶ھ، (۲) کشف الممالک لابن شاہین، المتوفی ۳۸۵ھ (۳) تاریخ مصر لعبد الرحمن الصوفی المتوفی ۳۴۷ھ (۴) تاریخ مصر لمحمد بن برکات النحوی المتوفی ۵۲۰ھ (۵) قحاط المتابل الی ۶۴۲ھ (۶) تاریخ مصر لمحمد بن عبد اللہ المتوفی ۴۲۰ھ (۷) تاریخ مصر للقفطی المتوفی ۶۴۶ھ (۸) تاریخ مصر لقطب الدین الحلبی المتوفی ۷۳۵ھ (۹) تاریخ مصر لیحیی الحلبی المتوفی ۶۲۰ھ (۱۰) الانتصار لابن دقماق المتوفی ۸۰۹ھ (۱۱) عقود الجواہر (۱۲) نزہۃ الناظرین (۱۳) الدرۃ المضیۃ (۱۴) اشرف الظرف (۱۵) نزہۃ السنیۃ (۱۶) تفریج الکربۃ (۱۷) فرائد السلوک (۱۸) بدائع الظہور (۱۹) تحفۃ الکرام باخبار الاحرام (۲۰) اعلام من ولی مصر فی الاسلام (۲۱) تاریخ مصر

لابراہیم بن وصیف، جواہر البحور[22]، مختار للقسنائی[23]، النقط المعجم[24]، الروضۃ البہیۃ[25]، المواعظ والاعتبار للمقریزی[26]، جواہر الالفاظ[27]، اتعاظ الحنفاء[28]، نجوم الزاہرۃ[29]، تاریخ مصر لابن عبد الحکم، اگرچہ یہ تمام کتابین آج نہین ملتین لیکن زمانۂ مابعد کی متعدد تصنیفات ایسی موجود ہین، جن مین تمام قدیم کتابون کی روایتین جمع کردی گئی ہین، مثلاً حسن المحاضرۃ سیوطی، جس کے دیباچہ مین خود سیوطی نے لکھا ہے، کہ مین نے اٹھائیس تاریخین دیکھین، اور اُن سے یہ کتاب تیار کی، سب سے مفصل، اور بسیط مواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار ہے، جو مقریزی کی تصنیف ہے، اور جس مین مصر و اسکندریہ کے متعلق ایک ایک جزئی واقعہ کا استقصار کیا گیا ہے،

یہ تمام معتبر کتابین جن کا ذکر اوپر ہوا، اور جن کے سوا اس زمانہ کے حالات دریافت کرنے کا کوئی ذریعہ نہین ہے، ان مین سے کسی کتاب مین واقعہ مبحوث فیہ کا مطلق پتہ نہین چلتا، ان کتابون مین اور خصوصاً طبری و فتوح البلدان بلاذری، و حسن المحاضرہ و خطط والآثار للمقریزی مین اسکندریہ کی فتح کے نہایت تفصیلی حالات مذکور ہین، لیکن کتب خانہ کا ذکر تک نہین،

یہ کتابین تو وہ ہین جن مین اس واقعہ کو (اگر وہ واقع ہوتا) مستقل طور پر مذکور ہونا چاہیے تھا، لیکن جن تصنیفات مین ضمنی اور اتفاقی طور پر اس کا تذکرہ آسکتا تھا، اُن مین بھی واقعۂ مفروضہ کا کہین پتہ نہین چلتا، مثلاً حکما اور طبیبون کے حالات مین جو کتابین لکھی گئی ہین اور جن مین یحیی نحوی کا ذکر عموماً کیا گیا ہے، چنانچہ ابو الفرج نے یہ فرضی قصہ جو گڑھا تو اسی یحیی نحوی کے تذکرہ مین گڑھا، اور یون بیان کیا کہ یحیی نے عمرو بن العاصؓ سے کتب خانہ کے لئے درخواست کی تھی جس کے جواب مین عمرو نے حضرت عمرؓ کے حکم سے کتب خانہ کے جلا دینے کا حکم دیا، یحیی طبیب و فلسفی تھا اور عربی زبان مین اس کی تمام کتابین ترجمہ کی گئین، اس لئے عربی تاریخین جو حکما، اور اطبا کے حالات مین ہین، ان مین یحیی کا نقل تذکرہ کیا گیا ہے، ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبا اور

ابن الندیم نے کتاب الفہرست مین یحییٰ کے تمام حالات و واقعات اور اس کی تصنیفات کے نام لکھے ہین، اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ عمرو بن العاص کے پاس حاضر ہوا، اور عمرو نے اس کی بہت کچھ عزت کی، ابن الندیم کے خاص الفاظ یہ ہین :-

ولما فتحت مصر علی یدی	یعنی جب مصر و عمرو بن العاص کے ہاتھ
عمرو ابن العاص دخل الیہ	سے فتح ہوا تو یحییٰ عمرو کی خدمت مین حاضر
واکرمہ ورای لہ موضعًا	ہوا، عمرو نے اسکی عزت وتکریم کی،

ان تمام تصریحات کے ساتھ کتب خانہ کا کہین ذکر نہین جس سے علانیہ اس واقعہ کا بالکل بے اصل ہونا پایا جاتا ہے،

ان تصنیفات کے علاوہ اور قسم کی تصنیفات مثلاً جغرافیون، سفرنامون، بیوگرفیون مین اس واقعہ کا ذکر ضمناً آسکتا تھا، لیکن ان کتابون مین اس کا نام ونشان تک نہین، سچ یہ ہو کہ اگر یہ دعوی کیا جائے، تو بالکل سچ ہے کہ عبد اللطیف کی عبارت کے سوا جس کی حقیقت ہم اوپر بیان کرچکے، کل اسلام کا لٹریچر اس واقعہ کے ذکر سے خالی ہے، اس سے زیادہ اس واقعہ کے بے اصل ہونے کی کیا دلیل ہوگی ؟

اس سے بڑھکر یہ کہ خود عیسائی قدیم تاریخون مین اس کا پتہ نہین، یوٹکیس المتوفی ۹۴۰ء سے جو دسوین صدی عیسوی مین اسکندریہ کا بطریق تھا، اس نے اسکندریہ کی فتح کا حال تفصیل سے لکھا ہے، اسی طرح الکین جو واقعۂ مفروضہ کے تین سو برس بعد تھا، یعنی ابو الفرج سے دو سو برس پہلے اس نے تاریخ مصر خود مصر مین رہکر لکھی اور اسکندریہ کی فتح کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے لیکن ان دونون کتابون مین واقعۂ مفروضہ کے متعلق ایک حرف بھی مذکور نہین، یہ دونون مصنف متعصب عیسائی تھے جن کی نسبت مسلمانون کے ساتھ کسی قسم کی بیجا طرفداری

کا گمان نہین ہو سکتا، اس کے ساتھ محقق اور علم دوست تھے، اور اُن کی نگاہ مین اتنے بڑے علمی سرمایہ کا ضائع ہونا کوئی معمولی بات نہین ہو سکتی تھی، مصر مین قیام اور ذاتی شوق کی وجہ سے مصر کے حالات کے متعلق اُن کے وسائلِ معلومات نہایت وسیع تھے، ان باتون کے ساتھ ان دونون مورخون کا واقعہ مبحوث عنہ کے متعلق ایک حرف نہ لکھنا، صریح اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی کچھ اصل نہین، چنانچہ انصاف پسند یورپین مصنفون، مثلاً گبن، کریل نے اس واقعہ کے بے اصل ہونے کے لئے عموماً اس سے استدلال کیا ہے،

اس واقعہ کے بے اصل ہونے کی ایک نہایت قوی دلیل یہ ہے کہ جس کتب خانہ کا جلایا جانا بیان کیا جاتا ہے، وہ اسلام کے دور سے پہلے ہی برباد ہو چکا تھا، اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ کتب خانہ شاہانِ مصر نے جو بت پرست اور بہت سے خداؤن کے ماننے والے تھے، قائم کیا تھا، جب مصر مین عیسائیت کا دور دورہ ہوا، تو عیسائی بادشاہون نے تعصب مذہبی کی وجہ سے ان کتابون کی بربادی شروع کی، اور ان کے اس ارادہ کو پادریون نے اور بھی اشتعال دیا،

چنانچہ یورپ کے بڑے بڑے نامور مصنفون اور مورخون کو تسلیم کرنا پڑا، کہ یہ کتب خانہ اسلام سے پہلے برباد ہو چکا تھا، موسیو رینان جو فرانس کا ایک مشہور عالم ہے، اُس نے ایک دفعہ یونیورسٹی مین اس عنوان پر لکچر دیا تھا "اسلام اور علم" یہ لکچر ایک رسالہ کی صورت مین بمقام پیرس ۱۸۸۳ء مین چھپا ہے، اگرچہ یہ لکچر مسلمانون کے برخلاف نہایت تعصب آمیز تھا، یعنی اس مین نہایت شد و مد سے یہ ثابت کیا تھا کہ اسلام اور علم کبھی جمع نہین ہو سکتے تاہم اس متعصب شخص نے کتب خانہ اسکندریہ کے متعلق یہ الفاظ کہے، "اگرچہ یہ بار بار کہا گیا ہے کہ عمرو نے کتب خانہ اسکندریہ کو برباد کرا دیا، لیکن یہ صحیح نہین، کتب خانہ مذکور اس

زمانہ سے پہلے ہی برباد ہوچکا تھا"

اس شاہی کتب خانہ کی تفصیلی کیفیت مسٹر کریل نے اپنے مضمون مین لکھی ہے، اور اُس کے عہد سعید کی بربادی کا ذکر نہایت تفصیل سے کیا ہے، لیکن چونکہ مسٹر کریل کا مضمون ہمارے رسالے کے اخیر مین بطور ضمیمہ شامل ہے، اس لئے ہم اوس کو یہان نقل نہین کرتے، اس کتب خانہ کا برباد ہونا ایسا یقینی امر ہے جس سے وہ یورپین مورخین بھی انکار نہین کرسکے جو اس واقعہ کے اثبات کے درپے ہین، مسٹر ڈریپر اپنی کتاب مین لکھتے ہین کہ جولیس سیزر نے نصف سے زیادہ کتابین جلادی تھین، اور اسکندریہ کے بطریقون نے نہ صرف قریبًا کل باقی کتابون کے منتشر ہونے کی اجازت دی، بلکہ اپنی نگرانی مین اُن کو منتشر کرادیا، اور ڈسیس صاف بیان کرتا ہے کہ بیس سال بعد اس واقعہ کے تھیوفلس نے شہنشاہ تھیوڈوسس سے تحریری اجازت کتب خانہ مذکور کی بربادی کی حاصل کی تھی، مین نے اس کی الماریان اور خانے خالی دیکھے"

چونکہ اس کتب خانہ کی بربادی یقینی امر تھا، اس لئے مخالفون نے ایک اور فریب سے کام لیا، یعنی یہ دعوی کیا کہ عمرو نے جو کتب خانہ تباہ کیا، وہ شاہی کتب خانہ نہ تھا، بلکہ سراپیم کا کتب خانہ تھا، چنانچہ اسپیکٹیٹر کے مضمون نگار نے ابو الفرج کی حمایت مین سراپیم ہی کے کتب خانہ کا حوالہ دیا ہے، لیکن یہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ ہے، کیونکہ ابو الفرج نے اپنی تاریخ مین جہان یہ لکھا ہے کہ یحیٰی نحوی نے عمرو بن العاصؓ سے کتابون کے لئے درخواست کی، وہان صاف یہ الفاظ لکھے ہین، کتب الحکمۃ اللتی فی خزائن الملوکیۃ یعنی فلسفہ کی وہ کتابین جو شاہی خزانون (کتب خانون) مین ہین، لیکن اگر یہ تسلیم بھی کرلین کہ یہ حکایت سراپیم کے کتب خانہ کی نسبت ہے تاہم ہمارے مخالفون کو یہ ثابت کرنا مشکل ہوگا کہ سراپیم کا کتبخانہ فتح اسکندریہ کے وقت موجود تھا، بلکہ برخلاف اس کے یہ ثابت ہوگا کہ کتب خانہ مذکور کل

یاکل کے قریب پہلے ہی برباد ہوچکا تھا،

مسٹر گربل لکھتے ہین کہ سراپیم اور اس کے کتب خانہ کا حال اس وقت تک تاریکی مین پڑا ہوا ہے، یہ تو معلوم ہے کہ سراپیم کا معبد جس سے یہ کتب خانہ متعلق تھا، تھیوڈوسیس کے عہد مین ۳۸۹ئ مین گرجا بنا دیا گیا تھا، لیکن یہ امر کہ آیا اس تبدیلی کے وقت وہ کتب خانہ وہان موجود تھا، یا ضائع ہوگیا تھا، یا کتابین قسطنطنیہ کو منتقل ہوگئی تھیں، مطلق ثابت نہین ہو، یہ اخیر خیال یعنی کتابون کا قسطنطنیہ کو جانا زیادہ قرین قیاس ہے، کیونکہ تھیوڈوسیس ثانی نے جو کتب خانہ پانچوین صدی مین بمقام قسطنطنیہ قائم کیا، وہ زیادہ تر مصر و ایشیاے کوچک کی کتابون سے تیار ہوا تھا،

موسیو سدیو فرانسیسی نے یہ تسلیم کر کے کہ کتب خانہ مبحوث فیہ سراپیم مین تھا، لکھا ہے کہ کسی ہمعصر مورخ نے اس واقعہ (یعنی عمرو ابن العاص رض کا کتب خانہ کو برباد کرنا) کو بیان نہین کیا لیکن اگر وہ صحیح بھی ہوتا ہم وہ صرف معدودے چند کتابون سے متعلق ہوگا، کیونکہ اس گنجانہ کے حصے ۳۹ ق م مین سیزر کے عہد مین اور تھیوڈوسین کے عہد مین برباد ہوچکے تھے،

اب ہم اصول درایت کے معیار سے اس واقعہ کی صحت وعدم صحت کا اندازہ کرنا چاہتے ہین، واقعہ مذکورہ کو ابو الفرج (جو اس فرضی قصہ کا موجد اول ہے) نے جن خصوصیتون کے ساتھ بیان کیا ہے وہ تو اس قدر لغو ہین کہ عموماً تمام یورپین مورخین موافق ہون یا مخالف اس کو افسانہ باطل سمجھتے ہین، پروفیسر ڈساسی جنھون نے بڑے زور شور سے اس واقعہ کو ثابت کرنا چاہا ہے، تسلیم کیا ہے کہ ابو الفرج کے بیان مین جو تفصیلین ہین، ہیچ ہین، برٹش انسائیکلوپیڈیا کے لکھنے والون نے بھی اس کی ہنسی اڑائی ہے، اور درحقیقت ایک کتب خانہ کا حمامون مین (جن کی تعداد چار ہزار تھی) تقسیم کیا جانا اور چھ مہینے تک کتابون کا جلتے رہنا، اور ایندھن کے

کام آنا، افسانہ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ ابو الفرج نے اگرچہ مصر کے تمام حماموں کی تعداد نہین بتائی لیکن یہ صحیح طور پر معلوم ہے کہ وہ چار ہزار تھے، اس لئے حماماے مصر اور چار ہزار کی تعداد کو لازم و ملزوم سمجھنا چاہیئے، جیسا کہ اکثر یورپین مورخون نے سمجھا ہے، اب اگر دیکھا جائے کہ اربعۃ متناسبہ کی رو سے فی حمام ہر روز کیا تعداد پڑتی ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر روز فی حمام ایک کتاب کا بھی پرتا نہین پڑتا، بلکہ نصف کتاب سے متجاوز نہین ہوتا، یا تو حمام ایسے مختصر تھے کہ ایک دن کیلئے ایک کتاب بلکہ نصف کتاب کافی ہوتی تھی، یا کتابین اس قدر ضخیم تھین کہ ایک کتاب کا آدھا حصہ حمام کیلئے سارے دن ایندھن کا کام دے سکتا تھا،

یہ بھی مسلّم ہے کہ اس زمانہ مین کتابین چمڑے کے کاغذ پر لکھی جاتی تھین، جو ایندھن کا کام نہین دیسکتا تھا، اس لئے کتابون کا اس کام کے لئے استعمال کرنا اور بھی بے ہودہ معلوم ہوتا ہے، ڈریپر صاحب لکھتے ہین کہ ہم کو یقین ہے کہ اسکندریہ کے حمام والے جب تک کوئی اور شئے جلائے جانے کے لئے پاسکتے تھے، اونھون نے چمڑے کا کاغذ (جس پر کتابین لکھی تھین) نہین جلایا ہوگا، اور ان کتابون کا بہت بڑا حصہ چمڑے ہی کے کاغذ کا بنا ہوا تھا،

اس قصے کے گڑھنے والون نے یہ قصہ مسلمانون کے بدنام کرنے کے لئے گڑھا، لیکن اُن کو یہ خیال نہ آیا کہ اس کی وجہ سے مسلمانون سے زیادہ عیسائی موجب الزام ٹھہرتے ہین، عمرو بن العاصؓ نے بفرض محال اس قدر کیا کہ کتابین حمامون مین بھجوا دین لیکن حماموالے جس قدر تھے عیسائی تھے، وہ کتابون کو بچا سکتے تھے، اور بجائے اسکے ایندھن سے کام لے سکتے تھے، عمرو بن العاصؓ نے اس کے بعد اسکندریہ مین چھ مہینے تک قیام بھی نہین کیا تھا کہ اُن کی بازپرس کا ڈر ہوتا،

اگرچہ یہ سرسری اور عام فہم قیاسات واقعۂ مفروضہ کے ابطال کے لئے کافی ہین، لیکن زیادہ تدقیقات سے اور بھی اس کی رہی سہی قلعی کھل جاتی ہے، اس واقعہ کو اگر ہم درایت کی نگاہ سے

دیکھنا چاہین، تو ہم کو ان امور پر لحاظ کرنا ہوگا، اسکندریہ پر کس طرح اور کن شرائط کے ساتھ قبضہ کیا گیا ؟ اس حیثیت سے اور ممالک جو فتح ہوئے وہان کیا برتاؤ ہوا ؟ اس قسم کے موقعون مین حضرت عمرؓ کا عموماً طرز عمل کیا تھا ؟ عمرو بن العاصؓ کا ذاتی میلان اور مذاق طبیعت کیا تھا ؟ اسکندریہ کے علمی خزانے کے آثار اسلام مین ملتے ہین یا نہین ؟ ان مین سے ہر سوال کا جواب اس بحث کا کم و بیش فیصلہ کر سکتا ہے،

یہ امر تمام صحیح تاریخون سے ثابت ہے کہ اسکندریہ فتح ہونے کے بعد ذمیانہ عہد مین داخل ہوگیا، یعنی وہان کی تمام رعایا ذمی قرار دی گئی، فتوح البلدان بلاذری مین جو نہایت قدیم تصنیف ہے اور جس کا مصنف تمام واقعات اپنی سند روایت سے بیان کرتا ہے لکھا ہے،

ثم ان عمرو افتتحها بالسيف وغنم	یعنی عمرو نے اسکندریہ کو تلوار سے فتح کیا
ما فيها وابقى اهلها ولم تقتل ولم	اور غنیمت لوٹی، اور وہان کے لوگون کو باقی
يسب وجعلهم ذمة،	رکھا، اور قتل و قید نہین کیا، اور ان کو ذمی قرار دیا،

یہی الفاظ ابن الاثیر و ابن خلدون وغیرہ مین بھی ہین،

ذمیون کے جو حقوق قرار دیئے گئے تھے، ان مین سب سے مقدم یہ تھا کہ ان کی جان، مال، نقد، اسباب، مویشی، مکانات وغیرہ سے کسی قسم کا تعرض نہین کیا جائیگا، فارس و شام کی فتوحات مین جو تحریری معاہدے ذمیون سے ہوئے، وہ تمام تاریخون مین منقول ہین، اور سب مین اس حق کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، خود مصر کے معاہدے کے یہ الفاظ ہین،

هذا ما اعطى عمرو بن العاص	یعنی عمرو بن العاصؓ نے اہل مصر کو ان
اهل مصر من الامان على انفسهم	کی جان، خون، مال، متاع، مذہب کو امان
ودمهم واموالهم وصاعهم ومدهم وعددهم	عطا کی،

معجم البلدان مین ایک اور صحیح روایت سے نقل کیا ہے کہ معاہدے مین یہ الفاظ یا مضمون داخل تھا،

وان لھم ارضھم واموالھم لا	یعنی ان کی زمین اور مال انھی کا رہے گا،
یتعرضون فی شئی منھا،	اور ان مین سے کسی چیز مین تعرض نہ کیا جائیگا

اہل ذمہ کے ساتھ حضرت عمرؓ کا جو طرز عمل تھا، اس کی پوری تفصیل کا تو یہ موقع نہین ہے لیکن اجمالاً اس قدر کہنا ضروری ہے کہ انھون نے ذمیون کی جان و مال کو ہمیشہ مسلمانون کی جان و مال کے برابر سمجھا، شہر حیرہ مین ایک مسلمان نے ذمی کو قتل کر ڈالا تھا، اس کے بدلے مسلمان کے قتل کا حکم دیا، اور اس حکم کی علانیہ تعمیل کرائی، مفلس ذمیون کے لئے بیت المال سے روزینے مقرر کئے، فارس و شام کی تمام فتوحات مین گرجے اور معبد محفوظ رکھے، اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ مرنے کے وقت جو تین وصیتین کین ان مین ایک یہ تھی،

اوصی الخلیفۃ من بعدی بذمۃ	میرے بعد جو خلیفہ مقرر ہوگا اس کیلئے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مین رسول اللہ کے ذمہ وصیت کرتا ہون
ان یوفی لھم بعھدھم وان	کہ ذمیون کے معاہدون کو بجالائے اور انکی
یقاتل من ورائھم و لا یکلفوا	حفاظت کے لئے ان کے دشمنون سے لڑے
فوق طاقتھم،	اور اُن کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دیجائے

یورپ کے متعصب مصنفین اگرچہ حضرت عمرؓ کی شدت اور جبروت کے شاکی ہین لیکن اس سے انکار نہین کر سکتے کہ جس وقت جو کچھ ان کی زبان و قلم سے نکلا، وہ اسی طرح برتا گیا، متعصب سے متعصب مورخین عیسائی اون کی تمام زندگی کا ایک واقعہ بھی نہ بتا سکے، جس مین ان کا عمل قول کے مخالف تھا،

جب یہ مسلّم ہے کہ اسکندریہ والے **ذمی** قرار دیئے گئے، اور ذمیون کے ساتھ جو کچھ حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل تھا، وہ تفصیلاً معلوم ہے، تو کیونکر ممکن ہے کہ اسکندریہ والون کی ایک بڑی یادگار (کتب خانہ) کو اس بیرحمی سے برباد کیا جاتا ؟ کیا یہ کتب خانہ مسلمانون کو گرجاؤن اور آتشکدون سے زیادہ ناگوار ہو سکتا تھا ؟ تمام ممالکِ مفتوحہ مین جب سیکڑون ہزارون گرجے اور آتشکدے قائم رکھے گئے، اور اُن کی حفاظت کے لئے تمام فرامین مین یہ خاص الفاظ لکھے گئے،

لا یهدم لهم بیعة ولا كنیسة — یعنی کوئی گرجا اور عبادتگاہ ڈھایا نہ جائیگا

داخل المدینة، ولا خارجها، — نہ شہر کے اندر اور نہ باہر،

تو کتب خانہ کی نسبت ایسا ظالمانہ برتاؤ کیونکر قیاس مین آسکتا ہے،

سچ یہ ہے کہ ابو الفرج کو (جو اس فرضی قصہ کا موجد ہے) جھوٹ بولنا بھی نہین آتا تھا، وہ اگر اس واقعہ کو عین محاصرہ اور فتح کی حالت مین بیان کرتا، تو قیاس مین آسکتا تھا کیونکہ حملہ اور مقابلہ کا جوش کسی چیز کی پروا نہین کرتا، لیکن یہ تسلیم کرکے کہ شہر کو امن دیدیا گیا، اہلِ شہر ذمی قرار دیدیئے گئے، حملہ اور معرکہ آرائی کا جوش تھم چکا تو اس وقت ایسا ظالمانہ عمل صرف ابو الفرج ہی کے قیاس مین جائز ہو سکتا ہے، پروفیسر سدیو نے اسی بنا پر ابو الفرج کے بیان کو نا قابلِ اعتبار سمجھا ہے، وہ لکھتے ہین کہ جب یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ فتح کے پہلے دہلہ مین شہر غارت نہین کیا گیا، تو یہ یقین کرنا مشکل ہو کہ ایسے وحشیانہ کام کا اس وقت حکم دیا گیا ہو جب کہ فاتحین کا خون سرد ہو چکا تھا

(حضرت عمرو بن العاصؓ کی قابلیت اور مذاق کا خود ابو الفرج نے اعتراف کیا ہے، چنانچہ وہ یحیی نحوی کے تذکرہ مین لکھتا ہے،

دخل علی عمرو وقد عرف موضعه — یعنی وہ (یحیی نحوی) عمرو کے پاس حاضر ہوا،

من العلوم فاكرمه عمرو وسمع من — عمرو نے اُس کے علمی مرتبے سے واقف ہو کر اسکی

الفاظہ الفلسفیۃ التی لم تکن للعرب بہا الکسنہ ما ہالہ وکان عمرو عاقلا حسن الاستماع صحیح الفکر فلازمہ و کان لایفارقہ،

[illegible]

عزت کی، عمرو نے اس کے وہ فلسفیانہ الفاظ سُنے جس سے عرب کبھی مانوس نہ تھے، اس لئے وہ اس پر مفتون ہو گیا اور عمرو عاقل خوش فہم صحیح الفکر شخص تھا اسلئے اُس نے یحیٰی نحوی کی صحبت کو لازم کر لیا،

اب خیال کرو کہ ایسا قابل اور علم دوست شخص جس نے باوجود مذہبی جوش کے ایک عیسائی عالم کو اپنا رفیق و ہمدم بنا لیا ہو اس کے ساتھ اوس کو علمی مباحث بلکہ فلسفہ کا چسکا پڑ چکا ہو، وہ اس بے رحمی سے مدت تک کتب خانہ کو برباد کراتا، جو ایک جاہل سے جاہل شخص بھی نہین کر سکتا تھا، مانا کہ وہ خود مختار نہ تھے، لیکن حضرت عمرؓ کو جو خط لکھا تھا، اس مین کتب خانہ کے لئے سفارش تو کر سکتے تھے، عمروؓ نے بہت سے کامون مین اکثر زور ڈال کر حضرت عمرؓ سے اجازت حاصل کی تھی، مصر و اسکندریہ پر لشکر کشی کے لئے حضرت عمرؓ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے، عمرو نے ان کو مجبور کیا، اور ذمہ داری لی کہ اس کا فتح کرنا کچھ مشکل نہین، اس وقت حضرت عمرؓ نے اجازت دی، بلکہ علامہ بلاذری (جو نہایت مشہور اور مستند مورخ ہے) کی روایت کے مطابق عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کی اجازت کا بھی انتظار نہ کیا، اور مصر کو روانہ ہو گئے، اور یہ تو عموماً مسلم ہے کہ مصر و اسکندریہ کی فتح جس شرط پر ہوئی اور معاہدہ مین جو شرطین قلمبند ہوئین، وہ بالکل عمروؓ نے اپنی راے سے لکھین، حضرت عمرؓ کو اُن کی اطلاع البتہ دی، اور انھون نے اس کو منظور کر لیا، کیا کتب خانہ کی نسبت عمرو بن العاصؓ ایسا نہین کر سکتے تھے،

اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے اسکندریہ کی فتح کے بعد دربارِ خلافت مین جو خط بھیجا، اس مین ایک ایک چیز کی تفصیل کی ہے، چنانچہ فتح کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ "اس شہر مین چار ہزار حمام، چار ہزار قصر، چالیس ہزار خراج گذار یہودی، چار سو شاہی سیرگاہین، بارہ ہزار باغ جن کی ترکاری بکتی ہے، موجود ہین" لیکن ان تفصیلون مین ہم کو اپنے دوست ابوالفرج کے فرضی

کتب خانہ کا کہین پتہ نہین چلتا،

تمام واقعاتِ تاریخی پر غور کرنے سے حقیقتِ واقعہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسکندریہ مین جس قدر قدیم کتب خانے تھے، اسلام کے زمانہ سے پہلے ہی برباد ہوگئے تھے، جس کے اسباب واتفاقات مورخون نے بہ تفصیل لکھے ہین لیکن ان آفتون پر بھی علمی آثار بالکل معدوم نہین ہوگئے تھے، اور ایک ایسے شہر مین جو سیکڑون برس تک دار العلوم رہ چکا تھا، علمی یادگارون کا یک لخت معدوم ہوجانا ممکن بھی نہ تھا، چنانچہ زمانہ اسلام سے کسی قدر پہلے اسکندریہ مین سات نہایت مشہور طبیب اور فلاسفر موجود تھے جن کے یہ نام ہین، اسطفن، جاسیوس، انادودسیوس، اکیلاوس، انفیلاوس، فلادیوس، یحیٰی نحوی، ان سب مین یحیٰی نحوی نے زیادہ عمر پائی، اور عمرو بن العاص کے زمانہ تک زندہ رہا، اسکندریہ کے کتب خانے تو بہت پہلے برباد ہوچکے تھے لیکن اخیر زمانہ مین جو علمی سرمایہ مہیا ہوا تھا، وہ اسلام کی فتح کے وقت موجود تھا، اور زمانہ مابعد تک بھی باقی رہا، چنانچہ دولتِ عباسیہ کے زمانہ مین جب علمی یادگارون کی تلاش ہوئی، تو اسکندریہ سے معتد بہ ذخیرہ ہاتھ آیا، ہرون الرشید و مامون الرشید و متوکل باللہ کے عمال جو شام و فلسطین، ایشیاے کوچک، سایپرس مین فلسفی اور طبی تصنیفات ڈھونڈتے پھرتے تھے، اسی غرض سے اسکندریہ بھی گئے تھے، اور بہت سی کتابین حاصل کین، حنین بن اسحاق نے لکھا ہے کہ جالینوس کی کتاب البرہان کی تلاش مین، مین جزیرہ، شام، فلسطین، مصر کے تمام شہرون مین پھرا، یہان تک کہ اسکندریہ پہنچا، لیکن کتاب مذکور کا کہین پتہ نہ چلا، صرف دمشق مین اس کے چند حصے وہ بھی بے ترتیب ملے، حنین کو اگرچہ اس کتاب کے ملنے مین اس وجہ سے ناکامی ہوئی کہ قدیم کتب خانے اسلام سے پہلے ہی برباد ہوچکے تھے لیکن زمانہ مابعد کی تصنیفات جو شروع اسلام تک محفوظ تھین، قریباً کل ہاتھ آئین، جن سات حکیمون کا اوپر ذکر ہوا انکی تمام تصنیفات محفوظ ملین، اور عربی زبان مین اُن کے ترجمے کئے گئے، یحیٰی نحوی کی کتابون کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا گیا،

چنانچہ اس کی جس قدر کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں، ان میں سے چند یہ ہیں،

تفسیر کتاب[1] فاطیغوریاس لارسطو، تفسیر[2] کتاب انالوطیقاے الاولیٰ لارسطو، تفسیر[3] کتاب انالوطیقاے الثانی لارسطو، تفسیر[4] کتاب طوبیقا لارسطو، تفسیر[5] کتاب السماع الطبیعی لارسطو، تفسیر[6] کتاب الکون والفساد لارسطو، تفسیر کتاب[7] مابال لارسطو، تفسیر[8] کتاب الفرق لجالینوس، تفسیر کتاب[9] الصناعة لجالینوس، تفسیر کتاب[10] النبض الصغیر لجالینوس، تفسیر[11] کتاب اغلوقن لجالینوس، تفسیر[12] کتاب الاسطقسات لجالینوس، تفسیر[13] کتاب القوی الطبیعة لجالینوس، تفسیر کتاب[14] التشریح الصغیر لجالینوس، تفسیر[15] کتاب العلل والاعراض لجالینوس، تفسیر[16] کتاب تعرف علل الاعضاء الباطنة لجالینوس، تفسیر[17] کتاب النبض الکبیر لجالینوس، تفسیر[18] کتاب الحمیات لجالینوس، تفسیر[19] کتاب البحران لجالینوس، تفسیر[20] کتاب ایام البحران لجالینوس، تفسیر[21] کتاب منافع الاعضاء لجالینوس، تفسیر[22] کتاب تدبیر الاسحار لجالینوس، تفسیر[23] کتاب المزاج لجالینوس، جوا[24]مع کتاب التریاق لجالینوس، جوا[25]مع کتاب الفصد لجالینوس، کتاب[26] الرد علیٰ برقلس، کتاب[27] فی ان کل جسم متناہ فقوتہ متناہیة، کتاب[28] الرد علیٰ ارسطو، کتاب[29] الرد علیٰ نطورس، شرح کتاب ایساغوجی لفرفوریوس، ان کے سوا اور بھی کتابیں ہیں، جن کی تفصیل طبقات الاطبار و کتاب الفہرست لابن الندیم میں ملتی ہے،

اگر اسکندریہ کا کتب خانہ عمرو بن العاصؓ کے زمانہ میں برباد ہوا ہوتا تو سب سے پہلے یحییٰ نحوی کی تصنیفات برباد ہونی چاہیے تھیں، جو عمرو بن العاصؓ کا ہمعصر اور بقول ابوالفرج کے کتب خانہ مذکور کا مہتمم تھا،

غرض مصر و اسکندریہ وغیرہ میں اسلام کے زمانہ تک جو سرمایہ محفوظ رہ گیا تھا، وہ ہرگز ضائع نہیں ہونے پایا، البتہ جو کچھ اسلام سے پہلے تلف ہو چکا تھا، اس کو وہ دوبارہ پیدا

نہین کرسکتا تھا، ہم کو تاریخون سے اس بات کا بھی پتہ لگتا ہے کہ نہایت قدیم زمانہ کی بھی کوئی چیز اگر زمانۂ اسلام تک کسی وجہ سے محفوظ رہ گئی، تو وہ ہرگز برباد نہین ہونے پائی بلکہ زمانۂ مابعد مین نہایت قدردانی کے ساتھ یادگار کے طور پر اس کو محفوظ رکھا گیا ابن السندی نے جو مصر کا رہنے والا اور علم اصطرلاب کا بڑا ماہر تھا، لکھا ہے کہ

"وزیر ابوالقاسم علی بن احمد الجیرجانی نے ٤٣٥ھ ہجری مین قاہرہ کے کتبخانہ کا جائزہ لیا، اور قاضی ابوعبداللہ القضاعی و ابن خلف وراق کو حکم دیا کہ کتابون کی فہرست تیار کرین، اور جلدین جو خراب ہو گئی ہین ان کی مرمت کرائین، مین بھی اِن دونون بزرگون کے ساتھ اس غرض سے وہان گیا کہ اپنے مذاق کی کتابوں کی سیر کرون، چنانچہ صرف نجوم و ہندسہ و فلسفہ کے متعلق جو اجزاء تھے، ان کی تعداد چھ ہزار پانسو تھی، یہین مین نے ایک تانبے کا کرہ دیکھا، جو بطلیموس کے ہاتھ کا بنا ہوا تھا مین نے اس کی قدامت کا اندازہ کرنا چاہا، تو حساب سے ثابت ہوا کہ دو ہزار دوسو پچاس برس کی مدت کا ہے، یہین مجھ کو ایک اور کرہ ملا جو چاندی کا تھا، اور جس کو ابوالحسن صوفی نے عضدالدولہ کے لئے بنایا تھا، اوس کا وزن تین ہزار درم تھا، اور تین ہزار دینار (پندرہ ہزار روپیے) کو خریدا گیا تھا"

اگرچہ ہم نے اس بحث کو مجتہدانہ اصول کے ساتھ طے کر دیا ہے، اور اسی وجہ سے ہم کو اس کی کچھ پروا نہین کہ یورپ کے مورخین ہمزبان ہین یا نہین، تاہم تقلید پسندون، اور بالخصوص ان لوگون کی تسلی کے لئے جن کو یورپ کے ساتھ نہایت حسن عقیدت ہے یہ کہہ دینا ضرور ہے کہ واقعۂ مفروضہ گو ایک زمانہ مین تمام یورپ مین تسلیم کیا جاتا تھا، لیکن جس قدر تاریخی تحقیقات کو ترقی ہوتی گئی، اسی نسبت سے

اس کی تصدیق کا زور گھٹتا گیا، یہان تک کہ حال کے مصنفین مین زیادہ تر ان ہی لوگون کی تعداد ہے، جو اس کو غلط اور مشکوک واقعہ قرار دیتے ہین، آج تک اس قدر ہوا ہے، اور امید ہے کہ وہ دن بھی آئے، جب زیادہ غور اور تحقیق کے بعد تمام یورپ متفق ہو کر علانیہ کہہ دے، کہ

ہم الزام اُن کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

(رسائلِ شبلی)

اسلامی کتب خانے

اسلامی قدیم کتب خانون کی یہ ایک نہایت اجمالی تاریخ ہے، اگرچہ اس امر سے کسی شخص کو انکار نہین ہوسکتا کہ تصنیف وتالیف اور علمی ذخیرون کا مرتب ومحفوظ رکھنا مسلمانون کا قومی شعار تھا، اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانون کے عہد مین جس کثرت سے جابجا کتب خانے، اور دارالعلم پائے جاتے تھے، شاید دنیا کی تاریخ مین اس کی نظیر نہین مل سکتی، تاہم یہ سخت تعجب ہے کہ کتب خانون کے حالات مین آج تک کوئی کتاب بلکہ مضمون تک نہین لکھا گیا، جغرافیہ کی کتابون مین کسی شہر کا حال لکھتے ہین، تو ہر قسم کی عمارتون کا ذکر کرتے ہین لیکن کتب خانون کا نام تک نہین آتا، یہی خیال ہے جس نے مجھ کو اس مضمون کے لکھنے پر آمادہ کیا، اگرچہ مین تسلیم کرتا ہون کہ عنوان کے لحاظ سے مضمون کو نہایت مفصل اور وسیع ہونا چاہیے تھا، لیکن جن واقعات کو قدما، نے نظرانداز کر دیا ہو، اُن کے متعلق مشکل سے کچھ اجمالی حالات مل سکتے ہین، اور مفصل تو بالکل نہین ملتے، اس لئے مجبوراً ہمارے ناظرین کو اسی پر قناعت کرنی چاہیے،

یہ مضمون اگرچہ بظاہر عنوان کی حیثیت کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے لیکن اس سے دو اور مہتم بالشان مسئلون کا فیصلہ ہوسکتا ہے، جو تعلیم یافتہ ملکون مین مدت سے زیربحث ہین، اور جن کی نسبت بڑے بڑے مشہور مصنفون نے تعصب آمیز غلطیان کی ہین، وہ مسئلے یہ ہین :-

۱- مسلمانون نے غیرقومون کی یادگارون کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟

(۲) مسلمانون نے غیر قومون کے متعلق جو تاریخی حالات لکھے، کہان تک قابلِ اعتبار ہین؟

اسلام مین کتابون کے جمع کرنے اور کتب خانہ کی صورت مین ترتیب دینے کا زمانہ اگرچہ دولتِ بنی امیہ کے عہد سے شروع ہوتا ہے لیکن اس امر کی تحقیق کے لئے کہ جو خزانہ دولتِ بنی امیہ کے عہد مین جمع ہوا، اس کا سرمایہ کہان سے آیا ہوگا، ہم کو اس سے پیشتر زمانہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، عرب مین شعر و شاعری اور انساب کا چرچا اگرچہ نہایت قدیم زمانہ سے تھا، مگر تحریر کا مطلق رواج نہ تھا، سب سے پہلے جس نے اس فنڈ کی بنیاد ڈالی، وہ قبیلہ طے کے تین شخص تھے، یعنی مرامر، اسلم، عامر، ان لوگون نے یک جا جمع ہوکر حرفون کی شکل اور وضع قرار دی، اور حروفِ ہجا اسی ترتیب سے مقرر کئے، جیسے سُریانی زبان مین تھے، ان لوگون سے حیرہ والون نے سیکھا، حیرہ والون کا ایک شاگرد جس کا نام بشر بن الولید تھا، اور دومۃ الجندل کا رئیس تھا کسی کام سے مکہ معظمہ گیا، وہان ابوسفیان (امیر معاویہؓ کے باپ) سے ملاقات ہوئی، ابوسفیان نے اس سے اس فن کے سیکھنے کی درخواست کی، چنانچہ ابوسفیان اور ابو قیس بن عبد مناف دو شخص اُس کے شاگرد ہوئے، اور چونکہ یہ دونون تجارت کے ذریعہ سے طائف آیا جایا کرتے تھے، طائف مین بھی تحریر کا رواج ہوگیا، بشر نے مصر اور شام مین بھی بہت سے ... لوگون کو شاگرد کیا، اور رفتہ رفتہ اکثر قبائل مین تحریر کا رواج ہوگیا، یہان تک کہ جب اسلام کا ظہور ہوا، تو صرف ایک قبیلہ قریش مین، ۱۷ شخص صاحبِ قلم موجود تھے، جن مین یہ حضرات بھی تھے، عمر بن الخطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عثمان بن عفانؓ، ابوعبیدہ بن الجراحؓ، عورتون مین بھی اس فن کا رواج ہو چلا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ کے گھرانے مین شفا بنت عبداللہؓ اور حضرت حفصہؓ لکھنا پڑھنا جانتی تھین، مدینہ منورہ مین بھی اسلام سے پہلے تحریر کا رواج تھا، جس کے موجد یہودؔ تھے،

سلہ یہ تمام تفصیل فتوح البلدان بلاذری کے خاتمہ مین مذکور ہے،

اس سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اشعار و قصائد جو عرب کے تمدن و معاشرت کی اصلی تصویر ہین، اور جو اب تک زبانی روایت ہوتے آتے تھے، قلمبند ہونے لگے، اور اُن کی حفاظت کا بڑا ذریعہ نکل آیا، چنانچہ سات مشہور قصیدے جو **معلقات** کے نام سے مشہور ہین، آب زر سے لکھے گئے، اور کعبہ پر آویزان کئے گئے،

اسلام کے آغاز یعنی جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ وفات تک جو تحریری سرمایہ وجود مین آیا، وہ قرآن مجید کی متفرق سورتین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہاے مبارک، صلح حدیبیہ وغیرہ کے معاہدے شعراء کے قصائد تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگرچہ تحریر وکتابت کو زیادہ وسعت ہوئی لیکن امیر معاویہؓ کے زمانہ تک جو کچھ سرمایہ وجود مین آیا، وہ زبان یا مذہب کے متعلق تھا، امیر معاویہؓ نے جب دمشق مین تختِ سلطنت پر اجلاس کیا، تو ایک عیسائی طبیب جس کا نام ابن آثال تھا، دربار مین حاضر ہوا، اور امیر معاویہؓ نے اس کی بہت قدر کی، اُس نے اُن کے استعمال کے لئے طب کی بعض کتابین عربی زبان مین ترجمہ کین، اور یہ پہلا اضافہ تھا جو عربی زبان کے سرمایہ مین ہوا،

اگرچہ اس کے بعد عرب کا تحریری سرمایہ برابر ترقی کرتا گیا، لیکن یہ پتہ لگانا مشکل ہو کہ ان تحریرون کو ایک منتظم کتب خانہ کی صورت مین کس نے جمع کیا، اور اس اولیت کا فخر کس کو حاصل ہو، ہمارے مورخین تو ان باتون کو مہتم بالشان نہین سمجھتے کہ اُن کے لئے جداگانہ عنوان بنائین؛ البتہ کہین کسی ضمنی تذکرہ مین کچھ ذکر آجاتا ہو تو اس سے کچھ کچھ پتہ چلتا ہو، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء مین حکیم ماسرجویہ کے حال مین لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ماسرجویہ کی ایک کتاب جو اُس نے سُریانی زبان سے عربی زبان مین ترجمہ کی تھی خزانۃ الکتب (کتبخانہ) مین پائی، اور کتب خانہ سے نکلوا کر اس کے نسخے شائع کرائے، اس تصریح اور نیز اور قرائن سے معلوم ہوتا ہو کہ کتب خانہ کا طریقہ اس عہد سے پہلے قائم ہو چکا تھا، غالباً اول جس شخص نے اس طریقہ

خالد

کی بنا ڈالی، وہ خالد بن یزید بن معاویہ تھا،

مورخ ابن خلدون کو تو تعجب اور انکار ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ مین ایسا مذاق علمی کہان پیدا ہو سکتا تھا، اور اس لئے اُن کے نزدیک خالد کے واقعات افسانہ سے زیادہ رُتبہ نہین رکھتے، لیکن علامہ ابن الندیم نے اس کی نسبت لکھا ہے "کہ خالد بن یزید حکیم کے لقب سے پکارا جاتا تھا، وہ خود قابل تھا، اور بلند ہمتی کے ساتھ علوم کی محبت رکھتا تھا، اس کو صنعت کا خیال آیا، تو اوس نے ان یونانی فلاسفرون کو جمع کیا، جو مصر مین رہا کرتے تھے، اور فصیح بولی بولتے تھے، ان لوگون کو اُس نے حکم دیا کہ صنعت مین جو جو کتابین یونانی اور قبطی زبانون مین ہین اُن کے ترجمے عربی زبان مین کرین"

یہی مورخ ایک دوسرے موقع پر لکھتا ہے، "کہ خالد کے لئے طب، نجوم، کیمیا کی تصنیفات عربی زبان مین ترجمہ کی گئین"، خالد خود بھی مصنف تھا، اور اس کی تصنیفات مین سے جو کتابین مورخ ابن الندیم کے زمانہ تک موجود تھین، اور خود اس مورخ کی نظر سے گذرین، ان کے یہ نام ہین، کتاب الحرارة، کتاب الصحیفة الکبیر، کتاب الصحیفة الصغیر،

ان دو باتون کے ثابت ہونے کے بعد یعنی یہ کہ دولت امویہ مین حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانہ سے پہلے شاہی کتب خانہ قائم ہو چکا تھا، اور یہ کہ خاندان امیہ مین اول جس شخص نے قدیم تصنیفات کی جستجو اور تلاش کی وہ خالد بن یزید تھا، یہ قیاس یقین کے قریب پہنچ جاتا ہے کہ کتبخانہ کی اول جس نے بنیاد ڈالی، وہ یہی خالد تھا، خالد کے بعد تالیفات اور تصنیفات کو بے انتہا ترقی ہوئی، اشعار عرب، لغت، انساب، ایام العرب، غزوات، سیر، تفسیر، حدیث، فقہ، کلام وغیرہ کے متعلق ایک بڑا سرمایہ پیدا ہو گیا، خلیفہ منصور نے غیر زبانون کی سیکڑون کتابین عربی مین ترجمہ کرائین، یہان تک کہ خلیفہ ہارون الرشید نے اس عجیب و غریب عظیم الشان دار العلم کی

بنیاد ڈالی جس کا نام بیت الحکمۃ تھا،

یہ بیت الحکمت دو حصون مین منقسم تھا، ایک کتب خانہ کے لئے خاص تھا، اور دوسرا غیر زبانون کے ترجمہ کے لئے اس عظیم الشان کتب خانہ مین عربی زبان کے علاوہ ہندی، فارسی، یونانی، قبطی، کالڈی زبانون کی بے شمار کتابین مہیا کی گئی تھین، یحیی بن خالد برمکی نے جو ہارون الرشید کا وزیر اعظم اور خلافتِ عباسیہ کا چشم وچراغ تھا، ہندوستان مین قاصد بھیجے، اور بڑے بڑے نامی پنڈت اور حکیمون کو دربار مین بلوایا، یہی پنڈت تھے، جن کی وجہ سے ہندوستان کا بہت بڑا علمی سرمایہ بغداد مین پہنچا، فارسی تصنیفات زیادہ کثرت سے فراہم ہوئین، کیونکہ خاندانِ برامکہ فارسی الاصل تھا، اور ان کو اپنی زبان اور علوم کے ساتھ نہایت محبت اور شیفتگی تھی، اسی کا اثر تھا کہ کتبخانہ کے افسر فارس کے خاندان سے تھے، ہارون الرشید نے کتابون کی فراہمی اور تدوین کے ذوق مین نہایت بے تعصبی سے کام لیا، جس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ **علان شعوبی** کو بیت الحکمۃ مین ترجمہ وکتابت کی خدمت پر مقرر کیا، حالانکہ یہ شخص ہمیشہ عرب کی ہجو گوئی مین مصروف رہتا تھا، اور قبائلِ عرب مین سے ہر قبیلہ کے عیوب مین الگ الگ کتاب لکھی تھی،

مامون الرشید نے اپنے عہد مین اس کتاب خانہ کو نہایت ترقی دی، اور بہت سے ایرانی علماء اس کے مہتمم اور افسر مقرر کئے، جن مین اکثر مثلاً سہل بن ہارون، سعید بن ہارون وغیرہ شعوبی[1] تھے، جو عرب کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور اُن کے عیوب کی پردہ دری کرتے رہتے تھے، اس سے یہ نہین خیال کرنا چاہیئے کہ مامون کو قومی حمیت کا پاس نہ تھا، لیکن مشکل یہ تھی کہ فارس کی تصنیفات کے زیادہ تر واقف کار یہی شعوبی تھے، اور اس لئے اُن کے انتخاب سے چارہ نہ تھا،

[1] شعوبی ایک عجمی فرقہ تھا، جو عرب کی تحقیر و مذمت کرتا تھا، اور ان کے عیوب کی پردہ دری کرنا اپنا فرض جانتا تھا،

اس کے سوا مامون الرشید کو فارس کے ساتھ ایک خاص تعلق بھی تھا، وہ ماں کی طرف سے فارسی الاصل تھا، فضل بن سہل جو اس کا وزیر اعظم اور خلافت کا بانی تھا، فارسی تھا، اوس کے اکثر درباری بھی فارسی نسل سے تھے، ابتداے خلافت مین جب وہ مرو مین رہا کرتا تھا، فارسی اثر اس پر اس قدر غالب آگیا تھا کہ فارسی ہی تصنیفات پیش نظر رکھتا تھا، اور وضع، لباس، طریق انتظام، بلکہ خیالات مین بھی فارسیون ہی کی تقلید کرتا تھا، یہان تک کہ اردشیر کے تزک کو دستور العمل قرار دیا تھا، اس لحاظ سے یہ تعجب کی بات نہین کہ اُس نے فارسی تصنیفات کی طرف زیادہ توجہ کی، لیکن وہ اور زبانون کی تالیفات کے بہم پہنچانے مین بھی بڑے شوق سے مصروف رہا، یونانی کتابون کے جمع کرنے اور ان کے ترجمے کرانے مین اس نے جو تعجب انگیز کوششین کین، ان کو ہم گذشتہ تعلیم اور المامون مین بتفصیل لکھ چکے ہین،

مامون نے اس عظیم الشان کتب خانہ مین عرب جاہلیت کے زمانہ کا بہت کچھ سرمایہ جمع کیا تھا، جاہلیون کے قصائد اور اشعار کے علاوہ اس زمانہ کے خطوط، دستاویزات، معاہدے، جہان تک مل سکے، نہایت کوشش سے فراہم کئے تھے، اس کتب خانہ مین عبد المطلب بن ہاشم کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرضہ کا ایک رقعہ موجود تھا، جو چمڑے پر لکھا ہوا تھا، اور اُس کے یہ الفاظ تھے،

حق عبد المطلب بن هاشم من اهل مكة على فلان بن فلان الحميري من اهل وزل صنعا، عليه الف درهم فضة كيلا بالحديدة ومتى دعاه بها اجابه شهد الله والملكان[1]

ابن ابی الحریش جو ایک مشہور جلد ساز تھا، کتب خانہ مین جلد سازی کے کام پر مامور تھا، مامونی کتب خانہ کی وسعت اور کتابون کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ باوجود اس کے

[1] کتاب الفہرست لابن الندیم ص ۵،

کہ بغداد پر اکثر تباہیاں آئین اور انقراضِ زمانہ سے اس کے علمی خزانے ہمیشہ برباد ہوتے رہے، تاہم اس کتب خانہ کی بچی کھچی بہت سی کتابیں ساتوین صدی ہجری تک موجود تھین، جو خوش قسمتی سے علامہ ابن ابی اصیبعہ کو ہاتھ آئین، علامہ موصوف نے ان کتابون کا ذکر حنین بن اسحاق کے ترجمہ مین کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان پر حنین کے ہاتھ کی تحریرین تھین، اور مامون کا طغرا بنا ہوا تھا،

مامون کے عہد سے کتابون کے جمع کرنے کا شوق تمام بغداد مین پھیل گیا، اکثر وزرا، و امرا، بلکہ عام علما، بڑے بڑے کتب خانے رکھتے تھے، اور کتابون کے مہیا کرنے مین بے دریغ روپیہ صرف کرتے تھے، فتح بن خاقان، متوکل باللہ کے وزیر نے جو عظیم الشان کتب خانہ جمع کیا تھا، اُس کا مہتمم علی بن یحیی منجم تھا، اس زمانہ مین عموماً بے نظیر خیال کیا جاتا تھا، محمد بن عبد الملک زیات جو خلیفہ واثق باللہ کا وزیر تھا، کتابون کی نقل و کتابت و ترجمہ پر ماہوار دس ہزار روپیہ صرف کرتا تھا، ابن الندیم نے کتاب الفہرست مین لکھا ہے کہ "علامہ واقدی نے جب وفات کی تو چھ سو قمطر کتابین چھوڑین اور ہر قمطر دو آدمیون کا بوجھ تھا، حالانکہ مرنے سے پہلے وہ اپنے کتبخانہ کا ایک حصہ دو ہزار اشرفیون کو بیچ چکے تھے"،

یہ شوق برابر ترقی کرتا گیا یہانتک کہ چوتھی صدی مین تمام ممالکِ اسلام مین جابجا کثرت سے کتب خانے تیار ہوگئے، چنانچہ اس صدی کے بعض مشہور اور نادر کتب خانون کا ذکر ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ کرتے ہین،

اس زمانہ مین غالباً سب سے بڑا کتب خانہ جو تیار ہوا وہ اسپین کا کتب خانہ تھا، جس کو حکم مستنصر نے قائم کیا تھا، مورخ ابن خلدون و صاحب نفح الطیب نے اس کتب خانہ کی جو کیفیت لکھی ہے، وہ درحقیقت تعجب انگیز ہے، حکم خاندانِ بنی امیہ کا (جو اسپین مین حکومت کرتے تھے) ایک مشہور خلیفہ تھا، اس کی سلطنت نہایت وسیع اور منتظم تھی، وہ بہت بڑا وسیع النظر عالم تھا،

اور کتابون کے جمع کرنے کا اس قدر شائق تھا کہ ملک کا خراج اس کے مصارف کے لئے کافی نہین ہوتا تھا، اسپین، شام، مصر، بغداد، فارس، خراسان کے اضلاع مین اس کے سیکڑون گماشتے، اور سوداگر اس کام پر مامور تھے کہ نادر اور عمدہ قدیم و جدید کتابین بہم پہنچائین، علامہ ابو الفرج اصفہانی نے جب کتاب الاغانی ختم کی تو حکم نے خاص قاصد بھیجا کہ "قبل اس کے کہ یہ کتاب ان ممالک مین شائع ہو، ہمارے کتب خانہ مین آجائے" چنانچہ چار ہزار روپیہ پر یہ کتاب خریدی گئی، اور سب سے پہلے حکم کے کتب خانہ مین داخل ہوئی، قاضی ابو بکر ابہری کی تصنیف بھی اسی طرح بہم پہنچائی گئی، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کتب خانہ چار لاکھ کتابون پر مشتمل تھا، مورخ ابن خلدون و ابن الآبار نے تصریح کی ہے کہ صرف اشعار و قصائد کے مجموعون کی جو فہرست مرتب کی گئی تھی، وہ آٹھ سو اسی صفحون مین تھی"

حکم کو نایاب کتابون کے بہم پہونچانے کے ساتھ اُن کی درستی، اور زیب و زینت کا بھی شوق تھا، اس غرض سے اُس نے نہایت نامور اور باکمال خوش نویس، مصحح، جلد ساز جمع کئے تھے، اور اون کو بیش قرار تنخواہین دیتا تھا، اگرچہ یہ کتب خانہ خود حیرت انگیز تھا، لیکن بانی کتب خانہ کی وسعت نظر اس سے زیادہ تعجب انگیز ہے، مورخون نے بیان کیا ہے کہ ان مین سے اکثر کتابین اس کی نظر سے گزری تھین، اور ان پر اُس نے مفید حاشیے چڑھائے تھے، ہر کتاب کے شروع مین وہ مصنف کا نام و نسب مولد و وفات لکھتا تھا، اور ایسے عجیب و غریب نکتے، اور فوائد درج کرتا تھا، جن کا پتہ اس کی تحریر کے سوا، اور کہین نہین مل سکتا تھا،

حکم نے ۳۶۶ھ مین وفات پائی،

اسلامی دنیا کا دوسرا حصہ جو عباسیون کے زیر نگین تھا، اس مین دولت عباسیہ کے ضعف

کی وجہ سے طوائف الملوکی ہو گئی تھی، اور ہر جگہ الگ الگ تاج و تخت کے دعویدار پیدا ہو گئے تھے، بخارا مین سامانی خاندان کی حکومت تھی، جرجان مین قابوس بن وشمگیر فرمانروا تھا، شام کے اضلاع بنو حمدان کے ہاتھ مین تھے، شیراز آل بویہ کا پایہ تخت تھا، مصر مین فاطمیین فرمانروا تھے، لیکن یہ عجیب اتفاق تھا کہ یہ سب صاحب علم تھے، اور اہل علم کے نہایت قدردان تھے، ان میں سے ہر ایک نے بڑے بڑے کتب خانے قائم کئے تھے، اور بے شمار کتابین جمع کی تھین،

نوح

نوح بن منصور نے (بخارا کا بادشاہ اور بڑی سطوت و جبروت کا بادشاہ تھا) جو کتبخانہ قائم کیا تھا، وہ اس زمانہ مین بہت سی حیثیتون کے لحاظ سے بے نظیر خیال کیا جاتا تھا علامہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ اس عدیم المثل کتب خانہ مین ہر علم و فن کی کتابین تھین، اور اُن مین بہت سی ایسی تھین جن کا پتہ اس کتب خانہ کے سوا اور کہین نہین مل سکتا تھا" شیخ بو علی سینا نے اپنے حال مین بیان کیا ہے کہ "فلسفہ وغیرہ کی کتابین جو مین نے یہان دیکھین کہین نہین دیکھی تھین اور نہ اورون نے اُن کو دیکھا ہوگا" بو علی سینا نے اس کتب خانہ کی صورت یہ بیان کی ہے کہ ایک بہت بڑا مکان ہے، جس مین بہت سے کمرے ہین، ہر کمرے مین متعدد صندوق ہین، جن مین کتابین اوپر تلے رکھی ہوئی ہین، ہر فن کے لئے جدا کمرہ ہے[۱]"

عضد الدولہ

عضد الدولہ کی سلطنت نہایت وسیع تھی، اور اس زمانہ مین سب سے زیادہ ممالک اسی کے قبضۂ اختیار مین تھے، فارس سے لیکر موصل و جزیرہ تک اس کا عمل تھا، اور خود بغداد مین اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، وہ قابلیتِ حکومت کے ساتھ بہت بڑا شاعر تھا، اور علوم و فنون مین کامل دستگاہ رکھتا تھا، اُس نے شیراز مین ایک عالیشان کتبخانہ

[۱] ابن خلکان تذکرہ شیخ بو علی سینا،

قائم کیا، جس مین اس بات کا التزام کیا تھا کہ جس قدر کتابین شروع اسلام سے اس کے عہد تک تصنیف ہو چکی تھین، سب مہیا کی جائین، افسوس ہے کہ باستثناے علامہ بشاری کے کسی مورخ نے اس کتب خانہ کا حال نہین لکھا، علامۂ مذکور کی یہ عنایت بھی اس وجہ سے ہے کہ کتب خانۂ مذکور اُس عجیب و غریب عمارت کا ایک حصہ تھا جس کی نسبت علامہ بشاری کا بیان ہے کہ مین نے تمام ممالکِ اسلامیہ مین ایسی عمارت نہین دیکھی، اور مین قیاس کرتا ہون، کہ وہ بہشت کے نمونہ کے موافق بنائی گئی ہے" علامۂ بشاری نے شیراز مین عضدالدولہ کے شاہی محل کا جہان ذکر کیا ہی، لکھا ہے کہ اسی عمارت مین یہ عظیم الشان کتب خانہ بھی تھا جس کی صورت یہ ہے کہ ایک نہایت لمبا مکان ہے اور اس مین ہر طرف متعدد کمرے ہین جن مین بہت سی آلماریان دیوار سے لگی کھڑی ہین، یہ آلماریان تین تین گز چوڑی اور قدِ آدم اونچی ہین، لکڑی عموماً منقش اور مذہب ہے، ہر فن کے لئے جدا کمرہ ہے، اور اُس کی جُدا گانہ فہرست ہے، کتب خانہ کے اہتمام و نگرانی کے لئے وکیل اور خزانچی و محاسب مقرر ہین، اور بجز معززآدمیون کے کسی شخص کا وہان گذر نہین ہو سکتا"

سیف الدولہ تیغ و قلم دونون کا مالک تھا، اور اس قدر علم دوست تھا کہ بقول امام ثعلبی کے اس کے دربار مین جس قدر شعرا اور اہلِ کمال جمع ہوئے، خلفائے عباسیہ کے سوا کبھی کسی کے دربار مین نہین جمع ہوئے، حکیم ابو نصر فارابی اسی کے دربار کا وظیفہ خوار تھا سیف الدولہ کو فنِ ادب کی طرف زیادہ میلان تھا، اس لئے اُس نے اپنے کتب خانہ مین زیادہ تر اسی فن کی کتابین جمع کین، چنانچہ فنِ ادب کا ذخیرہ جس قدر اس کتب خانہ مین مہیا ہوا، اور کہین نہین ہوا ہوگا،

محمد بن ہاشم اور اس کا بھائی کہ دونون فنِ شاعری مین ممتاز تھے، اس کتب خانہ کے

مہتمم اور افسر تھے،

اگرچہ یہ تمام کتب خانے بجائے خود بڑے بڑے دار العلوم تھے، لیکن ان سب کا سرتاج اور اسپین کے نامور کتب خانہ کا حریف مقابل فاطمیین مصر کا کتب خانہ تھا جس کے حالات علامہ مقریزی نے کتاب الخطط والآثار مین کسی قدر تفصیل سے لکھے ہین،

یہ کتب خانہ شاہی محل کا ایک حصہ تھا، اور چالیس جدا جدا کتب خانون پر مشتمل تھا، جن مین سے ایک کتب خانہ مین صرف علوم قدیمہ یعنی فلسفہ وغیرہ کی اٹھارہ ہزار کتابین تھین بعض مورخون نے دعویٰ کیا ہے کہ کل اسلامی دنیا مین اس کے برابر کوئی کتب خانہ نہ تھا، اس امر مین کہ اس کی کتابون کی مجموعی تعداد کیا تھی، مورخون کے مختلف اقوال ہین، ابن الطویر نے دو لاکھ، ابن ابی واصل نے ایک لاکھ تیس ہزار، اور ابن ابی طے نے چھ لاکھ ایک ہزار بیان کی ہے، غالباً یہ اختلاف اس وجہ سے ہوگا کہ ابن ابی طے وغیرہ نے ایک ہی کتاب کے مختلف نسخون کو الگ الگ کتاب شمار کیا، کیونکہ اس کتب خانہ کی یہ بھی ایک خصوصیت تھی کہ ایک ایک کتاب کے مختلف نسخے موجود تھے، اور ہر نسخہ کسی خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھا، چنانچہ ایک دفعہ خلیفہ عزیز باللہ کے دربار مین کتاب العین کا ذکر آیا، تو اُس کے حکم سے داروغہ کتب خانہ نے کتاب مذکور کے تیس ۳۰ نسخے نکال کر پیش کیے، جن مین سے ایک خود مصنف یعنی خلیل بن احمد بصری (موجد نحو) کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا،

اکثر کتابین مطلا و مذہب اور جلدین عموماً زرین تھین، قدیم یادگارون کا یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ مشہور خوشنویس مثلاً ابن مقلہ و ابن البواب کے قلم کے تراشے جمع کیے گئے تھے، اور اُن کو صندوقون مین بھر کر نہایت احتیاط سے رکھا تھا، بطلیموس کے ہاتھ کا بنایا ہوا کرہ جس پر ۲۲۵۰ برس گذرے تھے، اس کتب خانہ مین موجود تھا[1]، ایک اور کرہ تھا جس کو ابوالحسن صوفی نے عضد الدولہ

[1] اسپین کے شاہی محل مین مسلمانون کے زمانہ کی کچھ بچی کھچی کتابین اس وقت موجود ہین، سو برس سے زیادہ ہوے

کے لئے بنایا تھا، اور جو پندرہ ہزار روپیے کو خریدا گیا تھا،

کتب خانون کے قائم کرنے کا شوق سلاطین اور والیانِ ملک پر محدود نہ تھا، بلکہ اس زمانہ کے اکثر علماء اور عہدہ داران ملکی کتب خانون کو لازمۂ عزت سمجھتے تھے، ابو نصر سہل بن مرزبان نے جو نیشاپور کا ایک نامور امیر تھا، اپنی تمام دولت کتابون کے جمع کرنے مین صرف کردی، اور صرف کتابون کی تلاش و جستجو مین اکثر بغداد کا سفر کیا، اور نادر کتابین بہم پہنچائین[1]،

صاحب بن عباد کو جب نوح بن منصور نے وزارت کے لئے بخارا مین طلب کیا، تو اوس نے عذر لکھ بھیجا کہ مجھکو ضروری سازو سامان کے ساتھ لانے مین بڑی زحمت ہوگی، اور صرف کتابون کے لادنے کے لئے چار سو اونٹ درکار ہون گے[2]،

اسی زمانہ مین محمد بن حسین بغدادی نے جو کتب خانہ قائم کیا، وہ نادر اور نایاب کتابون کے اعتبار سے عموماً بے نظیر تسلیم کیا جاتا تھا، علامہ ابن الندیم بغدادی نے باوجود اس وسعتِ نظر کے اعتراف کیا ہے کہ "مین نے ایسا کتب خانہ کہین نہین دیکھا" اس علمی خزانہ کے حالات بہت کم معلوم ہین جس کی وجہ مورخین کی بے پروائی کے سوا، یہ بھی ہے کہ خود محمد بن حسین بانیِ کتب خانہ نے اس کو گمنامی کے پردہ مین رکھنا چاہا تھا، وہ کسی سے اس کا ذکر تک نہین کرتا تھا، اور درحقیقت جو نایاب علمی یادگارین اوس کے کتب خانہ مین موجود تھین، اس کے لحاظ سے یہ احتیاط اور بخل بے جا بھی نہ تھا، علامہ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ مین نے بڑی مشکلون سے محمد بن حسین تک رسائی حاصل کی، اور

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۲) کہ پروفیسر کاسیری نے اُن کی ایک فہرست لاٹین زبان مین لکھی، یہ فہرست دو ضخیم جلدون مین ہے، اور اس مین کہین کہین کتابون کے نام کے ساتھ کتاب کی اصلی عبارتین بھی ہین بطلیموس کے کرہ کا ذکر مین نے اسی فہرست کے ایک عربی حوالہ سے لکھا ہے [1] تیمیۃ الدہر، تذکرہ سہل بن مرزبان [2] تیمیۃ الدہر، تذکرہ صاحب بن عباد،

جب اوس کو میری طرف سے اطمینان حاصل ہوگیا، تو ایک دن اوس نے ایک بڑا تھیلا نکالا جس مین قدیم عرب کے اشعار و قصائد اور بہت سے پرانے دستاویزات اور تحریرین تھین، یہ قصائد اور تحریرین چمڑون پر اور خراسانی، مصری، چینی، تہامی کاغذ پر تھین، مین نے ان کو خوب الٹ پلٹ کر دیکھا، کہنگی کی وجہ سے اُن کی ہئیت بدل گئی تھی، اور جابجا سے حروف اُڑ گئے تھے، ان مین جو مجموعے اور اجزا تھے، اُن پر اکثر علما کے دستخط اور سندین تھین، اُن مین ایک قرآن مجید خالد بن ابی الہیاج کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، جو حضرت علیؓ کی صحبت مین رہا کرتے تھے، حضرت علیؓ و امام حسنؓ و حسینؓ کے ہاتھ کی متعدد تحریرین تھین، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو خطوط سلاطین و سرداران قبائل کے نام لکھوائے تھے، بجنسہٖ محفوظ تھے، نحو و لغت مین اصمعی، ابن الاعرابی، سیبویہ، فراء، کسائی، وغیرہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابین اور رسالے تھے، اسی طرح حدیث مین سفیان بن عیینہ، ثوری اوزاعی وغیرہ کے ہاتھ کی تحریرین تھین[1]،

علامہ ابن الندیم کا بیان ہے کہ اسی کتب خانہ کی بدولت مجھ کو اس بات کا علم ہوا کہ فن نحو ابوالاسود دولی کی ایجاد ہے، وہ لکھتے ہین کہ مین نے چار ورق کا ایک رسالہ دیکھا جو چینی کاغذ پر لکھا ہوا تھا، اور جس کے شروع مین یہ الفاظ تھے، فیہا کلام فی الفاعل والمفعول من ابی الاسود الدؤلی بخط یحیی بن یعمر، اس تحریر کے نیچے چند قدیم علمائے نحو کے دستخط تھے،

"ابو جعفر احمد بن عباس نے جو کتب خانہ قائم کیا، اس مین چار لاکھ مجلد کتابین تھین[2]"

قدیم کتابون کی تلاش و جستجو مین جو مسلمانون کو شغف اور اہتمام تھا، وہ درحقیقت حیرت انگیز ہی اُس زمانہ مین قدیم سے یہ روایت چلی آتی تھی کہ اسلام سے پہلے ایرانیون مین

---

[1] کتاب الفہرست ص ۴۱ [2] نفح الطیب، مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۳۰۸،

جب علوم وفنون کی ترقی تھی، تو اُن کو یعنی ایرانیون کو یہ خیال آیا کہ کتابون کو ایسی حفاظت سے رکھنا چاہیئے کہ زمانہ دراز تک تلف نہ ہونے پائین، اس غرض سے وہ تمام علمی کتابین ایک درخت کی چھال پر جس کو فارسی مین خدنگ اور عربی مین توز کہتے ہین، اور جو نہایت مضبوط ہوتی تھی، لکھوایا کرتے تھے، جب اس قسم کا بڑا سرمایہ جمع ہوگیا، تو انھون نے اصفہان کے اضلاع مین سے کہندژ مین ایک بڑا کتب خانہ بنوایا، اور یہ تمام کتابین وہان رکھوادین، کیونکہ تمام ایران مین آب وہوا کے اعتدال کے لحاظ سے اس سے بہتر کوئی مقام نہ تھا، اسلام کے دور تک اگرچہ انقراضِ زمانہ کی وجہ سے اس کتب خانہ کا نام ونشان نہین رہا تھا، لیکن چونکہ یہ روایت عموماً مشہور تھی، اس لئے اکثر شایقین بالخصوص اصفہان کے عہدہ دارانِ ملکی ہمیشہ اس کی تلاش وجستجو مین رہتے تھے، چنانچہ مختلف وقتون مین کچھ کچھ سرمایہ ہاتھ آیا، ابو معشر فلکی نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ سے بہت پہلے کا واقعہ ہے کہ اس عمارت کا ایک حصہ ڈھ گیا، اور اس مین نہایت قدیم زمانہ کی بہت سی کتابین نکلین، جو قدیم فارسی زبان مین تھین، چنانچہ جو لوگ اس زبان کو جانتے تھے، انھون نے اس کو پڑھا، ابن الندیم نے بیان کیا ہے کہ ۳۵۰ھ مین اسی عمارت کے ایک اور حصہ مین بہت سی کتابین نکلین لیکن کسی سے پڑھی نہین گئین، ابن الندیم نے اس روایت کے بعد لکھا ہے کہ جو کچھ مین نے اپنی آنکھون سے دیکھا، وہ یہ ہے کہ ابن العمید نے ۳۴۰ھ مین بہت سی کتابین بغداد مین بھیجین، جو اصفہان کی شہر پناہ سے صندوقون مین رکھی ہوئی ملی تھین، یہ کتابین یونانی زبان مین تھین، اور چونکہ چمڑے پر لکھی ہوئی تھین، نہایت متعفن ہوگئی تھین، مدت تک اُن کو دھوپ دی گئی، تب جاکر درست ہوئین، یوحنا وغیرہ نے جو یونانی زبان جانتے تھے، ان کتابون کو پڑھا، اور اُن کے مضامین پر اطلاع حاصل کی،[1]

[1] کتاب الفہرست، ص ۲۴۱،

فارس، عراق، شام مین جس اہتمام اور شوق سے ہزارون کتب خانے قائم ہوئے اسپین نے اوس سے بھی زیادہ فیاضیان دکھائین، قرطبہ (کارڈوا) مین یہ عام دستور ہوگیا تھا کہ ہر امیر ایک جدا کتب خانہ قائم کرتا تھا، اور اس بات کی سخت کوشش کرتا تھا کہ اوس کے کتب خانہ مین ایسی نایاب کتابین ضرور ہون جو کہین نہ پائی جائین، یہ طریقہ لازمہ امارت خیال کیا جاتا تھا، اور امرا آپس مین کتب خانون کے قائم کرنے پر مفاخرت اور حوصلہ آزمائیان کرتے تھے، یہ طریقہ اس قدر عام ہوگیا تھا کہ جو امرا تعلیم یافتہ نہین ہوتے تھے، اُن کو بھی فخر و نمود کے لحاظ سے ایسا کرنا پڑتا تھا، مورخ مقری نے اسپین کی تاریخ مین جہان اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، ایک حکایت نقل کی ہے کہ

اسپین کا ایک قصہ

"اس زمانہ مین حضرمی ایک عالم تھے، جن کو مدت سے ایک کتاب کی تلاش تھی، اتفاق سے ایک دن وہی کتاب نیلام ہورہی تھی، انھون نے خریدنا چاہا، لیکن ایک اور شخص اوس کے دام بڑھاتا جاتا تھا، یہان تک کہ قیمت کتاب کی حیثیت سے بہت بڑھ گئی، انھون نے تعجب سے پوچھا کہ شاید آپ اس کتاب کے بڑے نکتہ شناس اور قدردان ہین، اس نے کہا مین تو جاہل شخص ہون لیکن چونکہ یہ کتاب میرے کتبخانہ مین نہ تھی، اس لئے جس قیمت پر ملے گی مین اسکو ضرور خریدونگا"

اس زمانہ مین کتابون کی قدردانی کی یہ نوبت پہنچی تھی کہ ابو علی قالی (المتوفی ۳۷۹ھ) کے پاس جمہرۃ العرب، کا ایک نسخہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، جس کی قیمت تین سو مثقال سونا ملتا تھا، لیکن انھون نے کتاب کو الگ کرنا گوارا نہ کیا،

اگرچہ تمام ممالک اسلامیہ مین نہایت کثرت سے جا بجا کتب خانے قائم ہوگئے تھے، لیکن تیسری صدی، بلکہ چوتھی صدی کے آغاز تک کسی پبلک کتب خانہ کا پتہ نہین ملتا، جن کتبخانون کا اوپر ذکر ہوا وہ لوگون کے ذاتی کتب خانے تھے، غالبًا سب سے پہلے جس نے اس عمدہ طریقہ

کی بنیاد ڈالی، وہ سابور بن اردشیر ایک امیر تھا، جس نے ۳۸۲ھ مین بغداد مین ایک دار العلم بنوایا،
پہلا پبلک کتبخانہ
اور بہت سی کتابین عام لوگون کے مطالعہ کے لئے وقف کین، اس کے بعد ۳۹۵ھ مین حاکم بامر اللہ نے جو فاطمی خاندان سے مصر کا فرمان روا تھا، ایک بڑا عظیم الشان عام کتب خانہ تعمیر کیا،

مصر کا دار العلم
یہ کتب خانہ جس کو مورخین نے ہمیشہ **دار العلم** کے نام سے یاد کیا ہے، بڑی شان و شوکت سے کھولا گیا، اور بہت سے قرا، منجمین، اطبا رسم افتتاح مین حاضر ہوے، اور کتابون کی سیر کی، مکان بڑے ساز و سامان سے آراستہ کیا گیا تھا، اور تمام دروازون اور گذرگاہون پر پُر تکلف پردے لٹکائے گئے تھے، کتابون کے مطالعہ اور نقل اور کتابت کی عام اجازت تھی، اور اس غرض سے کاغذ، دوات قلم وغیرہ خود کتب خانہ کی طرف سے ہمیشہ مہیا رہتا تھا، بہت سے فقہا، اطبا، منطقین، ریاضی دانون کی تنخواہین مقرر کی گئیں کہ ہمیشہ کتب خانہ مین حاضر رہین، اور اپنی معلومات کو ترقی دین، چنانچہ ایک بار ۴۰۳ھ مین حاکم بامر اللہ نے ان بزرگون کو مناظرہ کے لئے طلب کیا، اور دیر تک صحبت کے بعد ہر ایک کو خلعت اور انعام عطا کئے، ۴۰۵ھ مین اس کے دائمی مصارف کے لئے بہت سے مکانات اور دوکانین وقف کین،

پبلک کتبخانون کا عام رواج
اس زمانہ سے پبلک کتب خانون کا طریقہ عام ہو گیا، اور تمام ممالکِ اسلامیہ مین سیکڑون ہزارون کتب خانے قائم ہو گئے، کتب خانون کی کثرت کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ اسی زمانہ کے قریب مدرسون اور یونیورسٹیون کی بنیاد پڑی، اور ہر مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ کا ہونا ایک لازمی بات قرار پائی، نظام الملک جس نے **نظامیہ بغداد** کی بنیاد ڈالی، اوس نے عام حکم دیدیا تھا کہ تمام اسلامی ممالک مین جہان جس جگہ کوئی ممتاز عالم ہو، اس کے لئے ایک مدرسہ اور مدرسہ کے ساتھ ایک کتب خانہ تعمیر کیا جائے[1]، چنانچہ اوس کے زمانہ مین سیکڑون ہزارون مدرسے اور کتب خانے قائم ہو گئے،

[1] زبدۃ النصرۃ تاریخ آل سلجوق مطبوعہ یورپ ص ۵۷،

اور یہ طریقہ عموماً رواج پذیر ہوگیا، مدرسون کے سوا مسجدین بھی اس غرض کے لئے استعمال کی جانے لگین، اور اسی کا بقیہ اثر ہے کہ آج قسطنطنیہ وغیرہ مین جس قدر مشہور مسجدین ہین ہر ایک کے ساتھ ایک بڑا کتبخانہ بھی ضرور ہے،

پہلے سوال کا جواب

کتب خانہ کی اس اجمالی تاریخ بیان کرنے کے بعد ہم کو ان سوالات کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، جن کو ہم آغاز مضمون مین لکھ آئے ہین، ان مین سب سے اہم سوال یہ ہے کہ مسلمانون نے دوسری قومون کی علمی یادگارون کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ پروفیسر زخاؤ جو زمانۂ حال کا جرمن عالم ہے، اور جس نے ابوریحان بیرونی کی کتاب الہند پر نہایت محققانہ دیباچہ لکھا ہے، کتاب الہند کے دیباچہ مین لکھتا ہے کہ "مسلمانون نے کبھی قدیم باتون کی کچھ پروا نہ کی، اور اس وجہ سے قدیم قومون کی نسبت جو کچھ وہ کہتے ہین، وہ افسانہ کے قریب قریب ہوتا ہے"،

پروفیسر مذکور عربی زبان مین کامل مہارت رکھتا ہے، اور مسلمانون کے متعلق اُس کی معلومات کچھ کم نہین، اس لئے یہ قیاس نہین کیا جاسکتا کہ وہ مسلمانون کے اس اہتمام و توجہ کا منکر ہوگا، جو انھون نے یونان کے علوم و تصنیفات کی طرف مبذول کی، اس لحاظ سے غالباً اس کا یہ اعتراض ہندوستان، فارس، بابل کی نسبت ہوگا،

فارس کی علمی تاریخ

اس سوال کے حل کرنے کے لئے ہم کو نہایت اختصار کے ساتھ فارس کی علمی تاریخ بیان کرنی چاہئے، موجودہ وسائل علمی سے جہان تک معلوم ہوسکا ہے، فارس مین علوم و فنون اور اسباب تمدن کا ظہور جمشید کے زمانہ مین ہوا، اور اسی زمانہ مین ہیئت و ہندسہ جغرافیہ کی کتابین لکھی گئین، ضحاک نے گو جمشید کی سلطنت کو برباد کردیا، لیکن علمی سرمایہ کو کچھ نقصان نہین پہنچایا، بلکہ قدر ہی کے نام پر ایک نیا شہر آباد کرکے برجون کے تعداد کے موافق ۱۲ محل بنوائے،

اور ان محلون مین علمی کتابین جمع کین، اس زمانہ سے اسکندریہ کے زمانہ تک گو بڑے بڑے انقلابات ہوئے جن مین ان خزانون کا برباد ہونا بھی ایک ضروری امر تھا لیکن چونکہ تمدن و تہذیب کو ترقی تھی، اس لئے جو سرمایہ فنا ہوتا تھا، بجائے اس کے دوسرا پیدا ہوجاتا تھا یہان تک کہ اسکندر یونانی کا زمانہ آیا، اس نامور شہنشاہ کے عجیب و غریب کارنامون نے اگرچہ اس کے عیوب کو بالکل چھپا دیا ہے، تاہم مورخون کی نگاہ سے یہ امر پوشیدہ نہین رہ سکتا کہ اوس نے فارس کے تمام علمی خزانون کو برباد کر دیا، کتابین جلادین، پتھر کی چٹانین اور سلین جن پر کتبے اور تاریخی واقعات کندہ تھے، توڑ پھوڑ کر برابر کر دیئے، البتہ اتنا کیا کہ کتابون کو جلانے سے پہلے جہان تک ممکن ہوا یونانی زبان مین اون کے ترجمے کرائے، اور ان کو اسکندریہ بھیج دیا، سکندر کے بعد ایک مدت تک فارس مین طوائف الملوکی رہی، اور علوم و فنون کے ساتھ کچھ اعتنا نہین کیا گیا، یہان تک کہ ساسانیون کا دور شروع ہوا، اور اردشیر بابک نے طوائف الملوکی کو مٹا کر ایک وسیع سلطنت قائم کی، اردشیر نے علوم و فنون کو دوبارہ زندہ کیا، اور ہندوستان روم اور چین سے علمی ذخیرے جمع کئے، اردشیر کے بعد اُس کا بیٹا سابور اور سابور کے بعد نوشیروانِ عادل نے علوم و فنون کو اور بھی زیادہ ترقی دی،

ان واقعات سے ظاہر ہوگا کہ اسلام کا قدم جب فارس مین پہنچا، تو جو کچھ علمی ذخیرہ وہان موجود تھا، ساسانیون کے زمانہ کا تھا، اور ہم دعویٰ کرتے ہین کہ مسلمانون نے جہان تک اُن کے امکان مین تھا، اس ذخیرے کو بڑے اہتمام اور بڑی جد و جہد سے محفوظ رکھا،

ابتدائے فتح اور انقلابِ سلطنت کے ہنگامہ مین اگر کوئی سرمایہ خود بخود برباد ہوا ہو اور ایسا ہونا قدرتی بات ہی، تو اس کے ہم ذمہ دار نہین ہین، اس کے ساتھ اس بات کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے کہ اس زمانہ (یعنی ابتدائے خلافتِ عباسیہ) تک مسلمانون کو اپنے ہی علوم و فنون

کی تدوین وترتیب کا خیال نہ تھا، اس کی نسبت یہ توقع رکھنی عبث ہے کہ وہ دوسرون کی زبان اور علوم پر توجہ کرتے، اسلام مین باقاعدہ اور منتظم طور پر علمی کارنامون کی ابتدا خلیفہ منصور کے عہد مین ہوئی، اور یہی زمانہ ہے جب حدیث، فقہ، تفسیر پر اوّل اوّل کتابین لکھی گئین، مسلمانون کی علمی فیاضیون کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ عین اس وقت جب کہ اون کو اپنے مذہبی علوم کی حفاظت وترتیب کا اہم کام پیش تھا، اسی وقت وہ غیر قومون کی علمی یادگارون کے بہم پہنچانے مین بھی مصروف تھے،

خلیفہ منصور نے ایک طرف تو امام مالکؒ کو بلاکر حدیثون کے جمع کرنے اور ایک کتاب مستقل لکھنے کی ہدایت کی، دوسری طرف ایرانیون کی سب سے قدیم اور مفصل تاریخ کا جس کا نام سکیکین تھا، اور جو فارسیون کے نزدیک ایسی ہی عزت رکھتی تھی جیسی کہ ہندوؤن کے نزدیک مہابھارت، ترجمہ کرایا،

فارسی تصنیفات کے تراجم،

مسلمانون مین ایک گروہ کثیر گذرا ہے جو صرف فارسی تصنیفات کے ترجمہ مین مصروف تھا، جن مین سے چند نامور شخصون کا ذکر علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست مین کیا ہے، اور وہ یہ ہین، فضل بن نوبخت، عبداللہ بن المقفع، موسیٰ بن خالد، یوسف بن خالد، علی بن زیاد، حسن بن سہل، احمد بن یحییٰ البلاذری، جبلہ بن سالم، اسحٰق بن یزید، محمد بن الجہم برمکی، ہشام بن القاسم، موسیٰ بن عیسیٰ الکردی، زادویہ اصفہانی، محمد بن بہرام، بہرام بن مردان شاہ، عمر بن الفرخان،

فارس کے علوم وفنون مین سے شاید ہی کوئی ایسا فن رہا ہو، جس کی تصنیفات بہم نہ پہنچائی گئین اور اسی پر نہین اکتفا کیا گیا بلکہ ان کے ترجمے بھی شائع کئے گئے،

فارسی فن تاریخ کی کتابین،

چنانچہ فن تاریخ مین رستم واسفندیار نامہ، بہرام نامہ، شہرزاد با پرویز، کارنامۂ نوشیروان، تاج نامہ، دارا وبت زرین، خدائے نامہ، بہرام ونرسی نامہ، نوشیروان، سکتکین،

فنِ اخلاق کی کتابین

فنِ اخلاق مین زادو فرخ، موبد موبدان کی کتاب، الحکم والآداب، مجموعۂ اردشیر، نامۂ بداہو دین فرخ زاد،

فنِ حرب کی کتابین

فنِ سپہگری مین چوگان وگوے، بہرام گور کی کتاب فنِ تیراندازی مین، اور سب سے بڑی مفصل کتاب جس مین قلعون کی فتح کی تدبیرین، قواعدِ جنگ، جاسوسی و دیدبانی وحملہ آوری کے آئین منضبط تھے، اور اردشیر کے عہد مین اس کے استعمال کے لئے تصنیف ہوئی تھی،

اسی طرح فن طب، بیطاری، فلسفہ، منطق وغیرہ مین بہت سی کتابین ترجمہ کی گئین،

شاہان فارس کے فرامین اور توقیعات

کتابون کے علاوہ شاہانِ فارس کے خطوط، فرامین، توقیعات، بڑی تلاش سے بہم پہنچائے گئے، اور اُن کے ترجمے کرائے گئے، چنانچہ نوشیروان، ہرمز بن نوشیروان، اردشیر، موبد موبدان، بزرجمہر کے خطوط و فرامین کا ذکر کتاب الفہرست مین کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے،

فارسی زبان کے ناول اور قصے

ناول اور قصے گو مسلمانون کو چندان مرغوب نہ تھے تاہم اُن کی طرف سے بھی بے پروائی نہین کی گئی، ان مین سے جن کتابون کا عربی زبان مین ترجمہ کیا گیا، وہ یہ ہین، ہزار داستان، یوسغاس، چند خسروا، مرتین، افسانہ روزبہ، شغال وخرس، سگ زمانہ، شاہ زنان، نمرود نامہ،

الف لیلہ اصل مین فارس کا ایک ناول ہی

الف لیلہ جس سے زیادہ آج تک دنیا مین کوئی ناول مقبول نہین ہوا، اور جو یورپ کی تمام زبانون مین ترجمہ ہوگیا ہے، فارسی ہی ناول کا ترجمہ تھا جس کا نام ہزار افسانہ تھا، اور جو بہمن کی بیٹی، ہما کے لئے تصنیف کیا گیا تھا[۱]، مسلمانون کی یہ نہایت دیانت داری ہو کہ انھون نے کتاب کا نام بھی نہین بدلا، اور اسی قدیم نام کا لفظی ترجمہ الف لیلہ کر دیا، لیکن چونکہ انھون نے بعض قصے اضافہ کئے، اور بالخصوص طرزِ بیان کو رونق دی، اس لئے لیلۃ کا لفظ اس پر اضافہ کیا، اور الف لیلۃ ولیلۃ نام رکھا،

---

[۱] الف لیلہ کے لئے دیکھو کتاب الفہرست صفحہ ۳۰۴ و مروج الذہب مسعودی ذکر ہیاکل قدیمہ،

فارس کے بانیانِ مذہب کی کتابین

فارس کے بانیانِ مذہب کی تمام کتابین اسلامی کتب خانون مین موجود تھین، اور اگرچہ ان مین سے اکثر اسلامی عقائد کے خلاف تھین، تاہم مزید تحقیقات کے لحاظ سے اُن کے ترجمے کرائے گئے، مانی جس نے سابور بن اردشیر کے زمانہ مین پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا، اس کی ساتون کتابین عربی مین ترجمہ شدہ موجود ہین، ان کے علاوہ اس کے اور اس کے پیروؤن کے ۷۶ رسالے عربی زبان مین ترجمہ کیے گئے

سنسکرت کی تصنیفات

ہندوستان کے علوم وفنون کے ساتھ بھی کچھ کم اعتنا نہیں کیا گیا، خلیفہ منصور ہی کے زمانے سے ہندو علماء بغداد کے دربار مین جمع ہونے شروع ہوئے، یہان تک کہ خاندانِ برامکہ نے ایک ہندو طبیب کو اپنے مشہور ہسپتال کا مہتمم اور افسر مقرر کیا، ان علماء کی بدولت اور نیز ان مسلمانون کی وجہ سے جنھون نے تحقیقاتِ علمی کے لیئے ہندوستان کا سفر کیا، سنسکرت کی اکثر عمدہ تصنیفات بغداد کے کتب خانون مین جمع ہوئین، اور ان مین سے باکر، راجہ، سکھہ، داہر، انکو، زنکل، جبھر، اندی، جاربی، مانک، سنالی، نوکستی، روسا، رای، کیل، براہمہر، کی تصنیفات کا ترجمہ عربی زبان مین ہوا، سنسکرت کی جو کتابین مہیا کی گئین وہ نجوم، طب، بیطاری، سپہگری، اخلاق، فلسفہ، مذہب ناول اور ڈراما کے متعلق تھین، ہم ان کتابون کے نام اور پتے بتا سکتے ہین، لیکن اس مختصر آرٹکل کے لیئے یہ تفصیل شاید موزون نہ ہو،

ان واقعات کے معلوم ہونے کے بعد بعض یوروپین مورخون کا یہ قول کہ مسلمانون نے غیر قومون کی تاریخ و واقعات کی طرف توجہ نہین کی "غالباً اعتبار کے قابل نہ خیال کیا جائے گا، البتہ ایک معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر یہ واقعات صحیح ہین، تو آج ان کتابون کا پتہ کیون نہین چلتا ؟ اس سوال کا جواب ایک پُر درد داستان ہے،

کتبخانون کی تباہی اور بربادی کا بہت بڑا سبب اسلامی حکومت کا بہت سے حصون مین تقسیم ہو جانا

کتب خانون کی تباہی کے اسباب

اور نئی نئی حکومتون کا پیدا ہونا اور مٹ جانا تھا، دولتِ عباسیہ کے ضعف کے ساتھ جو سلطنتین قائم ہو گئین، انھون نے بیشمار علمی ذخیرے پیدا کئے، لیکن جب فنا ہوئین تو قریبًا اپنی تمام یادگارون کو اپنے ساتھ لیتی گئین،

مصر کے کتبخانہ کی بربادی

مصر کا مشہور و بے نظیر کتب خانہ دولتِ فاطمیہ کی تباہی کے ساتھ برباد ہوا اور تعجب وافسوس یہ ہو کہ صلاح الدین فاتح بیت المقدس جو فاطمیون کو مٹا کر مصر کا بادشاہ ہوا، اُس نے خود اس کتب خانہ کو برباد ہونے دیا، بہت سی کتابین بے احتیاطی سے پہلے ضائع ہو گئین اور جو بچین ایک دلال کی معرفت جس کا نام ابن صورہ تھا، برسون تک نہایت بے قدری کے ساتھ بکتی رہین، صلاح الدین کے وزیر قاضی عبدالرحیم نے البتہ جہان تک ہو سکا، کتابون کی حفاظت کی، چنانچہ قاہرہ مین جو مدرسہ تعمیر کرایا، اس مین قریبًا ایک لاکھ کتابین وقف کین جن مین اکثر بلکہ قریبًا کل اسی برباد شدہ کتب خانہ کی تھین،

تاتاریون کا کتب خانون کو برباد کرنا

ان تباہیون پر بھی بہت کچھ علمی سرمایہ باقی رہ گیا تھا، لیکن تاتار کے فتنہ نے اس کو قریبًا بالکل نیست و نابود کر دیا، بغداد کے بعض مؤرخون نے تو یہان تک مبالغہ کیا ہے کہ تاتاریون نے بغداد کے کتب خانے جب برباد کئے اور تمام کتابین دریا مین ڈال دین، تو دجلہ کا پانی کالا ہو گیا، لیکن اس مین کچھ شبہ نہین کہ اس فتنہ مین بے شمار کتابون کا نام و نشان جاتا رہا،

تاتار کا سیلاب بغداد پر محدود نہ تھا، بلکہ ترکستان، ماوراء النہر، خراسان، بلادِ جبل، فارس، عراق، جزیرہ، شام، ان تمام مقامات سے گذرا اور جہان گذرا تمام علمی یادگارون کو مٹاتا گیا،

ہلاکو خان کا رصد خانہ

مؤرخ کتبی نے محقق طوسی کے حال مین لکھا ہو کہ ہلاکو خان نے محقق موصوف کے اشارہ سے جو رصد خانہ مراغہ مین بنوایا، اس مین ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی تھا، جس مین بغداد، شام، جزیرہ کی لٹی ہوئی کتابین رکھی گئین، اور اُن کی تعداد چار لاکھ سے زائد تھی، اگر بچی کھچی کتابون کی یہ تعداد تھی، تو معلوم نہین کہ غارت شدہ کا شمار کیا ہو گا!!

ان ممالک کا تو یہ حال ہوا، اسپین مین باوجود انقلاب سلطنت کے بہت کچھ ذخیرہ موجود تھا، لیکن وہ سب عیسائیون کے نذر ہوا، جنھون نے کتابون کے برباد وتباہ کرنے مین وہ ناموری حاصل کی جو کبھی کسی قوم کو نہ ہوئی ہوگی، خود یورپ کے مورخین علانیہ اس کا اعتراف کرتے ہین، اور اُن کے بیان سے ثابت ہی کہ کئی لاکھ کتابین اس انقلاب مین برباد ہوئین بلکہ قصداً برباد کیگئین،

قدیم تصنیفات کا ضائع ہوجانا

اگرچہ ان انقلابات پر بھی اسلامی ممالک خصوصاً قسطنطنیہ اور مصر مین بڑے بڑے کتبخانہ موجود ہین، اور مین انشاء اللہ اپنے سفرنامہ مین اُن کے حالات تفصیل کے ساتھ لکھون گا، لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ قدما کی تصنیفات جن سے اصول فن کی تحقیق ہوسکتی تھی، اکثر ناپید ہین، جو کچھ موجود ہے زیادہ تر اخیر زمانہ کی پیداوار ہی، یا قدیم زمانہ کی وہ تصنیفات ہین، جو زیادہ تر عام قسم کی کتابین کہی جاسکتی ہین، یہ عام قاعدہ ہی کہ جو کتابین عام مذاق کے موافق ہوتی ہین، انھی کو زیادہ رواج ہوتا ہی اور تمام ممالک مین پھیل جاتی ہین، اس قسم کی کتابون پر کسی خاص شہر یا سلطنت کے فنا ہونے سے چندان اثر نہین پڑتا، کیونکہ اُن کے بے شمار نسخے ہر جگہ موجود ہوتے ہین، اور وہ سب فنا نہین ہوسکتے، مسلمانون نے فلسفہ اور علوم قدیمہ مین اگرچہ بہت کمال حاصل کیا، لیکن ان علوم کی تعلیم عام نہ تھی، بلکہ وہ ایک خاص دائرہ تک محدود تھے، یہان تک کہ اسپین مین عین اس زمانہ مین جب فلسفہ اوج کمال پر تھا، عوام کے سامنے فلسفہ کا نام نہین لیا جاسکتا تھا، اس سبب سے فلسفیانہ تصنیفات کے نسخے کثرت سے متداول نہ تھے، جس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ جب کسی بڑے دارالعلم پر زوال آیا تو اس قسم کا ذخیرہ بالکل ناپید ہوگیا، غیر قومون کی ترجمہ شدہ کتابین بھی اسی وجہ سے اکثر ضائع ہوگئین، فلسفہ و علوم قدیمہ پر موقوف نہین، اسلامی علوم کی وہ کتابین بھی جو مذاق عام کے موافق نہ تھین، اور جن کو دقت مضامین کی وجہ سے قبول عام حاصل نہ تھا، اکثر برباد گئین، حالانکہ یہی کتابین تھین جو علم وفن کی جان تھین، مین نے خود قسطنطنیہ اور مصر مین متعدد

کتابین دیکھین جو مسلمانون کے لئے مایۂ ناز ہین، اور جن کے نسخے تمام دنیا مین ایک دو سے زیادہ موجود ہین، اگر خدا نخواستہ یہ نسخے معدوم ہو جائین، تو ان کتابون کا نام و نشان دنیا مین جاتا رہے، مین نے قسطنطنیہ مین اکثر لوگون سے پوچھا کہ "ان کتابون کو چھپوا کر شائع کیون نہین کیا جاتا،" جواب ملا کہ بازار مین ان کتابون کی مانگ نہین،

ہندوستان مین بھی نادر اور عمدہ کتابون کا یہی حال ہے، کاش خدا قوم کو توفیق دیتا کہ یورپ کی طرح ایک انجمن قائم ہوتی، اور ان کتابون کے چھاپے جانے اور شائع کئے جانے کا انتظام ہوتا، کہ جو کچھ بچا بچایا رہ گیا ہے، وہ تو برباد نہ ہونے پائے،

(رسائل شبلی)

اسلامی حکومتین اور شفاخانے

ایشیائی قومون مین کسی سلطنت کی عظمت وشان یا پستی وتنزل کا اندازہ ہمیشہ فتوحات ملکی اور فوجی طاقت سے کیا جاتا تھا، اور غالبًا یورپ کا بھی آج سے دوسو برس پہلے یہی حال تھا، اس کا یہ اثر تھا کہ اوس عہد کی تاریخی تصنیفات مین کسی سلطنت اور حکومت کے متعلق جو واقعات لکھے جاتے تھے، وہ زیادہ تر فتوحات اور خانہ جنگیون کے واقعات ہوتے تھے، اسلامی تاریخین بھی اس الزام سے بری نہین، اور یہی وجہ ہے کہ آج کل یورپ نے اسلامی تاریخون کا نام "قصاب کی دوکان" رکھا ہے، یورپ کے طعنہ دینے کی بہ نسبت ہم کو زیادہ افسوس یہ ہو کہ اس طرز تحریر نے مسلمانون کے بہت سے عجیب وغریب کارنامے گمنامی کی خاک مین دفن کردیئے ہم نہایت قوی دلیلون سے اس بات پر یقین رکھتے ہین کہ مسلمانون کی حکومت کا زمانہ، مہذب حکومت کا زمانہ تھا، انتظام کے جدا جدا صیغے قائم تھے، اور ہر صیغہ کا وزیر یا سکریٹری الگ تھا، ہمیشہ تیسوین برس تمام اراضی کی پیمایش ہوتی تھی، اور زمین کی نمایش اور لیاقت کے لحاظ سے دفتر خراج کی اصلاح وترمیم ہوتی تھی، پبلک ورکس یعنی منافع عامہ کا وسیع محکمہ تھا، جو سڑکون کی درستی، پلون کی مرمت، شہر کی صفائی، حفظان صحت اور اس قسم کے تمام امور کا متکفل تھا، غرض ایک مہذب سلطنت کے جو جو لوازمات ہین، سب تھے لیکن آج ہم اُن کی تفصیل بتانے سے بالکل عاجز ہین، اور

یہی عجز ہے جو ہم کو اپنی قدیم تاریخون کی شکایت پر مجبور کرتا ہے،

بہرحال یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کی تہذیب وتمدن کے متعلق جدا جدا عنوان قائم کئے جائین، اور جہان تک ممکن ہو اُن کے متعلق نہایت تفصیلی مضامین لکھے جائین، اگر اس طریقہ مین ہم کو کامیابی ہوئی، تو اُن مضامین کا مجموعہ جو وقتاً فوقتاً ہمارے میگزین مین شائع ہوتے رہینگے مسلمانون کی تہذیب وتمدن کی مکمل تاریخ بن جائے گا، اور اس وقت ہم اوس کو ایک مستقل کتاب کی صورت مین شائع کر سکین گے،

یہ آرٹکل پبلک ورکس کی ایک خاص شاخ یعنی شفاخانون کے متعلق ہے،

اس قسم کی خودرو طبابت جو لازمۂ زندگی ہے، ہر قوم مین ہمیشہ پائی جاتی ہے، اور عرب مین بھی ہمیشہ سے موجود تھی، لیکن علمی طبابت جو کسب وتعلم کی محتاج ہے، اس کا پتہ بھی عرب مین مدت سے چلتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے پہلے حارث بن کلدہ نے جو طائف کا رہنے والا تھا، فارس مین جاکر طب کی تحصیل کی، اور وہان سے واپس آکر قوم کی زبان سے طبیب العرب کا خطاب حاصل کیا، طبابت کے تعلق سے اس نے نوشیروان کے دربار مین بھی رسائی حاصل کی تھی، اس کا بیٹا نضر بن حارث اس سے زیادہ نامور ہوا، اور اُس کی بدولت علم طب کو عرب مین زیادہ ترقی ہوئی، یہان تک کہ حضرت عمرؓ نے جب فارس پر لشکر کشی کی تو فوج کے ساتھ بہت سے طبیب وجراح بھی بھیجے،

امیر معاویہؓ نے عرب کو چھوڑ کر دمشق کو پایۂ تخت بنایا، اور سلطنت اور دربار کے ٹھاٹھ جمائے چنانچہ ایک عیسائی طبیب جس کا نام ابن آثال تھا، خاص دربار کا طبیب مقرر ہوا، اس کے سوا اور بہت سے طبیب دربار سے تعلق رکھتے تھے،

تمدن کی وسعت کے ساتھ اس صیغہ کو بھی برابر ترقی ہوتی گئی، اور ملک مین بہت سے

جرّاح وطبیب پیدا ہوگئے، جو بطور خود اپنے گھروں پر علاج کرتے تھے، کیونکہ اس وقت تک شفاخانون کا طریقہ نہین قائم ہوا تھا، سب سے پہلے جس نے اُس کی بنیاد ڈالی، وہ حکومتِ بنی امیہ کا تیسرا تاجدار ولید بن عبدالملک تھا، ولید کو رفاہِ عام کے کامون سے طبعی لگاؤ تھا، اور اس صیغہ مین بہت سے کام ہین، جو اول اُسی کے ہاتھون سے عمل مین آئے، اوّل اُسی نے مہمان خانۂ عام قائم کیا، ملک مین جس قدر اندھے اور مفلوج تھے، سب کی فہرست مرتب کرا کے اُن کے وظیفے مقرر کر دیئے، اور حکم دیا کہ گھر سے نہ نکلنے پائین، اسی سلسلہ مین شفاخانہ کی بنیاد ڈالی، جو ۸۸ھ مین بن کر طیار ہوا، اور بہت سے طبیب وجرّاح علاج کے لئے متعین ہوئے[۱]، پہلا شفاخانہ

محکمۂ طبابت کے قائم ہونے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ یہودی وعیسائی علمار کثرت سے دربار مین باریاب ہوئے، اور یونانی علوم وفنون سے واقف ہونے کا راستہ کھُلا، کیونکہ طب کی عمدہ تصنیفات یونانی ہی زبان مین تھین، اور اُن کے ترجمہ کے بغیر علاج اور دواسازی وغیرہ مین ترقی نہین ہو سکتی تھی، چنانچہ اسی زمانہ مین ماسرجویہ یہودی نے اہرن قس کی کتاب کا سُریانی زبان سے ترجمہ کیا، اور یہ کتاب شاہی کتب خانہ مین داخل کی گئی، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہدِ حکومت مین اس ترجمہ کو کتب خانہ سے نکلوا کر نقلین کرائین، اور بہت سے نسخے تمام لوگون کے استعمال کیلئے شائع اور مشتہر کئے[۲]،

رفتہ رفتہ تمام ملک مین کثرت سے شفاخانے قائم ہوگئے، دولتِ عباسیہ کے آغاز مین جندیسا پور کے شفاخانہ نے جس کا مہتمم اور معالج جارجیس تھا، نہایت شہرت پائی، جارجیس یونانی زبان کا بہت بڑا ماہر تھا، اور فنِ طب مین اجتہاد کا منصب رکھتا تھا، اُس نے شفاخانہ

[۱] مقریزی جلد دوم ص ۴۰۵ [۲] طبقات الاطبار ص ۱۶۳ جلد اوّل،

کے استعمال کے لئے سُریانی زبان مین ایک نہایت عمدہ قرابادین تیار ائی جس کا ترجمہ زمانہ مابعد
مین حنین بن اسحاق نے عربی مین کیا، ۱۴۸ھ مین خلیفہ منصور عباسی بیمار ہوکر زندگی سے مایوس
ہوگیا، تو جارجس کے نام طلبی کا فرمان بھیجا، جارجس نے شفاخانہ کا اہتمام بیٹے کے سپرد کیا، اور
دربار خلافت مین حاضر ہوا، اس کے علاج سے منصور کو شفا ہوگئی، منصور کی فرمایش سے اس نے
یونانی زبان کی بہت سی کتابین عربی زبان مین ترجمہ کین، اس مشہور شفاخانہ کا دوسرا ڈاکٹر سابور
ابن سہل تھا، جو متوکل کے زمانہ مین تھا، اور ۲۵۵ھ مین وفات پائی، اس نے ایک نہایت مفصل
قرابادین تیار کی جس مین سترہ باب تھے، کئی سو برس تک تمام شفاخانون مین اسی قرابادین
پر عمل درآمد رہا، ماسویہ جو ایک نامی طبیب گذرا ہے، اور جس کے حالات علامہ ابن ابی اصیبعہ نے
کسی قدر تفصیل سے لکھے ہین، اسی ہسپتال مین تیس برس تک دواسازی، اور مرہم پٹی کا
کام کرتا رہا،

ویدک کا داخل ہونا

عباسیون کے ابتدائی زمانہ تک تمام شفاخانون مین یونانی و فارسی طبابت کے اصول
کے موافق علاج ہوتا تھا لیکن رفتہ رفتہ برامکہ کے طفیل سے ویدک بھی شامل ہوگئی،

یحییٰ بن خالد برمکی نے جو ہارون الرشید کا وزیر اعظم اور دولتِ عباسیہ کا دستِ و بازو تھا،
ایک شخص کو ہندوستان بھیجا کہ وہان جو دوائین، اور نباتات علاج مین برتی جاتی ہین، ان کو
بہم پہنچا کر ساتھ لائے[۱] یحییٰ نے ہندوستان کے نامی طبیبون اور ویدکون کو بھی دربار مین طلب
کیا، چنانچہ منکہ، صالے اور ابن دہن بغداد مین آئے، منکہ نے بہت سی سنسکرت کتابون کا
جو طب کے متعلق تھین، عربی زبان مین ترجمہ کرایا، ابن دہن اس شفاخانہ کا افسر مقرر ہوا، جو
خاندان برامکہ نے بغداد مین تعمیر کرایا تھا، بغداد مین اس وقت اگرچہ بہت سے شفاخانے موجود تھے،

---

[۱] فہرست ابن الندیم ص ۳۴۵،

مگر یہ جدت برامکہ ہی کے ہسپتال کو حاصل تھی کہ اُس کا افسر اور ڈاکٹر ایک ہندو حکیم تھا، اس واقعہ سے ہم مسلمانون کی بے تعصبی اور علمی قدردانی کا بھی اندازہ کرسکتے ہین، **ششرت** جو ہندوستان کا ایک مشہور حکیم گذرا ہے، فنِ طب مین اس کی ایک نہایت عمدہ تصنیف دس مقالون مین تھی، یحیٰی نے منکہ کو اس کے ترجمے پر مامور کیا[۱] اور جب ترجمہ تیار ہوگیا، تو حکم دیا کہ شفاخانون میں قرابادین کے طور پر کام میں لایا جائے،

ہٰرون الرشید نے ایک خاص ہسپتال اور تعمیر کیا اور ماسویہ کو جس کا ذکر اوپر گذرچکا ہے، اس کا مہتمم اور ڈاکٹر مقرر کیا، رشید کے زمانہ مین طبابت کا مستقل اور وسیع سررشتہ قائم ہوگیا، متعدد شفاخانے ایک ایک ڈاکٹر کی نگرانی مین تھے، اور ایک شخص تمام شفاخانون کا انسپکٹر جنرل ہوتا تھا، جو رئیس الاطبا، کے لقب سے پکارا جاتا تھا، یہ عہدہ اوّل بختیشوع کو ۱۷۱ھ مین اور اس کے بعد اس کے بیٹے جبرئیل کو ۱۷۵ھ ہجری مین ملا، جبرئیل کی تنخواہ دس ہزار درہم ماہوار تھی، اور پانچ ہزار ماہوار بھتّہ تھا، یہ تو خاص عہدہ کی تنخواہ تھی، دربارِ خلافت، زبیدہ خاتون اور برامکہ وغیرہ کے ہان سے جو سالانہ مقرر تھا، اس کی تعداد کئی لاکھ تھی جس کی تفصیل خود جبرئیل کی کاغذاتِ حساب سے علامہ ابن ابی اصیبعہ نے نقل کی ہے، بختیشوع اور جبرئیل دونون باپ بیٹے عیسائی تھے، اور باوجود اس کے ہارون اور مامون کے دربار مین اُن کو یہ عزت حاصل تھی کہ وزرار اور امرا، اُن کے دستِ نگر رہتے تھے، یہان تک کہ جبرئیل کا بیٹا بختیشوع، لباس، سواری، سازو سامان حشمت و شوکت مین خود خلیفۂ وقت کا مقابلہ کرتا تھا، انسپکٹر جنرل شفاخانہ جات کی تنخواہ

یہ تعجب خیز ہے کہ باوجود اس کے کہ تمام ممالکِ اسلامی مین ہر جگہ شفاخانون کا رواج ہوگیا تھا، مصر مین ایک مدت تک اس مقصد کے لئے کوئی خاص عمارت نہین تعمیر ہوئی، علامہ مقریزی

---

[۱] فہرست ص ۳۰۳ [۲] طبقات ص ۱۲۶، ۱۲۷،

نے مغافر کے ایک شفاخانہ کا ذکر کیا ہے، جو فتح بن خاقان وزیر خلیفۃ المتوکل باللہ کے حکم سے تعمیر ہوا تھا لیکن اس کی بنا کی تاریخ یا اور کسی قسم کی تفصیل نہین لکھی، اس سے زیادہ یہ کہ ابن طولون کے ہسپتال کے ذکر مین لکھا ہے کہ اس سے پہلے مصر مین کوئی شفاخانہ موجود نہ تھا ہماری دانست مین اس کی یہ وجہ ہے کہ اسلام سے پہلے مصر فن طب کا مشہور درس گاہ تھا، اور بہت بڑے بڑے حکیم وطبیب موجود تھے، جو یونانی حکمار کے ہم پلہ سمجھے جاتے تھے، ان علمار کی وجہ سے مطب اور علاج کو نہایت ترقی تھی، ہر حکیم کا گھر گویا ایک مستقل شفاخانہ تھا، اور ممکن بلکہ غالب احتمال یہ ہے کہ باقاعدہ شفاخانے بھی موجود رہے ہون، اسلام کے بعد ولید کے زمانہ سے شفاخانون کی بنیاد پڑی، اور رفتہ رفتہ اس کا وسیع سررشتہ قائم ہو گیا لیکن اس صیغہ کا تمام اہتمام مدت تک عیسائیون کے ہاتھ مین رہا، اور وہی انسپکٹر جنرل، اور ڈاکٹر وغیرہ مقرر ہوتے تھے، اس حالت مین چندان ضرورت نہ تھی کہ جو مطب گاہین یا شفاخانے نہایت عمدگی کے ساتھ پہلے سے قائم تھے، اُن کو بے رونق کر دیا جائے، اور نئی عمارتین قائم کیجائین، بہرحال وجہ جو کچھ ہو، احمد بن طولون کے زمانہ تک مصر مین کوئی اسلامی شفاخانہ موجود نہ تھا،

احمد بن طولون دولت عباسیہ کی طرف سے مصر و مغرب و شام کا گورنر تھا، اور چونکہ سلطنت عباسیہ کو روز بروز ضعف ہوتا جاتا تھا، اس کی حالت مستقل سلطنت تک پہنچ گئی تھی، سنہ ۲۶۱ھ مین اُس نے ایک نہایت عظیم الشان شفاخانہ کی بنیاد ڈالی، اور تیاری کے بعد بہت سی جائداد اس کے مصارف کے لئے وقف کی، صرف کا تخمینہ ساٹھ ہزار دینار ہوا، جس کے کم سے کم تین لاکھ روپیے ہوتے ہین، اس مین علاج کا دستور یہ تھا کہ جب بیمار علاج کے لئے آتا تھا، تو اس کے کپڑے اور جو کچھ اس کے پاس نقدی ہوتی تھی، لے لی جاتی تھی، اور شفاخانہ کے خزانچی کے پاس امانت رہتی تھی، شفاخانہ کی طرف سے اوس کو نیا کپڑا اور بچھانے کے لئے بستر ملتا تھا،

صبح اور شام دونون وقت جراح اور ڈاکٹر اس کے دیکھنے اور دوا خوراک وغیرہ مین کمی بیشی کرنے کی غرض سے آتے تھے، جب صحیح ہو کر اتنی طاقت آجاتی تھی کہ روٹی اور مرغ کا شوربا کھانے لگتا تھا، تب اوس کو اس کی امانت واپس کر دی جاتی تھی، اور ہسپتال سے چلے جانے کی اجازت ملتی تھی، احمد بن طولون ہمیشہ ہر جمعہ کو خود ملاحظہ کے لیئے آتا تھا، اور دواخانہ وغیرہ کی جانچ کرتا تھا[۱]، پاگلون کے علاج کے لیئے الگ کمرے تھے، اور نہایت خبر گیری سے اُن کا علاج ہوتا تھا، احمد بن طولون نے اس صیغہ مین ایک اور جدت کی جو اور کہیں نہ تھی، ۲۶۳ہجری مین اس نے جو بہت بڑی عظیم الشان جامع مسجد ایک لاکھ دینار کے صرف سے بنوائی، اس مین ایک طرف ایک وسیع مکان بنوایا، جس مین ہر وقت ہر قسم کی دوائین، اور شربت موجود رہتے تھے، ایک طبیب مقرر تھا، جو ہمیشہ جمعہ کے دن وہان نماز کے اوّل وقت سے اخیر تک بیٹھا رہتا تھا، مسجد مین اتفاقیہ کوئی شخص کسی عارضہ مین مبتلا ہو جاتا تھا، تو طبیب کے پاس لایا جاتا تھا، اور اس کا علاج ہوتا تھا،

خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانہ مین اس صیغہ کو نہایت ترقی ہوئی، اور بہت سی نئی باتین ایجاد ہوئین، علی بن عیسٰی وزارت کا منصب رکھتا تھا، اور اس کو رفاہِ عام کے کامون پر نہایت توجہ تھی، اتفاق یہ کہ اس زمانہ مین کثرت سے وبائی امراض پھیلے، سنان بن ثابت بن قرہ جو بہت بڑا مشہور طبیب اور صابی المذہب تھا، شفاخانون کا انسپکٹر جنرل تھا، علی نے اوس کو متعدد فرمان اس بارہ مین لکھے، اور شفاخانون کے متعلق نئے نئے کارخانے قائم کیئے، سب سے پہلے یہ کیا کہ جیلخانون مین اس وقت تک جیل خانون کے لئے علٰحدہ ڈاکٹر نہین ہوتا تھا، اس نے سنان کو حکم دیا کہ چند

[۱] یہ تمام تفصیل علامہ مقریزی نے کتاب الخطط والآثار مین لکھی ہے، دیکھو کتاب مذکور ص ۴۰۵ جلد دوم

جیل خانہ کا ہسپتال

طبیب خاص جیل خانون مین علاج کرنے کے لئے مقرر کئے جاین، ٹیمپرری ڈسپنسری یعنی عارضی ہسپتالون کا صیغہ قائم کیا، بہت سے طبیب مقرر ہوئے کہ چھوٹے چھوٹے قصبات مین جہان طبیب اور شفاخانے نہین ہین، دورہ کرین، اور ہر جگہ دو دو چار چار دن ضرورت کے موافق قیام کرکے بیمارون کا علاج کرین، ان طبیبون کے ساتھ ایک مختصر دواخانہ ہوتا تھا، اور قصبات اور دیہات مین علاج کرتے پھرتے تھے،

امتحان کا طریقہ قائم ہوا

ایک نئی بات یہ ہوئی کہ امتحان کا طریقہ قائم ہوا، جو اس سے پہلے بالکل مروج نہ تھا، اسکی ابتدا یون ہوئی کہ ۳۱۹ھ مین ایک نیم حکیم نے ایک بیمار کا غلط علاج کیا، اور وہ مرگیا، خلیفہ کو اس کی اطلاع ہوئی، تو یہ حکم صادر ہوا کہ کوئی شخص باقاعدہ جب تک امتحان نہ دے، مطب اور علاج نہ کرنے پائے، سنان بن ثابت ممتحن مقرر ہوا، اور ہزارون طبیبون نے امتحان دیا، بغداد کی وسعت اور تمدن کا اس سے اندازہ کرنا چاہئے کہ آٹھ سو ساٹھ ۸۶۰ آدمی امتحان مین پورے اترے، اور اُن کو سند عطا کی گئی، حالانکہ امتحان مین وہ لوگ شامل نہ تھے، جن کا کمال پہلے مسلّم تھا، یا جو لوگ دربار سے تعلق رکھتے تھے، سند مین تصریح ہوتی تھی کہ کس درجہ کا امتحان دیا ہے، اور کس قسم کے علاج کی اس کو اجازت دی گئی ہے،

جراح وطبیب سندیافتہ تھے

مقتدر نے ان انتظامات کے علاوہ متعدد بڑے بڑے شفاخانے قائم کئے، ایک شفاخانہ اپنی ماں کے نام سے قائم کیا، جس کا سالانہ خرچ سات ہزار دینار تھا، جس کے اوّل مرتبہ پینتیس ہزار روپئے ہوئے، یہ شفاخانہ آب و ہوا، اور منظر کی خوبی کے لحاظ سے دجلہ کے کنارے تعمیر کیا گیا، محرم ۳۰۶ھ مین افتتاح کی رسم عمل مین آئی، اور بہت سے طبیب وجراح معقول مشاہرہ پر متعین ہوئے، اسی سنہ مین ایک اور شفاخانہ اپنے نام سے قائم کیا، جس کا ماہانہ خرچ دو سو دینار یعنی ہزار روپیہ ماہانہ تھا[۱]

[۱] یہ تمام تفصیل طبقات الاطباء ص ۲۲۱ تا ۲۲۲، المنتقی فی اخبار ام القری ص ۱۶ میں ہے،

علی بن عیسیٰ وزیر سلطنت نے اپنے صرف سے محلہ حربیہ مین ۳۰۲ھ مین ایک شفاخانہ قائم کیا اور مشہور طبیب ابوسعید بن یعقوب اس کا ڈاکٹر مقرر ہوا، اس زمانے کے قریب یعنی ۳۱۳ھ مین محلہ درب المفضل مین ابن الفرات نے ایک ہسپتال قائم کیا، اور ثابت بن سنان کو اس کے اہتمام کی خدمت دی[۱]، یہ وہ شفاخانے ہین، جو خاص بغداد مین تعمیر ہوئے، اور جن کے حالات ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ معلوم کرسکے لیکن اسلامی فیاضیون نے تمام ممالک مین جس کثرت سے اس قسم کی مفید یادگارین قائم کی ہون گی، اُن کا شمار کون کرسکتا ہی۔

بغداد اگرچہ شفاخانون سے معمور تھا، تاہم آبادی کی کثرت کے لحاظ سے ابھی اور ضرورت تھی، اسی ضرورت کے لحاظ سے عضد الدولہ نے ایک اور شفاخانہ قائم کیا جس کی وسعت، خوبی عمارت، کثرت آلات، ترتیب اور درستی کے لحاظ سے مورخین نے تسلیم کیا ہی کہ تمام دنیا مین کوئی شفاخانہ اس کے مثل تعمیر نہین ہوا،

علامہ ابن خلکان کے خاص الفاظ یہ ہین، الیس فی الدنیا مثل ترتیبہ، واعد لہ من الآیات ما یقصر الشرح عن وصفہ، عضد الدولہ دنیا کے مشہور بادشاہون مین سے ہی، اسلام کی تاریخ مین وہ سب سے پہلا فرمان روا ہے، جو بادشاہ کے نام سے پکارا گیا، بغداد مین خلفاے عباسیہ کے سوا خطبہ مین کسی کا نام نہین پڑھا گیا، تھا، یہ فخر سب سے پہلے عضد الدولہ ہی کو حاصل ہوا، اس کی سلطنت نہایت وسیع اور منتظم تھی، وہ خود نہایت علم دوست اور خاص کر رفاہ عام کے کامون کا نہایت دلدادہ تھا، اس نے اپنے عہد مین حفظان صحت کے صیغے کو نہایت ترقی دی، تمام اضلاع اور قصبات مین نئے شفاخانے قائم کئے، اور پرانون کی اصلاح و مرمت کرائی، جس عظیم الشان شفاخانہ کا ہم نے اوپر ذکر کیا، اوس کی عمارت ۳۶۸ھ ہجری

[۱] طبقات ص ۲۲۲

ین انجام کو پہنچی، یہ شفاخانہ درحقیقت ایک مڈیکل یونیورسٹی تھا، نہایت کثرت سے ہر قسم کے آلات مہیا کئے گئے تھے، اور بہت سے مشہور طبیب لکچر دینے کے لئے مقرر تھے، علاج کیلئے دور دور سے مشہور طبیب بلوا کر متعین کئے گئے تھے، ان سب کی تعداد اول ۵۰ تھی، انتخاب کے بعد گھٹ گھٹا کے ۲۴ رہ گئے، جن مین ابن بکس، ابو یعقوب، ابن کشکرایا، ابو عیسیٰ، بنو حسنو جیسے نامور اطبا داخل تھے،

جراحون مین سے ابو الخیر، ابو الحسن نفاح زیادہ نامور تھے، پٹی باندھنے والون کا افسر ابو الصلت تھا، جو اس فن مین اپنا جواب نہین رکھتا تھا،

بہت سے کحال تھے، جن مین زیادہ مشہور ابو النصر بن الدحلی تھا، فزیکل سائنس کے بہت سے اساتذہ تھے، غرض فنِ طب کی جس قدر شاخین ہین، سب کے مشہور ماہر اور استاد اس مین لکچر دینے اور علاج کرنے کے لئے مقرر تھے، اور ہر صیغہ مین متعدد لکچرار اور پروفیسر تھے، آگے چل کر ایک مناسب موقع پر ہم بعض کے حالات بھی لکھین گے،

چوتھی صدی مین سلطنتِ اسلام کی وسعت نے بہت سے صاحب تاج و تخت پیدا کر دیئے یہان تک کہ رفتہ رفتہ سامانیہ، سلجوقیہ، غزنویہ، فاطمیہ، نوریہ، ایوبیہ، آتابکیہ وغیرہ بڑی بڑی پرزور اور وسیع سلطنتین قائم ہوگئین، اگرچہ اس تفرقِ اجزا سے مجموعی قوت کو صدمہ پہنچا، لیکن رفاہِ عام کے صیغہ کو بہت ترقی ہوئی، جس کی وجہ یہ تھی کہ جو نئی حکومت قائم ہوتی تھی، اوس کو قبول عام حاصل کرنے کے لئے اس سے بڑا کوئی آلہ نہ تھا، اس سلسلہ نے طبابت کو بھی بہت فروغ دیا، اور ہر جگہ نہایت کثرت سے شفاخانے قائم ہوئے، چھٹی صدی مین جب علامہ ابنِ جبیر نے حج کی تقریب سے عراق و شام کا سفر کیا، تو بغداد، موصل، حران، حلب، حماۃ، دمشق مین اس کثرت سے شفاخانے دیکھے کہ حیران رہ گیا، چنانچہ اوس نے اپنے

سفرنامے مین ان شہرون کے شفاخانون کا ذکر تفصیل اور اجمال کے ساتھ کیا ہی اس عہد مین سلطان نورالدین اور صلاح الدین نے تمام ممالک مین کثرت سے جو شفاخانے قائم کئے، ان مین سے بعض مشہور شفاخانون کا ذکر ہم اس مقام پر کرتے ہین،

نوریہ۔ یہ شفاخانہ نورالدین زنگی نے دمشق مین تعمیر کرایا تھا، کروسیڈ (یعنی جنگ صلیبی) کے معرکون مین یورپ کا ایک فرمان روا نورالدین کی قید مین آگیا تھا، اُس نے ایک بیش قرار رقم اپنی رہائی کے لئے پیش کی، اور نورالدین نے اس کو رہا کر دیا، شفاخانۂ مذکور اسی رقم سے تیار ہوا، اور اس سے اس کی لاگت کی مقدار کا اندازہ ہو سکتا ہے، اس کے خوبصورت اور بلند دروازے مؤیدالدین نے تیار کئے تھے، جو نجاری مین نہایت کمال رکھتا تھا، اور جس نے محض فنِ نجاری کی تکمیل کے لئے اقلیدس اور مجسطی کی تکمیل کی تھی[۱]

شفاخانون کا اب تک یہ دستور تھا کہ امرا اور دولت مندون کو اس مین علاج کرانے کی اجازت نہین ہوتی تھی لیکن نورالدین نے جو وقف نامہ لکھا اس مین یہ اجازت دی کہ "جو نایاب دوائین یہان کے سوا اور کہین نہین مل سکتین، اُن کے استعمال مین غریب اور امیر سب یکسان ہین" علامہ ابن جبیر نے دورانِ سیاحت مین اس کو دیکھا تھا، وہ لکھتے ہین کہ اس مین بہت سے محرر، منشی، طبیب، خدام نوکر ہین، بیمارون کا رجسٹر منشیون کے پاس رہتا ہے، اور اس مین بیمارون کے نام و نشان کے علاوہ اُن کے مصارف اور ضروریات کی تفصیل لکھی جاتی ہے، اطبا صبح کے وقت ہمیشہ ہر روز بیمارون کو دیکھتے ہین، اور اُن کی دوا اور غذا کی خبر گیری کرتے ہین، روزانہ خرچ کم و بیش سو روپیہ ہے، علامہ مذکور نے لکھا ہے کہ دمشق مین اسی قسم کا ایک اور شفاخانہ ہی لیکن یہ نیا ہے، اور زیادہ پرشان و شوکت ہی،

---

[۱] طبقات الاطبا ص ۱۹۰،

سلطان صلاح الدین نے جب فاطمیین کی سلطنت کو برباد کیا، تو شاہی ایوانون مین سے ایک نہایت شاندار ایوان تھا، جس کی دیوارون پر پورا قرآن مجید لکھا ہوا تھا، سلطان نے اس کو دیکھکر کہا کہ یہ مکان شفاخانے کے لئے موزون ہے، چنانچہ ۵۶۷ھ مین اوس کو تھوڑے سے تغیر اور اصلاح کے بعد شفاخانہ بنایا، اور بہت سے طبیب و جرّاح علماے طبعیات، مشرف، عامل، خدّام مقرر کئے[1]،

علامہ ابن جبیر نے اس کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہین، "قاہرہ کا یہ شفاخانہ، صلاح الدین کے مفاخر مین سے ہے، وہ ایک نہایت خوبصورت اور شاندار ایوان ہے، بہت سے کمرے ہین، ہر کمرہ مین پلنگ بچھے ہین، جن پر سلیقہ سے بچھونے اور تکیے لگے ہین، دواؤن کے لئے الگ کمرہ ہے، اور اس کے لئے دواساز اور منشی وغیرہ مقرر ہین، عورتون کے علاج کے لئے اسی سلسلہ مین ایک جداگانہ قطعہ ہے، اور اُن کی خدمت، خبرگیری اور علاج کے لئے عورتین مامور ہین، پاگلون کے علاج کے لئے الگ مکانات ہین جن کا احاطہ نہایت وسیع ہے، اور دریچون مین لوہے کی جالیان ہین، شفاخانہ کا اہتمام ایک طبیب سکریٹری کے متعلق ہے، اس کے ماتحت بہت سے نوکر ہین، جو صبح و شام دونون وقت بیمارون کا ملاحظہ کرتے ہین اور اُن کی غذا اور دوا مین تبدیلی اور اصلاح کرتے رہتے ہین، سلطان ہمیشہ خود شفاخانہ کے ملاحظہ کے لئے آتا ہے، اور بیمارون کے معالجہ اور خبرگیری کی سخت تاکید رکھتا ہے،" علامۂ مذکور نے لکھا ہے کہ قاہرہ مین بعینہٖ اسی درجہ کا ایک اور شفاخانہ ہے، سلطانِ مذکور نے اسکندریہ مین جو شفاخانہ قائم کیا، وہ بھی نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا، اور ایک خاص بات مین تمام اور شفاخانون سے ممتاز تھا، یعنی جو لوگ شفاخانہ کے علاج کو خلافِ شان سمجھتے تھے، ان کے علاج کے لئے الگ طبیب و جراح

---

[1] مقریزی ص ۴۰۶ جلد دوم

مقرر تھے، جو اُن کے گھرون پر جاکر علاج کر آتے تھے، البتہ یہ تخصیص تھی کہ یہ فیاضی صرف ان لوگون کے لئے مخصوص تھی، جو مسافر اور اجنبی ہوتے تھے،

نورالدین اور صلاح الدین کی تقلید نے شفاخانون کے رواج کو اور ترقی دی ۶۷۳ھ ہجری مین ملک منصور قلاوُن جو اس زمانہ تک فوجی افسر تھا، ایک سفر مین دمشق پہنچکر قولنج کے عارضہ مین مبتلا ہوا، چونکہ مرض نہایت تشدید تھا، اور اطبار نے جو کمیاب دوائین تجویز کین، وہ اور کہین نہین مل سکتی تھین، اس لئے نورالدین کے شفاخانہ سے دوائین منگوائی گیئن، قلاوُن کو جب شفا ہوگئی، تو شفاخانہ کے ملاحظہ کے لئے گیا، اور دیکھکر متعجب رہ گیا، دل مین نیت کی کہ سلطنت حاصل ہوگی، تو اس سے بڑھکر شفاخانہ بنواؤن گا" ۶۷۸ھ مین جب تخت نشین ہوا تو شفاخانہ کی تعمیر شروع کی، جہان تک ہم کو معلوم ہے شفاخانہ عضدیہ کے سوا تمام ممالک اسلامی مین اس عظمت کا کوئی شفاخانہ کبھی تعمیر نہین ہوا، اور بعض خصوصیتون کے لحاظ سے تو اس کو عضدیہ پر بھی ترجیح حاصل تھی،

فاطمین کے شاہی مکانات مین سے ایک بڑا وسیع محل تھا، جس کو خلیفہ العزیز باللہ کے بیٹے نے تعمیر کرایا تھا، ان کی حکومت کی بربادی کے بعد سلطان صلاح الدین کے قبضہ مین آیا، اور اُسی کے خاندان مین وراثۃً چلا آتا تھا، قلاوُن نے شفاخانہ بنانے کا ارادہ کیا تو اس سے زیادہ موزون کوئی عمارت نہین مل سکتی تھی، چنانچہ مالک مکان سے اس کو خریدا، اور ۶۸۳ھ مین شفاخانہ کی بنیاد ڈالی، اس مکان کی قدیم صورت یہ تھی کہ چار بڑے بڑے ایوان تھے، اور مکان کا کل احاطہ ۱۰۶۰۰ گز تھا، احاطہ ہی مین ایک نہر تھی، جس کے ذریعہ سے ایوانون مین پانی آتا تھا، قلاوُن نے ایوانات بدستور رہنے دیئے، اور بہت سی نئی عمارتین اضافہ کین، تین سو قیدی اور بہت سے مزدور روزانہ کام کرتے تھے، مصر و قاہرہ مین جس قدر راج

اور معمار تھے، عام حکم تھا کہ شفاخانہ کے سوا اور کہین کام نہ کرنے پائین، ستون جس قدر تھے عموماً سنگ مرمر یا سنگ رخام کے تھے، قلاؤن خود روزانہ عمارت کے ملاحظہ کے لئے جاتا تھا، غرض اس اہتمام اور سروسامان سے پورے گیارہ مہینے مین عمارت بن کر تیار ہوئی، علامہ سخاوی نے لکھا ہے کہ یہ شفاخانہ قاہرہ کی نامی اور عظیم الشان عمارتون مین سے شمار کیا جاتا ہے، قلاؤن نے اس کے مصارف کے لئے بہت سی جائدادین وقف کین، جن کی سالانہ آمدنی دس لاکھ درہم تھی، وقف نامہ مین لکھا کہ یہ شفاخانہ امیر، غریب، غلام، آقا، بادشاہ، رعیت سب کے لئے عام ہے، بلکہ جو لوگ شفاخانہ مین نہ آئین، وہ بھی اس کی دوائین استعمال کر سکتے ہین،

ایک خاص التزام یہ تھا کہ ہر مرض کے علاج کے لئے جدا جدا کمرے تھے، چنانچہ بخار والون کے لئے قدیم کے چارون ایوان تھے، آشوب چشم، لرزہ، اسہال وغیرہ بیماریون کے لئے الگ الگ مکانات تھے، مردون اور عورتون کی تفریق الگ تھی، یعنی دونون کے لئے جدا جدا قطعے تھے، ان کے علاوہ اور بہت سے کمرے تھے، جو کھانا پکانے، دوا بنانے، بیماریون کے رجسٹر رکھنے، طب کے درس دینے اور اسی قسم کے کامون کے لئے مخصوص تھے، لطف یہ کہ ان تمام کمرون مین ایک نہر کے ذریعہ سے پانی آتا تھا، اور ہر وقت پانی کی جدولین جاری رہتی تھین،

شفاخانہ کے ساتھ ایک مدرسہ بھی تھا جس مین چارون مذہب کے فقیہ تعلیم دیتے تھے، انتظام کی درستی اور ترتیب کے لئے شفاخانہ کو متعدد صیغون مین تقسیم کیا تھا، اور ہر صیغہ کا سکریٹری الگ تھا، جس کثرت سے لوگ اس مین علاج کو آتے تھے، ان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ معمولی شربت چھوڑ کر شربت انار وغیرہ کے، روزانہ پانسو رطل صرف ہوتے تھے،

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ مین بھی بہت سے شفاخانے قائم کئے، ۶۲۸ھ ہجری مین خلیفہ مستنصر نے مکہ معظمہ مین جو عالیشان شفاخانہ بنوایا تھا، شریف مکہ حسن بن عجلان نے ۸۱۶ھ

مین چالیس ہزار کے صرف سے اس کی مرمت کی، سلطان ظاہر بیبرس المتوفی ۶۷۶ھ نے مدینہ منورہ کے قدیم شفاخانہ کی مرمت کی، اور مصر سے ایک طبیب اور ہر قسم کی معجون اور دوائین بھجوائین،

ہندوستان مین بھی کثرت سے شفاخانے موجود تھے، اور اگر ہم مقریزی کی روایت کا اعتبار کرین تو صرف ایک شہر دہلی مین محمد تغلق کے زمانہ مین ستر شفاخانے جاری تھے،

جہانگیر نے ۱۰۱۴ھ ہجری مین تخت نشین ہونے کے ساتھ جو بارہ احکام صادر کئے اُن مین ایک تھا، "در شہرہاے کلان دار الشفاہا ساختہ اطبا بجہت معالجۂ بیماران تعین نمایند و انچہ صرف و خرچ می شدہ باشد از سرکار خالصہ شریفہ می دادہ باشند"

شفاخانون کی تاریخ مین چند امور لحاظ کے قابل ہین:۔

۱۔ شفاخانون کی کثرت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جو شفاخانے کسی بادشاہ کے دورِ حکومت مین قائم ہوتے تھے، وہ اس وجہ سے آیندہ برباد نہین ہونے پاتے تھے کہ شفاخانہ اور اس کے متعلق جو جائداد ہوتی تھی، وقف مین داخل تھی، اور وقف مین شرعاً کسی کو تصرف کا اختیار نہین ہے، نیا حکمران جو حکومت کے تخت پر بیٹھتا تھا، وہ قدیم یادگارون پر خواہ مخواہ کچھ اضافہ کرنا چاہتا تھا،

۲۔ شفاخانہ کی کوئی قسم اور کوئی نوع ایسی نہ تھی، جو موجود نہ تھی، سفری شفاخانے اور جمعہ مسجد کے شفاخانہ کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، فوجی شفاخانہ کا بھی نہایت معقول انتظام تھا، طبیبون اور دواؤن کا انتظام تو خود صحابہؓ کے زمانہ مین موجود تھا، لیکن فوجی شفاخانہ کی باقاعدہ بنیاد سب سے اول سلطان محمود نے ڈالی، سلجوقیون کا فوجی شفاخانہ دوسو اونٹون پر چلتا تھا،[۱]

۳۔ ایک خاص امر قابلِ لحاظ ہے کہ وقتاً فوقتاً جو اطبا، شفاخانون کے افسر یا انسپکٹر جنرل مقرر ہوتے تھے، وہ عموماً مجتہد الفن اور استاذ الفن ہوتے تھے؛ ابوبکر رازی جو فنِ طب

---

[۱] تاریخ سلجوق،

کا ایک رکن ہے، اورجس کی تصنیفات (جو سو سے متجاوز ہین) سے ابن سینا نے فائدہ اٹھایا ہی،

رے کے شفاخانہ کا ڈاکٹر تھا، سعید بن یعقوب دمشقی جو ۳۰۲ھ ہجری مین بغداد، مکہ و مدینہ کے شفاخانون کا افسر مقرر ہوا مشہور حکیم گذرا ہے، اُس نے عربی زبان مین یونانی وغیرہ سے بہت سی کتابین ترجمہ کین، سنان بن ثابت جو مقتدر باللہ کے زمانہ مین شفاخانون کا انسپکٹر جنرل تھا، فن طب کے ارکان مین سے شمار کیا جاتا ہے، طبقات الاطبار مین اس کے حالات پڑھنے سے اسکی وقعت کا اندازہ ہو سکتا ہے،

عضدیہ شفاخانہ مین ۲۴ طبیب کام کرتے تھے، اور ہر ایک اپنے فن کا استاد ہوتا تھا، ان مین سے بعض کا حال ہم نہایت اختصار کے ساتھ لکھتے ہین،

ابو الحسن کشکرایا، یہ مشہور حکیم تھا، اور پہلے سیف الدولہ کے دربار مین نوکر تھا، سنان بن ثابت کے تمام شاگردون مین نہایت ممتاز تھا،

نطیف القس عیسائی تھا، اور بہت سی زبانین جانتا تھا، یونانی سے بہت سی کتابین عربی زبان مین ترجمہ کین،

ابو الفرج، یہ حکیم اور فلاسفر تھا، اور عیسائی مذہب رکھتا تھا، اس نے ارسطو اور بقراط و جالینوس کی کتابون پر بہت سی مفید شرحین اور حاشیے لکھے، ابن سینا نے اپنی تصنیفات مین اس کا ذکر کیا ہی، اور اس کے کمال کا اعتراف کیا ہی، وہ شفاخانہ مین علاج کے علاوہ طب پر لکچر بھی دیتا تھا، اُس کی تصنیفات کی مطول فہرست طبقات الاطبار مین مذکور ہے،

ابراہیم بن بکس مختلف زبانین جانتا تھا، عربی زبان مین یونانی وغیرہ کی بہت سی کتابین ترجمہ کین، یہ طب پر لکچر دیا کرتا تھا،

سعید بن ہبۃ اللہ خلیفہ مستظہر باللہ کا طبیب تھا، اوس کی تصنیفات مین سے مغنی،

کتاب الاقناع وغیرہ ہین،

امین الدولہ بن تلمیذ، مشہور عیسائی حکیم تھا، سریانی، فارسی، عربی زبانین جانتا تھا، خلیفۂ وقت نے اوس کو بغداد کے محکمۂ طبابت کا افسر مقرر کیا تھا، اور تمام اطبا، اس کی خدمت مین حاضر ہوتے تھے، عضدیہ شفاخانہ بھی اسی کی ماتحتی مین تھا، اس کی بہت سی مفید تصنیفات یادگار ہین،

عمدہ دواؤن کے بہم پہنچنے کا اہتمام

۳۔ شفاخانون کے ساتھ دواؤن کے عمدہ بہم پہنچنے کا بھی نہایت اہتمام تھا، عطار جو دوائین بیچتے تھے، اون کی جانچ اور امتحان کے لئے ایک خاص محکمہ تھا، جس کے افسر کا لقب رئیس العشابین ہوتا تھا، اس عہدہ پر ہمیشہ وہ اطبا، مقرر ہوتے تھے، جو نباتات کے فن مین کمال رکھتے تھے، چنانچہ ساتوین صدی مین اس عہدہ پر ضیاء ابن بیطار المتوفی ۶۴۶ سنہ ہجری کا تقرر ہوا، جو اس فن مین اس درجہ کا کمال رکھتا تھا کہ مسلمانون مین کوئی شخص اس کا ہمسر پیدا نہین ہوا، نباتات اور ادویہ پر یونان مین جو کتابین لکھی گئیں، اور ان پر مسلمانون نے جو کچھ اضافہ کیا تھا، اوس کو حفظ یاد تھین، لیکن اس نے اسی پر اکتفا نہین کی، بلکہ خود دور دراز ملکون کا سفر کیا، یونان، اٹلی، جزائر، بحر روم مین نباتات کی تحقیقات کی، مصورین سے جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے تھے، گھاسون اور بوٹیون کی تصویرین کھچواتا تھا، اور ان کی مختلف حالتون کی تاثیرین جداگانہ قلمبند کرتا تھا، اوس نے یونانیون کی بہت سی غلطیان ظاہر کین، اور بہت سی نئی نباتات اور بوٹیان دریافت کین، جو یونانیون کو معلوم نہ تھین،

۴۔ شفاخانون مین جو لوگ اعمال ید مثلاً جراحی، کحالی، فصادی وغیرہ کامون پر مامور ہوتے تھے، وہ فن طب کے پورے ماہر ہوتے تھے، آج کل کے ہندوستانی اطبا، کا سا حال نہ تھا کہ جراحی و فصادی کو ہاتھ نہین لگاتے، قاہرہ مین سلطان صلاح الدین

نے جو شفاخانہ قائم کیا تھا، اس مین کحال کی خدمت قاضی نفیس الدین المتوفی سنہ ۶۳۲ھ کے سپرد تھی، جو تمام مملکتِ مصر کے افسر الاطبا تھے، شفاخانہ عضدیہ مین ابوالخیر اور ابوالحسن بن نقاح جراحی کا کام کرتے تھے، ہڈیون کے جوڑنے اور مرہم پٹی کرنے پر حکیم ابو الصلت مقرر تھا،

اسلامی شفاخانون کی یہ نہایت مختصر تاریخ ہے، اسلام مین اس صیغہ کو اس قدر وسعت ہوئی تھی، کہ شفاخانون کے حالات اور شفاخانون کے تجربون پر بہت سے اطبا مثل ابوبکر رازی امین الدولہ بن تلمیذ، ابوسعید زاہد العلما رنے مستقل کتابین لکھین، مگر افسوس ہے کہ وہ کتابین آج دنیا سے نابید ہین، اس لئے ناظرین کو مجبوراً ہماری محدود اور ناکافی معلومات پر قناعت کرنی چاہیئے،

(رسائل شبلی مطبوعہ)

ہندوستان مین اسلامی حکومت کے تمدن کا اثر

کسی غیر قوم کا کسی غیر ملک پر قبضہ کرنا کوئی جرم نہین، ورنہ دنیا کے سب سے بڑے فاتح سب سے بڑے مجرم ہون گے، لیکن یہ دیکھنا چاہیے کہ فاتح قوم نے ملک کی تہذیب و تمدن پر کیا اثر پیدا کیا، چنگیز خان فتوحات کے لحاظ سے دنیا کا فاتحِ اعظم ہے، لیکن اوس کی داستان کا ایک ایک حرف خون سے رنگین ہے، مرہٹے ایک زمانہ مین تمام ہندوستان پر چھاگئے، لیکن اس طرح کہ آندھی کی طرح اٹھے، لوٹا مارا، چوتھ وصول کی، اور نکل گئے، بخلاف اس کے متمدن قوم جب کسی ملک پر قبضہ کرتی ہے، تو وہان کی تہذیب و تمدن دفعۃً بدل جاتی ہے، سفر کے وسائل، رہنے سہنے کا طور، کھانے پینے کے طریقے، وضع ولباس کا انداز، مکانون کی سجاوٹ، گھرون کی صفائی، تجارت کے سامان، صنعت وحرفت کی حالت، ہر چیز پر ایک نیا عالم نظر آتا ہے، اور گو مفتوح قوم ضد سے احسان نہ مانے، لیکن در و دیوار سے شکر گذاری کی صدائین آتی ہین،

اسی معیار سے ہم دیکھنا چاہتے ہین کہ مسلمان جو ہندوستان مین آئے، کس شان سے آئے، اور ملک پر ان کا کیا اثر ہوا، لیکن اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے پہلے ہم کو بتانا چاہیے کہ ہندوستان کی قدیم تہذیب وتمدن کی حالت کیا تھی، چونکہ ہم اس مضمون مین صرف تیموری حکومت

کے دور سے بحث کرنی چاہتے ہین اس لئے اسی زمانے سے پہلے کی حالت کا دکھانا کافی ہوگا، اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ اس سے قبل کی اسلامی حکومتون نے بھی ہندوستان کی تہذیب وتمدن کو کچھ نہ کچھ ضرور ترقی دی تھی تاہم بابر نے ترکستان سے آکر ہندوستان کو جس حالت مین دیکھا اس کی تصویر اسی کے لفظون مین یہ ہے،[1]

اسپ خوب نے، گوشت خوب نے،
انگور و خربزہ و میوہ ہاے خوب نے،
یخ و آب سرد نے ×× حمام و مدرسہ نے،
شمع و مشعل نے، شمع دان نے،
بجاے شمع، مشعل، جمع کثیر چرکینے می
باشد، ودیوٹی می گویند، در دست چپ
خود سہ پایہ خوردی راگرفتہ اند،
کہ ازین سہ پایہ در کنار یک پایہ شل
سر شمع دان یک آہنے را بہ چوب بہ
ہمین سہ پایہ مضبوط کردہ اند ×
یک فتیلہ سستی را کہ برابر انگشت
بودہ باشد، بہ چوب آہن دار پایہ
دیگر بستہ اند، در دست راست

ہندوستان مین اچھے گھوڑے نہین، اچھا
گوشت نہین، انگور نہین، خربزہ نہین، برف
نہین، آب سرد نہین، حمام نہین، مدرسہ
نہین شمع نہین مشعل نہین، شمع دان نہین،
شمع کے بجاے دیوٹ ہوتا ہے، یہ تین
پایہ کا ہوتا ہے، ایک پایہ مین چراغدان
کے منہ کی شکل کا ایک لوہا لکڑی
مین وصل کرکے لگا دیتے ہین، ایک
دھیمی بتی دوسرے پایہ مین لگی
ہوتی ہے، داہنے ہاتھ مین کدو
کی ایک تونبی ہوتی ہے، جس کا
سوراخ تنگ ہوتا ہے، اسی کی
راہ سے تیل کی پتلی سی دھار

[1] بابر نے اپنے حالات ترکی زبان مین لکھے تھے، جو تزک بابری کے نام سے موسوم ہے، عبدالرحیم خانخانان نے اس کا فارسی مین ترجمہ کیا، جو بمبئی مین چھپ گیا ہے، یہ عبارت فارسی ترجمہ کی ہے،

ایشان یک کدوے ست کہ سوراخ آنرا تنگ گذاشتہ اند کہ روغن ازان جا باریک شدہ میریزد و بادشاہان و امرائے ایشان شبہا اگر کاری کہ احتیاج بہ شمع داشتہ باشند ہمین دیوٹ ہا ے چرکین این چراغ را نزدیک گرفتہ می ایستند،

گرتی ہے، اماجون، اورھرا جون کو رات کے وقت روشنی کا جب کچھ کام پڑتا ہے، تو نوکر چاکر، یہی کثیف دیوٹ لے کران کے پاس کھڑے ہوتے ہین،

در باغ و عمارت ہا آب ہاے روان نے، در عمارات او صفا و ہوا و اندام و سیاق نے، رعیت و مردم ریزہ تمام پاے برہنہ می گردند لنگوتہ گفتہ یک چیزی بندند + زنان آنہا خود یک لنگے بستہ اند، نصف آنرا خود کمر بستہ اند، و نصف دیگر را بر سر خود انداختہ (تزک بابری ص ۲۰۴)

باغون اور عمارتون مین آب روان نہین عمارتون مین نہ صفائی ہے، نہ موزونی نہ ہوا، نہ تناسب، عام آدمی ننگے پاون ایک لنگوٹی لگائے پھرتے ہین، عورتین لنگی باندھتی ہین، جس کا آدھا حصہ کمر سے پیٹ لیتی ہین، اور آدھا سر پر ڈال لیتی ہین،

بابر کو قریبًا چار سو برس ہوئے، لیکن آج بھی ہندوستان اس کے بیان کی عینی شہادت دینے کو موجود ہے،

اب دیکھو تیموریون نے ہندوستان مین آکر تہذیب و تمدن کو کہان سے کہان پہونچا دیا، تہذیب و تمدن کی سیکڑون جزئیات ہین، ان مین سے مختصرًا ہم بعض بعض کی تفصیل لکھتے ہین،

زمین کی پیداوار

ہندوستان اگرچہ زراعتی ملک ہے، اس لئے نباتات اور ثمرات کی قسم سے تمام چیزین یہان پیدا ہونی چاہیئے تھین، لیکن ہندو چونکہ ملک سے کبھی نکلتے نہ تھے، اس لئے ان کو دنیا کے ثمرات اور مزروعات کی خبر نہ تھی، اس کے سوا، ان کی قناعت پسند طبیعت کے لئے بڑہل، کٹہل، اور پھوٹ کیا کم تھی، تیموریون نے یہان آنے کے ساتھ اس طرف توجہ کی، اور ایران وخراسان کے لطیف پھول اور پھل لاکر تمام ہندوستان مین پھیلا دیئے، قلم اور پیوند لگانے سے ہندو مطلقاً واقف نہ تھے، سب سے پہلے اکبر کے زمانے مین محمد قلی افشار نے جو کشمیر مین داروغۂ باغات تھا، کابل سے شاہ آلو منگوا کر پیوند لگایا اور پھر عام رواج ہوگیا، تاہم اکبر کے زمانہ تک آم کی قلم نہین لگ سکتی تھی، خافی خان واقعات ۱۰۲۹ سنہ ہجری (ص ۳۰۲) مین لکھتا ہے،

"پیوند دادن اشجار میوہ دار در کشمیر و تمام ہندوستان نبود، محمد قلی افشار داروغۂ باغات کشمیر در عہد عرش آشیانی اول نہال شاہ آلو از کابل طلبیدہ پیوند نمودہ، بہ آب وہوائے آن جا موافق آمد، از ان ایام رواج یافت وسال بہ سال درہمہ بلاد ہندوستان ازین پیوند میوہ ہائے شاداب شیرین بالیدہ گردیدند الا درخت انبہ راپیوند نتوانستند نمود"

اسی زمانہ مین اور بہت سے میوے، ولایت سے آئے، انناس بھی اسی زمانے مین یورپ سے آیا، جہانگیر تزک مین لکھتا ہے (ص ۳)

"در ایام دولت حضرت عرش آشیانی (یعنی اکبر) اکثر میوہ ہائے ولایت کہ در ہند نبود، بہم رسیدہ اقسام انگور ہا از صاحبی وحبشی وکشمشی در شہر ہائے مقرر شائع گشت از جملہ میوہ ہا میوہ الیست کہ آن را انناس می نامند و در بنادر فرنگ میشود

درغایت خوشبوئی وراست مزگی ست درباغ گل افشان آگرہ ہرسال چندین ہزار
بر می آید + + + درختان سرو وصنوبر، وچنار، وسفیدار، وبید مولہ کہ ہرگز در ہندوستان
خیال نہ کردہ بودند، بہم رسیدہ وبسیار شدہ ودرخت صندل کہ خاصۂ جزائر بود درباغ
نشوونما یافتہ"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے مین صندل کے درخت عموماً باغون مین ہوتے تھے، حالانکہ آج اس ترقی کے زمانہ مین بھی یہان صندل کا نام ونشان نہین، پستہ بھی آج کل ہندوستان مین پیدا نہین ہوتا ہے لیکن اکبر کے زمانہ مین پستہ کا درخت لگایا گیا، اور بارآور ہوا، آئینِ اکبری مین ہے،

"ہچنان تربز وشفتالو، وبادام وپستہ وانار وجزآن پیدا ے گرفت"

پھول، ہندوستان مین یون بھی کثرت سے تھے، یہان تک کہ جہانگیر جب کشمیر گیا تو استاد منصور کو جو شاہی مصور تھا، حکم دیا کہ خاص کشمیر کے پھولون کی تصویر کھینچے، چنانچہ سو سے زیادہ پھولون کی تصویرین لی گئین، تزک مین جہانگیر خود لکھتا ہے،

"آنچہ نادرالعصری استاد منصور نقاش شبیہ کشیدہ از یک صد گل متجاوز است"

لیکن تیموریون کی خوش مذاقی نے اس پر قناعت نہ کی، بلکہ ایران اور توران کے پھول منگوا کر ہندوستان کو ایران کا چمن زار بنا دیا، آئینِ اکبری مین ہے،

"وگلہاے ایرانی وتورانی از گل سرخ ونرگس وبنفشہ، ویاسمن، کبود وسوسن وریحان، ورعنا وزیبا، وشقائق وتاج خروس وقلعہ ونافرمان وخطمی وجزآن
بسیار شود"

ہندوستان کے گنوار مالی، باغ مین یون ہی بے ترتیب درخت لگاتے تھے چمن بندی

خیابان، جدول تختہ بندی کا نام بھی کسی نے نہین سُنا تھا، نہ باغون مین کسی قسم کی عمارت اور آبشار ہوتے تھے، بابر نے ہندوستان مین آکران چیزون کو رواج دیا، ابوالفضل لکھتا ہے :-

"پیشتر در بستان ہا درہم می کشتند، ازان باز کہ قدوم فردوس مکانی (بابر) ہندستان را فروغ افزود، خیابان بندی وطرح آرائی پدید آمد، وعمارت ہائے دلکشا وآبشار ہائے سامعہ افروز دیدہ، دراٰن آفاق انگشت آورد"

صنعت اور مصنوعات تیموریون نے سیکڑون قسم کی صنعتین جاری کین، جن سے یہان کے اصلی باشندے ناواقف تھے، ان سب کی تفصیل کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، ہم صرف بعض کے نام اور مختصر کیفیت لکھتے ہین،

پارچہ جات، ہندو ہمیشہ سے نہایت سادہ لباس پہنتے تھے، اور غالباً اُن کو گزی گاڑھے کے سوا اور کچھ بنانا نہ آتا ہو گا، اکبر نے دلی، لاہور، آگرہ، فتح پور، احمد آباد، گجرات مین پارچہ بافی کے بڑے بڑے کارخانے جاری کئے، اور ایران اور چین سے کاریگر بلوا کر ہر قسم کے قیمتی کپڑے تیار کرائے، ابوالفضل لکھتا ہے،

"از توجہ گیتی خداوند گوناگون قماش چہرہ برافروخت وایرانی وفرنگی، و خطائی فراوان شد واستادان کارپرداز وہنرمندان نادرہ آئین آمدہ ہنگامہ آموزش گرم ساختند، در بیش گاہ حضور وشہر لاہور، وفتحپور واحمد آباد وگجرات کارنامہا تعلیم پدید آمد، بہ گوناگون تصویر نقش وگرہ دشگرف طرح ہا رروائی گرفت ودعالم نوردان کالا شناس بہ شگفت افتادند + از قدردانی نادرہ کاران زود یاب این ملک مرز نیز آموختند"

ابوالفضل نے ان مین سے جن کپڑون کے نام اور ان کی قیمتین لکھی ہین ، ان مین سے بعض کی تفصیل حسب ذیل ہے ،

"مخمل زربفت ، فرنگی ، گجراتی ، کاشی ، ہروی ، طاس گجراتی ، دارائی ، منقیش ، شروانی ، مشجر فرنگی ، دیبائے فرنگی ، دیبائے یزدی ، خارا ، اطلس خطائی ، نوار خطائی ، خز ، مخمل فرنگی ، خانی ، سہ رنگ ، قطنی ، کتان فرنگی ، تافتہ ، ابری ، مطبق ،

یہ سب ریشمی کپڑون کے نام ہین ، سوتی کپڑون کی تفصیل حسب ذیل ہے ،

چوتار ، ململ ، نین سکھ ، سرتی صاف ، گنگاجل ، بھیرون ، سالو ، بہادر شاہی ، گرنہ سوتی ، شیلہ دکنی ، میرگل ، بہتن ، جبونہ ، اساولی ، محمودی ، پنچتولیہ ، جیولہ چھینٹ وغیرہ وغیرہ"

شال جو کشمیر مین بنتی تھی اکبر نے اوس کو بھی بہت ترقی دی ، پہلے صرف تین چار رنگ کی شالین ہوتی تھین ، اکبر نے طرح طرح کے نئے رنگ ایجاد کئے ، مثلاً نارنجی ، تربجی ، قرمزی ، کاہی ، ارغوانی ، عنابی ، عسلی ، سوسنی ، جگری ، زمردی وغیرہ وغیرہ ، پوری تفصیل آئین اکبری مین ہے ، اس کے علاوہ پہلے سادی شال بنتی تھی ، اکبر نے اور بہت سی قسمین ایجاد کین ، ابوالفضل لکھتا ہے ،

"ونیز زردوزی ، وکلابتون ، وکشیدہ ، وقلغہ و باندھنون و چھینٹ والچہ ، و پرزدار از فروغ خاطر والا است ،

پہلے شال کا کارخانہ صرف کشمیر مین تھا ، اکبر کے زمانہ مین خاص لاہور مین ہزار سے زیادہ کارخانے جاری ہوگئے ،

بندوبست اراضی اور پیمایش

ہندوؤن کے زمانہ مین تشخیص مالگذاری کا صرف یہ طریقہ تھا کہ

ہل پیچھے کچھ رقم مقرر کر دیتے تھے، زمین کی پیمایش اور مختلف لیاقتوں کے لحاظ سے جمع کی تشخیص نہین جانتے تھے، خافی خان لکھتا ہے،

"مخفی نماند کہ ولایت پر وسعت شش صوبہ دکن از قدیم ملک بود از زرخیز سیر حاصل کہ دستور تشخیص جمع مال بر سر بگیہ و شمار پیمودن زمین بہ جریب و تقسیم غلہ نمودہ گرفتن درمیان نبود، چنان مقرر بود کہ ہر یکے از دہاقین و مزارعان کہ بیک قلبہ و یک جفت گاو آنچہ می توانست، کشت کاری نمود و ہر جنسے از حبوبات و بقولات کہ می خواست می کاشت، بر سر قلبہ، قلیلے بہ اختلاف بلاد و پرگنات، در سرکار می داد، باز پرس کیت بہم رسیدن غلہ وغیرہ درمیان نمی آید"[1]

خافی خان نے دکن کے ذکر کی خصوصیت کی وجہ سے دکن کا نام لیا، ورنہ کل ہندوستان کا یہی حال تھا، سب سے پہلے اکبر کے عہد ۲۷ سنہ جلوس شاہی مین راجہ ٹوڈرمل نے زمین کی پیمایش کرائی، اس کے مختلف درجے قائم کئے، اور اختلاف درجات کے لحاظ سے مختلف شرحین مقرر کین، لیکن دکن مین اب تک وہی قدیم طریقہ جاری تھا، شاہجہان کے عہد مین مرشد قلی خان نے جو دکن کا صوبہ دار تھا حسب ذیل انتظامات کئے،[2]

۱۔ زمین کی پیمایش کرائی،

۲۔ قابل زراعت اور ناقابل زراعت کی تفریق کی،

۳۔ تقاوی دینے کا قاعدہ جاری کیا،

۴۔ تشخیص جمع کے متعدد طریقے مقرر کئے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے،

۱۔ بٹائی۔ اس زمین کی تین قسمین کین،

---

[1] خافی خان صفحہ (۳۲)، [2] ایضاً صفحہ ۳۲، و ۳۳، مین یہ تفصیل ہے مین نے اسی کا ترجمہ کر دیا ہے،

بارانی، اس مین نصف بٹائی مقرر کی یعنی جس قدر غلہ پیدا ہو اس مین آدھا سرکاری حق ہے،

چاہی، یعنی وہ زمین جو آب پاشی کے ذریعہ سے کام مین لائی جائے، اس مین صرف ایک تہائی سرکار کا حق تھا، ایکھ، انگور، کیلہ، پوست، زیرہ، اسپغول، ان چیزون مین نوین حصہ سے لے کر چہارم تک سرکاری مالگذاری مین داخل ہوتا تھا،

نہری، یعنی وہ زمین جس مین نہرون سے آب پاشی کی جاتی تھی،

۲- جریب، اس طریقہ مین فی بیگہ، چوتھائی پیداوار لیجاتی تھی،

شاید ایک نکتہ چین بول اٹھے کہ زمین کا بندوبست وغیرہ جو کچھ کیا تھا، ٹوڈرمل نے کیا تھا، جو ہندو تھا، لیکن یہ کوئی اعتراض کی بات نہین، ہر سلطنت مین دوسری قومون سے بھی کام لیا جاتا ہے، لیکن وہ سلطنت ہی کے کارنامون مین محسوب ہوتا ہے، اس کے علاوہ یہ بات بھی لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ ٹوڈرمل کے اکثر کارنامون مین امیر فتح اللہ شیرازی کی شرکت تھی جس کے فضل و کمال کا تمام ہندوستان اور ایران مین جواب تھا، ابوالفضل اُس کی نسبت کہا کرتا تھا کہ "اگر کہن نامہ ہاے دانش مفقود شوند او اساس نو برنہد"

سنہ ۳۰ جلوس اکبری مین وہ امین الملک مقرر ہوا، اور حکم ہوا کہ ٹوڈرمل اس کے مشورہ سے ملکی اور مالی کامون کو انجام دے، چنانچہ مآثر الامراء مین ہے،

"حکم شد کہ راجہ ٹوڈرمل مہماتِ ملکی و مالی بہ صواب دید امیر بہ رہ کند، و کہن معاملہا کہ از زمانِ مظفر خان تشخیص نیافتہ بہ انجام رساند امیر فصلی چند کہ متضمن کفایت سرکار و رفاہ رعایا بود در گذارد، پذیرفتہ شد،" (ص ۱۰۱ جلد اول)

افزایش و ترقی حیوانات

کسی ملک کے تمدن کی ترقی کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ غیر ملک کے

حیوانات کی نسلین اضافہ کی جائین، ملکی جانورون کی نسلون کی ترقی و تربیت اور وسعت کا انتظام کیا جائے، تیموریون نے اس صیغہ کو بے انتہا ترقی دی،

اونٹ اس ملک مین بالکل نہین ہوتے تھے، ضرورت کے لئے باہر سے منگوائے جاتے تھے، اور اس وجہ سے ہر شخص کو میسر نہین آسکتے تھے، اکبر نے اس کے لئے ایک خاص محکمہ قائم کیا اور چند روز مین نہایت عمدہ نسلین تیار ہوگئین، ابوالفضل آئینِ اکبری مین لکھتا ہے،

"و بہ شاہی خواہش راچنان نتاج برگرفتند کہ از عراقی بختیان برگذشت"

(ص ۷ جلد سوم مطبوعۂ نولکشور)

اجمیر، جودھ پور، ناگپور، بیکانیر، جیسلیر، بھٹنڈا مین کثرت سے نسلین پھیلین، ابوالفضل نے لکھا ہے کہ ایک ایک شخص کے پاس دس دس ہزار اونٹ تک ہوتے تھے،

ہندوستان کے اصلی گھوڑے پست قد ہوتے تھے، جن کو اس زمانہ مین گونٹ یا ٹانگن کہتے تھے، اکبر کے زمانہ مین سوداگر عراق، عرب، روم، ترکستان، بدخشان، تبت وغیرہ سے گھوڑے لاتے تھے، لیکن اکبر نے نئی نسلون کے پیدا کرنے کا انتظام کیا، اور نہایت اعلیٰ درجے کے گھوڑون کی نسلیں تیار ہوئین، جہانگیر تزک مین لکھتا ہے،

"پیش از عہد دولت حضرت عرش آشیانی (یعنی اکبر) مدار سواری مردم اینجا برگونٹ بود، اسپ کلان نمی داشتند، مگر از خارج اسپ عراقی و ترکی رسم تحفہ جہت حکام آوردندی، گونٹ عبارت از یابوئی ست چہار شانہ بہ زمین نزدیک در سایہ کوہستان ہند فراوان می باشد، بعد ازان کہ این گلشن خدا آفرین بہ تائید دولت و یمن تربیت خاقان سکندر آئین رونق جاوید یافت، بسیارے از ایماقات رادرین صوبہ جاگیر مرحمت فرمود گلہ ہائے اسپ عراقی و ترکی حوالہ شد کہ کرہ (بچھیرے) بگیرند + و راندک فرصت

اسپان بہم رسیدہ (ص ۳۰۱)

ابوالفضل آئین اکبری مین لکھتا ہے

"کارشناسان دیدہ ور در نتائج این ہوش پذیر آدمی خود دل بستند، در اندک فرصتے ہندوستان باجستانِ عرب آمد، و بسیارے از عربی و عراقی جدا نتوانند کرد"۔

(جلد اول ص ۹۴)

اس کے بعد گھوڑون کی خرید و فروخت اور ترقی اور نمایش کے لئے اکبر نے جو انتظامات کئے تھے، اوس کو ابوالفضل نے بہ تفصیل لکھا ہے،

خچر صرف پکھلی کے علاقہ مین ہوتے تھے لیکن سواری کے قابل نہین ہوتے تھے، اور لوگ اس کی سواری کو گدھے کی طرح ننگ سمجھتے تھے، اکبر نے اوس کی نسل کو اس قدر ترقی دی کہ ہزار روپیہ تک اُس کی قیمت پہونچی اور لوگون کو اس کی سواری سے عار نہ رہا[1]،

اکثر جانور ایسے ہین جو جنگل کے سوا بچے نہین جنتے، مثلاً ہاتھی، شیر، چیتے، چکور، سارس وغیرہ، لیکن تربیت کے ذریعہ سے اس قدر اون کے اخلاق اور عادات مین تغیر پیدا کیا گیا کہ گھرون مین بھی اُن سے بچے اور انڈے پیدا ہوے، اکبر نے ایک زمانے مین ہزار چیتون کو یکجا کیا، اور چاہا کہ نر مادہ سے جفت ہو لیکن ناکامیابی ہوئی، جہانگیر کے عہد مین اس قدر تغیر ہوا کہ ہاتھی اور چیتے، مادہ سے جفت ہوئے، اور بچے جنے، جہانگیر تزک مین لکھتا ہے،

"یوز مقرر ست کہ در غیر جا ہاے کہ می باشد بہ مادہ خود جفت نمی شود، چنانچہ والد بزرگوارم یک مدتے تا ہزار یوز جمع کردہ بود تد بسیار خواہان آن بودند کہ آنہا باہم دیگر جفت شوند اصلا نمی شد دبارہا یوز ہاے نر و مادہ در باغات قلادہ برآوردہ سر دادند

[1] آئین اکبری جلد اول ص ۹۴،

درآنجا ہم نہ شد، درین ایام یوز نرے قلادہ خود را گسیختہ بر سر مادہ یوزے می رود و جفت می شود بعد از دو نیم ماہ سہ بچہ زائیدہ و کلان شدہ"

جہانگیر نے فخریہ لکھا ہے کہ میرے زمانہ مین صحرائی جانور اس قدر رام ہو گئے ہین کہ شیر اور چیتے قطار در قطار بے قید و زنجیر شہر مین چھوٹے پھرتے ہین، اور کسی کو نہین ستاتے ہتنی، شیرنی چکور کے بچہ جننے، اور انڈے دینے کا حال جہانگیر نے تزک مین لکھا ہے،

جہانگیر نے ایک عظیم الشان جانور خانہ تیار کرایا تھا، اوس کو حیوانات کا اس قدر شوق تھا کہ اپنے ایجنٹون کو دور دراز مقامات پر نئے نئے جانورون کے مہیا کرنے کے لئے بھیجتا تھا ایک دفعہ مقرب خان کو گووا مین بھیجا کہ وہان سے یورپ وغیرہ کے نادر جانور خرید کرکے لائے، مقرب خان بے شمار روپیہ خرچ کرکے بہت سے عجیب وغریب جانور لایا، ان ہی مین پیرو بھی تھا، جس کو انگریزی مرغی کہتے ہین، چنانچہ اس واقعہ کو جہانگیر نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے، اس کا اقتباس یہ ہے،

"حسب الحکم بہ استعداد تمام بہ گووا رفت و مدتے دران جا بودہ نفایسے کہ دران بندر بدست افتاد اصلا روے زر نہ دید، بہ ہر قیمتے کہ فرنگیان خواستند زر دادہ گرفت ++ از ہر جنس چیزہا و تحفہا داشت ازان جملہ جانورے چند آوردہ بود، بسیار عجیب وغریب، چنانچہ تا حال ندیدہ بودم، بلکہ نام ادرا کسے نمی دانست"

جہانگیر نے ان تمام جانورون کی تصویرین بھی کھچوائین، چنانچہ تفصیل اُس کی آگے آئیگی، اُن مین سے ایک جانور کا حال ان لفظون مین لکھا ہے،

"میمونے آوردہ بود بہ ہئیات غریب، دست و پا و گوش و سر او بعینہ میمون است و روے او بروے روباہ می ماند، رنگ چشمہاے او برنگ چشم باز لیکن چشم او از چشم باز

کلان ترست، از سر او تا سر دم یک درع معمول بوده است، از میمون پست تر و از روباہ بلند تر است، پشم او بطریق پشم گوسفند و رنگ آن خاکستری ست از بناگوش تا زنخ سُرخ ست امی گون + وگاہے آوازے از و ظاہر می شود بطریق آواز آہو بره مجملاً خیلے غرائب دارد"

جانورون کی پرورش، پرداخت، تربیت، علاج وغیرہ کے متعلق اس قدر سامان فراہم کئے گئے تھے کہ اون کی تفصیل اس مضمون مین نہین آسکتی، آئین اکبری اور تزک جہانگیری دیکھنی چاہیئے،

سنہ ۱۰۲۳ھ مین ولایت زیر باد سے ایک عجیب وغریب پرند چڑیا خانہ مین داخل ہوا جس کی کیفیت جہانگیر نے ان الفاظ مین لکھی ہے،

" یکے از خصوصیات این جانور آن ست کہ تمام شب پاے خود را بر سر شاخ درختے یا چوبی کہ ادرا بران نشانیدہ باشند بند کردہ خود را سر شیب (الٹا) می سازد و با خود زمزمہ می کند + آب مطلق نمی خورد و در طبیعت او کار زہر می کند، با آن کہ بقاے حیوانات بر آب ست[1]"

رفاہ عام کے کام عمارات اور سڑک وغیرہ

اس محکمہ کو تیموریون نے بے انتہا ترقی دی، لیکن انصاف یہ ہے کہ اس کا سنگ بنیاد شیر شاہ نے رکھا تھا، تیموری اس کے مقلد تھے، شیر شاہ نے بنگالہ سے اگرہ، مانڈو اور سونبت تک راستہ مین مسجدین، پختہ کنوین اور سرائین بنوائین، اور حکم دیا کہ ہندو اور مسلمان سب کے لئے سراؤن مین کھانا مہیا رہے، سڑکون کے دونون طرف سایہ دار درخت لگائے، چنانچہ خافی خان اس واقعہ کو ان الفاظ مین لکھتا ہے،

[1] تزک جہانگیری ص (۱۳۳)

"مابین راہ بنگالہ تا اکبرآباد و ماندو و سنپت کہ مسافت بعید است برائے مسافران مسجد و چاہ پختہ ساختہ، و در مساجد موذن و جاروب کش، بمد وظیفہ مقرر نمود، و در سراہا، طعام پختہ و خام برائے مسافرین و متردین مسلمین و ہنود قرار داد، جہت پختن آن غلامان و نوکران نگاہداشتہ بود گویند آتش پزان سراہائے ہند کہ بہٹیارہ و بہٹیاری زبان زد مردم ہند گردیدہ اند از اولاد ہمان ہا ماندہ اند، و مقرر نمودن اسپان سرکار در سراہا برائے زود رسیدن اخبار مختلفہ روزگار بہ دربار بہ طریق ڈاک از اختراع اوست و مابین راہ ہا اشجار میوہ دار و درختان سایہ دار برائے آرام مسافران نشاندہ[۵۱]"

جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے پہلے ہی سال اس محکمہ کی طرف توجّہ کی، چنانچہ احکام دوازدہ گانہ مین سے دوسرا حکم یہ تھا کہ راستون مین مسجدین، کنوین، اور سرائین تیار کی جائین، اس کے ساتھ یہ حکم دیا کہ جو شخص لاوارث مرے اس کے متروکہ سے مسجدین اور سرائین، کنوین اور تالاب تعمیر کئے جائین، اور پلون کی مرمّت کرائی جائے انھی احکامِ دوازدہ گانہ مین یہ بھی تھا کہ تمام بڑے بڑے شہرون مین اسپتال بنائے جائین جن مین سرکاری طبیب علاج کے لئے مقرر ہون، اور دوا وغیرہ کا صرف سرکار سے دیا جائے،[۵۲]

سالِ اوّل جلوس مین جہانگیر نے حکم دیا کہ تمام شہرون مین غلّہ خانے قائم کئے جائین جہان راہ گیرون اور مسافرون کو کھانا تقسیم کیا جائے، چنانچہ تزک مین لکھتا ہے،

"در تمام ملک محروسہ خواہ در محال خالصہ و خواہ جاگیر دار حکم فرمودم کہ غلّہ خانہ ہا ترتیب دادہ بجہت فقرا، فراخور گنجایش آن محل، طعام درویشانہ طبخ می نمودہ باشند تا مجاوران و مسافران بہ فیض رسند[۵۳]"

---

[۵۱] خافی خان جلد اوّل صفحہ ۱۰۲ واقعات ۹۵۲ھ [۵۲] تزک جہانگیری ص ۴ [۵۳] ایضاً ص ۳۵،

سنہ ۱۰۲۰ ہجری مین اس صیغہ کو اور وسعت دی یعنی عام طور پر فقرار کے لئے لنگر خانے بنوائے، چنانچہ تزک مین لکھتا ہے،

"ہفدہم ذی قعدہ حکم کردم کہ در شہر ہاے کلانِ ممالکِ محروسہ مثل احمد آباد و الہ آباد، ولاہور وآگرہ و دہلی وغیرہ غلور خانہ بجہت فقرار ترتیب دہند"،

سنہ ۱۰۲۸ ہجری مین اس پر اور اضافہ کیا، چنانچہ اس کی تفصیل **خافی خان** ان الفاظ مین لکھتا ہے،

"درہمین سال کہ مراد از سنہ ہزار وبست وہشت باشد حکم فرمودند کہ مابین راہ از لاہور تا تعلقہ سرحد مالوا، بہ فاصلہ یک کروہ جریبے یک میل و مابین دو میل یک چاہ بسازند، وہمہ جادورستہ درختان سایہ دار نشانند وبہ زمینداران وحکّام، احکام ترتیب اشجار صادر فرمودند ہرجا محال خالصہ (یعنی شاہی جاگیر) براے ساختن سرا حکم نمودند، وبہ امرا حکم فرمودند کہ در تعلقہ محال جاگیر خود ہر مکانے کہ قابل سرا ساختن باشد براے نزول مسافرین ومترددین سراے پختہ ومسجد وچاہ بسازند، واکثر جاگیرداران بموجب اشارہ بادشاہ وہم چشمے یک دگر بنائے خیر احداثِ سرا مابین ہرچہار پنج کروہ گذاشتند"،[1]

غور کرو ایک ایک کوس پر میل، دو دو میل کے بیچ مین ایک ایک کنوان، چار چار میل کے بیچ مین سرائین بنوانا کس قدر مصارفِ کثیر کا کام ہے، اور جس ملک مین یہ انتظام ہو، وہان سفر کرنا کس قدر آسان ہوگا،

جہانگیر نے سڑک پر جو میل بنوائے تھے، وہ بڑے بڑے چوڑے مینار کی شکل کے تھے، اور آج بھی پنجاب کی راہ مین موجود ہین، اور ریل پر سے نظر آتے ہین،

راستے کے امن وامان اور سفر کی آسانی کا نتیجہ یہ تھا کہ ایران اور بغداد اور شام

[1] خافی خان ص ۱۲۹۰

کی چیزین ہندوستان کے بازارون مین اس کثرت سے ملتی تھین کہ خود ان ملکون مین نہین مل سکتی تھین، دیرپا چیزین ایک طرف پھل اور میوے تین تین مہینہ کے راستے سے تازہ بتازہ پہونچتے تھے،

جہانگیر نے ایک موقع پر خود اس انتظام پر استعجاب کے ساتھ خدا کا شکر کیا ہے، ۱۱ سنہ جلوس مین جب اوس کے دسترخوان پر مختلف ملکون کے تازہ میوے ایک ساتھ چنے گئے، تو اس کو بھی حیرت ہوئی، اور بول اٹھا کہ اس نعمت کا شکر یہ کس زبان سے ادا کیا جائے، چنانچہ لکھتا ہے،

"دریک خوان چندین قسم میوہ حاضر آوردند، خربزہ، کاریز و خربزہ بدخشان و کابل، و انگور سمرقند و بدخشان، و سیب سمرقند و کشمیر و جلال آباد، و انناس کہ از میوہ ہائے بنادر فرنگ است، و کولہ کہ در شکل و اندام خورد از نارنج ست و در صوبہ بنگالہ خوب می شود، شکر این نعمت بکدام زبان ادا تواند نمود، (ص ۱۷۳)

یہ نہین خیال کرنا چاہئے کہ یہ انتظام بادشاہون کے لئے مخصوص تھا، بلکہ ہر کس و ناکس کو یہ چیزین بازار مین میسر آسکتی تھین، آئین اکبری مین تفصیل سے لکھا ہے کہ کہان کہان سے میوہ جات آتے تھے، اور تمام بازارون مین بکتے تھے[1]،

آج اس وسعت، اس انتظام، اس ترقی کے زمانہ مین ہم کو بلوچستان اور کابل سے ادھر کے میوے نصیب نہین ہو سکتے،

راستون کے انتظام اور ڈاک کے بیان مین یہ بات لکھنے کے قابل ہے کہ معمولی طریقے کے علاوہ نامہ بر کبوتر بھی تیار کئے گئے، اور اُن سے کام لیا گیا، چنانچہ جہانگیر تزک مین لکھتا ہے :-

"بکبوتر بازان فرمودم کہ این ہا را آموختہ کنند، و این کبوتر بازان چند جفتے را

[1] آئین اکبری جلد اول ص ۴۳،

چنان آموختہ کردند کہ دراوّل روز کہ از ماندو پروازآن ہا می نمودیم اگر کثرت باران بسیار می شد، نہایتش تا دونیم پہر بلکہ تا یک ونیم پہر بہ برہانپور می رسیدند واگر ہوا بغایت صاف می بود، اکثرے دریک پہر می رسیدند، (ص ۱۹۱)

ایجادات واختراعات

تمدن کی ترقی کا ایک ضروری نتیجہ ایجادات اور اختراعات ہیں، تیموریون کے زمانے مین ہر شاخ مین طرح طرح کی چیزین ایجاد ہوئین، ان مین سے جو علمی ایجادات تھے، ان مین سے بعض کا حال ہم لکھتے ہین،

ایک عجیب وغریب حوض

یہ حوض فن عمارت کی ایسی بوالعجبی تھی جس کی نظیر آج بھی مشکل سے ملے گی، اس کا موجد حکیم علی تھا جو اکبر کے دربار کا مشہور حکیم اور موجد تھا، یہ حوض حکیم موصوف نے سنہ ۲۹ جلوس اکبری مین بنایا تھا جس کی یہ کیفیت تھی کہ حوض کے اندر ایک مختصر سا کمرہ تھا، جس مین دس بارہ آدمی بیٹھ سکتے تھے، کمرہ مین ہر طرف سے روشنی آتی تھی، لیکن ہوا کا رُخ اس طرح قائم کیا تھا کہ پانی نہین آسکتا تھا، کمرہ فرش فروش سے آراستہ ہوتا تھا، کھانا بھی تیار ملتا تھا، مآثر الامراء مین اس کا حال اور اکبر کے سیر کرنے کی کیفیت حسب ذیل لکھی ہے،

"در کنج حوض مبرے بہ آب فرو بردہ دو سہ زینہ پائین رفتہ بدان خانہ درآمد بسیار بہ تکلف آراستہ در غایت روشنی، جائے دہ دوازدہ کس است، فرش خواب درخت پوشش مہیا وحاضری طعام موجودہ چند جلد کتاب در طاقہا گذاشتہ ہوائی گذاشت کہ یک قطرہ آب اندرون درآید وچون بادشاہ نخستہ درنگ فرمود غریب حالتے بمردم بیرون روآوردہ"[1]

---

[1] مآثر الامراء جلد اوّل ص ۵۷۰،

۱۰۱۸ھ ہجری مین جہانگیر نے اس کی سیر کی چنانچہ تزک مین اس کا حال لکھتا ہے،

"حوض مذکور شش گز در شش گز شت و در پہلوے حوض خانہ ساختہ شدہ در غایت روشنی کہ راہ بہ آن خانہ ہم از درون آب ست و آب از ان راہ درون درنمی آید دہ دوازدہ کس دران خانہ صحبت می داشتند"[۱]

کل کی چکی — یہ چکی امیر فتح اللہ شیرازی نے ایجاد کی تھی، جو ۹۹۱ھ مین اکبر کے حسب الحکم فتحپور مین آیا، اور امین الملک کے عہدہ پر ممتاز ہوا تھا، یہ چکی پانی اور ہوا وغیرہ کے زور سے نہین، بلکہ خود بخود چلتی تھی، مآثر الامراء مین لکھا ہے،

"آسیاے ساختہ کہ خود حرکت می کرد، وآرد می ساخت"[۲]

آج تو یہ ایجاد ایک معمولی بات ہے، لیکن اس زمانے مین یورپ مین بھی عجیب سمجھی جاتی ہوگی،

توپ کی مختلف قسمین — اکبر کے صناعون نے مختلف طرح کی توپین ایجاد کین، ان مین سے ایک سترہ نال کی تھی، اور ایک ہی دفعہ سب نالین سر ہوتی تھین، ایک ایسی تھی کہ چوڑیون کے حلقے کی طرح الگ الگ ہوجاتی تھی، اور ضرورت کے وقت حلقے ملا دیتے، تو ایک توپ بنجاتی تھی، چنانچہ ابوالفضل آئین اکبری مین لکھتا ہے،

"گوناگون اختراع فرمودہ چنانے بشگفت زار افتادہ یکے بروے کار آوردہ در یورشہا از ہم جدا کردہ بہ آسانی برند + و نیز ہفدہ را چنان یکتائی داد کہ یک فتیلہ ہمہ را کشادہ دہد، و نیز چنان بر ساخت کہ یک فیل بہ آسانی گشد و آن را گجنال نامند"

گولے آتشین — اکبر کبھی کبھی راتون کو گیند کھیلتا تھا، اس لئے اس قسم کے گیند ایجاد کئے کہ رات

[۱] تزک جہانگیری ص ۳، [۲] مآثر الامراء جلد اول ص ۱۰۳،

کو شعلہ کی طرح روشن نظر آئین،

اس قسم کی بہت سی ایجادین ہوئین جن کی تفصیل ایک مضمون مین سما نہین سکتی،

نفاست پسندی ضروریات کی وسعت آسایش کے سامان

تمدّن کا سب سے مقدم اثر یہ ہوتا ہے کہ ضروریات معاشرت بڑھتے جاتے ہین، مثلاً سادہ زندگی یہ ہے کہ زمین پر بیٹھے، اور کیلہ کے پتہ پر کھانا رکھ کر کھا لیا، تمدن آتا ہے، تو یہ سامان ساتھ لاتا ہے کہ چاندنی کا فرش ہے، اس پر زیرانداز، زیرانداز پر طشت یا سیلابچی، آدمی نے آفتابہ ہاتھ مین لیکر ہاتھ دھلوائے، پھر دسترخوان بچھایا گیا، رنگ برنگ کے مختلف برتنون مین کھانے آئے، کھانون کی مناسبت سے ہر ہر برتن کا رنگ اور صورت شکل مختلف ہے، کھانا کھا چکے، تو طشت، سیلابچی، آفتابہ وغیرہ آیا، اب کی ہاتھ دھونے کے لئے بیسن بھی ہے، ہاتھ دھو کر رومال سے صاف کیا، یہ تو قدیم تہذیب تھی، نئے فیشن نے اس پر اور بھی نئے نئے حاشیے چڑھائے،

ہندوستان مین مسلمان آئے، تو یادہ حالت تھی جس کی تصویر بابر نے کھینچی ہے کہ لنگوٹی لگائے پھرتے تھے، یا مسلمانون نے ایک ایک چیز مین تہذیب و تمدن کی ہزارون شاخین پیدا کر دین، مثلاً پہلے گھوڑون پر ننگی پیٹھ سوار ہوتے تھے، یا کمل وغیرہ ڈال لیتے تھے، تیموریون کے عہد مین گھوڑے کے لئے جو سامان پیدا ہوئے، اس کی یہ تفصیل ہے،

زین

ارتمک

یال پوش

پیشین روپاک

جل

تختہ بند

پشت تنگ

گمس ران

نکتہ

قیزہ

دست مال

خرخرہ

رکاب

آئین اکبری مین ان سب کی تصویرین بھی دی ہین،

گھوڑون کی تربیت، خدمت اور نگہداشت کے لئے جن نوکرون کی ضرورت ہوتی تھی

اُن کی تفصیل یہ ہے،

"داروغہ[1]، مشرف[2]، دیدہ ور[3]، چابک سوار[4]، ہاڈا[5]، مردہ[6]، بیطار[7]، نقیب[8]، سائیس[9]،

جلودار[10]، نعل بند[11]، زین دار[12]، آب کش[13]، فراش[14]، سپند سوز[15]، خاک روب[16]،

آئین اکبری مین ان سب کے کام اور ان کے مشاہرے، بہ تفصیل لکھے ہین،

لنگوٹہ اور دھوتی کے بجائے کپڑون کے یہ اقسام پیدا ہوئے،

"دوتاہی، پیشواز، شاہ آجیدہ، شوزنی، قلمی، قبا، فرجی، فرغل، چکن، شلوار،

جامہ، کلاہ، صدری، قمیص، عبا، نیم تنہ، شلوکہ، کمربند،

ان مین آج بہت سے متروک ہین،

زنانہ لباس اور زیور اور آرایش کے متعلق نور جہان بیگم نے جو جو اختراعات کئے

تہذیب وتمدن قیامت تک اوس کے احسان سے سبکدوش نہین ہوسکتے، ہندوؤن کا کیا ذکر ہے، مسلمانون مین بھی نورجہان سے پہلے زیورات بھدے اور ناموزون ہوتے تھے، جیسے آج کل ہندوؤن کے ہوتے ہین، لباس اور وضع قطع مین بھی نازک ادائیان نہ تھین، آج دلی اور لکھنو کی بیگمات کے لباس اور وضع کی تمام تراش خراش سب نورجہان کے عہد کی یادگارین ہین، جن مین خفیف تغیرات ہوتے گئے، خود جہانگیر کہا کرتا تھا کہ جب تک نورجہان میرے گھر مین نہین آئی، مین گھر کی زیب وزینت سے واقف نہ ہوا[1] مآثرالامرا مین ہے،

"اکثر زیور ولباس واسباب تزئین وتقطیع کہ معمول ہندست، اختراعی وابداعی اوست، مثل دو دامنی، جہت پشواز، پنج تولیہ، جہت اوڑھنی، بادلہ وکناری وعطر گلاب وفرش چاندنی ہمہ وضع اوست"

خافی خان کہتا ہے،

"اقسام زیور ولباس زنان ہند کہ در محل بادشاہی وامرائے مغلیہ تا حال رواج دارد، ہمہ وضع کردہ اوست، وزیور وپیرایہ سابق بسیار کلفت وبدنما بود منسوخ ساخت، چاندنی کہ نفس الامر عجیب فرش عیب پوش خانہ نامراد وگرد پوش دولت مندان است، ودر شب ہا ے مہتاب نمود خاص دارد، وضع کردہ ہمان ست، واقسام جنس بادلہ کہ قسمے گگیرو آنرا پنجاہ بادشاہ وکارخانہ موسوم ساخت وجنس سبک کہ ازان تمام خلعت عروس ودا ماد مردم نامراد بہ پانزدہ وبست روپیہ تمام شود، ودیگر تصرف ہائے بجائے او

[1] تزک جہانگیری جلد اول صفحہ ۱۳

کہ برائے او و بہ برائے شاہ و گدا بہ کار آید نہ یادہ ازان ست کہ بہ تفصیل آن
توان پرداخت" (ص ۲۶۹)

آسایش اور آرام اور راحت کے جو ہزارون سامان پیدا ہوئے اُن کا شمار نہین کیا جا سکتا، ہندوستان مین قدرتی تمام اشیا، پیدا ہوتی تھین، لیکن لوگون کو اون سے کام لینا نہین آتا تھا، مسلمانون کی خوش مذاقی اور جدت طلبی سے ہزارون چیزین کام مین آئین، اور ایک نئی دنیا پیدا ہو گئی، شورہ خاص یہان کی پیداوار ہے، لیکن کسی کو ہزارون برس تک یہ خیال نہ آیا کہ اوس سے پانی ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے، حالانکہ ٹھنڈے پانی کی ضرورت جس قدر ایسے گرم ملک مین ہو سکتی تھی، محتاج بیان نہین، برف بھی پہاڑون سے آسکتی تھی، لیکن یہان کے لوگون کو اپنی وحشیانہ زندگی مین آب سرد کی ضرورت کیا تھی، لیکن مسلمان عجم سے آئے، تو وہ ایسی زندگی کیونکر بسر کر سکتے تھے، اکبر نے شورہ سے پانی سرد کرنے کو رواج دیا، پہاڑون سے برف آکر بازارون مین بکنے لگی، خس کی ٹٹی بھی اکبر ہی کی ایجاد ہے، ابوالفضل آئین اکبری مین لکھتا ہے،

"بہ شورہ سرکردن روائے گرفت، واز شمالی کوہ برف و یخ آوردن کہ ومہ دانست، بیخ است بویا وبس خنک آن را خس گویند، بہ فرمایش گیتی خدیو ازان نے بست خانہا ساختن، رواج یافت، (ص ۶ جلد ۲)

عمارت فن عمارت مین جو نفاستین اور ایجادین پیدا ہوئین، ان کا بیان تاج گنج اور جامع مسجد دہلی کی زبان سے ہر شخص سن سکتا ہے، ہندوون کے مکانات کی جو اصلی وضع تھی، اس کی زندہ مثالین بنارس مین آج ہزارون موجود ہین، یہ مکانات

کرہ وڑ بیتیون کے ہین، جن پر لاکھون روپیے خرچ ہوئے ہین، لیکن دروازے اتنے اونچے ہین کہ سرکش سے سرکش آدمی کو اون کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے، ہوا کو تو کبھی کبھی اُن مین آنے کی اجازت مل جاتی ہے، لیکن روشنی کو مشکل سے بار مل سکتا ہے، بلند دروازے، وسیع دالان، شاندار شہ نشین، مسلمانون کی بدولت ملک مین رواج پائے،

فنونِ لطیفہ یا فائن آرٹس | یعنی موسیقی، مصوّری وغیرہ، ان پر مستقل علحدہ مضمون لکھون گا،

(مقالاتِ شبلی، مطبوعہ لکھنؤ)

مسلمانون کی علمی بے تعصّبی

اور

ہمارے ہندو بھائیون کی ناسپاسی

چند روز ہوئے اردوے معلّی مین ملا مسیحی کی رامائن پر ایک ہندو مضمون نگار کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، مضمون کا مقصد بظاہر کتاب پر تقریظ لکھنا تھا، لیکن مضمون نگار نے تقریظ کے پردہ مین جن فیاضانہ خیالات کا اظہار کیا، اس کے اقتباسات حسب ذیل ہین،

"صدیون سے ایک ایسی کتاب گمنامی کے ظلمات مین پڑی ہوئی تھی، وجہ شاید یہ ہو کہ مسلمانون نے اسے پسند نہ کیا ہو"

"مسلمانون نے صدیون اس ملک پر مسلسل حکومت کی اور اس کا خاتمہ بھی ہو گیا، مگر اس ملک کے علم و ادب کی طرف انھون نے بہت کم توجہ کی، + + + ہندو جب اُن کی رعایا تھے، تب بھی وہ ہندوؤن کے علم ادب سے بے خبر تھے، + + + امیر خسرو نے یہان کی زبان کی طرف توجہ کی تھی، مگر محض تفریح کے طور پر وہ ہندی زبان مین کچھ کہہ لیا کرتے تھے، ہندوؤن کی کتابون کے مطالعہ کی طرف کبھی اُن کا خیال نہین ہوا، نہ وہ کچھ اُن کی خبر رکھتے تھے"

"مگر عہد اکبری مین جو کچھ ہوا، وہ بہت محدود تھا"

"داراشکوہ نے البتہ ہندوؤن کی اونچے درجہ کی کتابون کی طرف بھی توجہ کی،۔۔۔اس کوشش کی بدولت جو آپنے ہندوؤن کی کتابون کا مطلب جاننے کے لئے کی تھی، آپ کو کفر کا فتویٰ ملا، اور جان دینا پڑی"،

"ملا مسیح کے نام تک کا پتہ نہین چلتا صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ پانی پت کے رہنے والے تھے، اس زمانہ مین کوئی ہندوانہ قصہ لکھنا مسلمانون کے لئے آفت سے کم نہ تھا، ہندوؤن کی کوئی بات اپنے قلم سے لکھنے مین مسلمان مصنف کو کافر بننے کا خوف اتنا تنگ کرتا تھا کہ وہ ایک دم گھبرا جاتا تھا، ملا مسیح نے رامایَن تو لکھی ہے، مگر غریب کو بہت کچھ ثبوت دینا پڑا کہ مین پکا دیندار مسلمان ہون، کافر نہیں ہو گیا ہون، شاید انکو لوگون نے راماین لکھنے پر آمادہ دیکھ کر کافر کہا ہوگا"،

"آپ کے عذر گناہ سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ جہانگیر کے وقت تک بھی ہندوون کی باتون کی طرف متوجہ ہونے سے مسلمان لوگ کافر سمجھے جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانون کو ہندوؤن کے لٹریچر سے سدا محرومی حاصل رہی، اور اس کا سلسلہ آج تک ویسا ہی چلا آتا ہے"،

یہ مضمون اس شخص کے قلم سے نکلا ہے جو کلکتہ کے مشہور اخبار بھارت متر کا اڈیٹر تھا، اردوئے معلّی نے اس کو بغیر کسی قسم کے ریمارک کے شائع کیا ہے، اور ہندوؤن کے مشہور اردو رسالون مین بڑی قدردانی کے ساتھ گردش کرتا رہا ہے،

سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ ہندو و مسلمانون کے اتحاد کی خواہش ظاہر کرتے ہین، یا جو لوگ ان دونون فرقون مین سے کسی فرقہ کے ممتاز اور مسلّم لیڈر ہین، کیا اُن کے قلم سے اسی قسم کے خیالات ظاہر ہونے چاہئین ؟

لیکن اس سے قطع نظر کرکے کیا دراصل یہ واقعات صحیح ہین ؟ کیا مسلمان ہندوؤن کے ادب و تاریخ جاننے کو کفر سمجھتے تھے ؟ کیا داراشکوہ اسی جرم کا شہید ہے ،؟ کیا امیر خسرو کو ہندوؤن کی کتابون کی مطلق خبر نہ تھی ؟ کیا مسیح کی رامایین مسلمانون کے تعصب کی وجہ سے گوشۂ گمنامی مین پڑی رہی ،؟ کیا تاریخ کے صفحون مین مسیح کا کہین پتہ نہین چلتا ؟

اخیر سوال اگرچہ تمام سوالون کی بہ نسبت ، کم درجہ کا سوال ہے ، لیکن ہم کو سب سے پہلے اسی کا جواب دینا چاہیئے ، کیونکہ اس سے اس بات کا اندازہ کرنے کا موقع ملے گا کہ ہمارے مضمون نگار دوست کو مسلمانون کے لٹریچر اور تاریخ سے کس حد تک واقفیت ہے ، مسیح کی نسبت وہ تحریر فرماتے ہین :۔

"مرزا مسیح کے نام تک کا پتہ نہین چلتا"

لیکن فارسی شعرا کا کوئی تذکرہ ایسا نہین ، جس مین مسیح کا نام اور اس کے حالات نہ ہون ، امرائے جہانگیری مین مقرب خان ایک مشہور امیر تھا ، جو اصل مین پانی پت کا رہنے والا تھا ، لیکن کرانہ[1] مین سکونت اختیار کر لی تھی ، مسیح اسی کا پروردہ تھا ، وہ دراصل کرانہ کا رہنے والا تھا ، لیکن چونکہ مقرب خان کے دامنِ تربیت مین پلا تھا ، آقا کی طرح وہ بھی پانی پت کے انتساب سے مشہور ہوگیا ، تذکرون مین اس کی رامایین کا عموماً ذکر ہے ، مآثر الامرا مین رامائین کے چند منتخب اشعار بھی نقل کئے ، ہین[2] ،

مسلمانون نے ہندوون کے علوم و فنون کو جس ذوق و شوق سے سیکھا ، اور ان مین جو مہارت حاصل کی ، اوس کو ہم نے اپنی کتاب تراجم (مندرجۂ رسائل شبلی) مین تفصیل سے لکھا ہے ، افسوس ہمارے ہندو دوست نے اس داستان کا ایک حرف بھی نہین سنا ہے ، ابومعشر فلکی

[1] تزک جہانگیری مین لکھا ہے کہ اس کا اصلی وطن کرانہ تھا [2] مآثر الامرا ، حالات مقرب خان ،

نے دس برس ہندوستان مین رہ کرجس طرح سنسکرت کے علوم وفنون حاصل کیے، ابوریحان بیرونی نے سولہ برس کی مدت مین جس طرح سنسکرت مین کمال پیدا کیا، اور ہندوؤں کی علوم وفنون پر مبسوط کتاب لکھی، (یہ کتاب مع ترجمۂ انگریزی لندن مین چھپ گئی ہے) فیروز شاہ نے جن کتابون کا ترجمہ کرایا، اکبر کے دربار نے سنسکرت کتابون کے ترجمہ کرانے مین جو شاہانہ فیاضیان دکھائین، شہزادہ دانیال کو ہندی زبان کے ساتھ جو شغف تھا، آزاد بلگرامی نے ہندی صنائع وبدائع پر جو مضامین لکھے، قاسم فرشتہ نے اختیاراتِ قاسمی لکھ کر ہندوؤن کے علم طب کو جس طرح فارسی زبان مین منتقل کیا، یہ واقعات اگرچہ ہمارے ہندو دوستون کے کانون تک نہین پہنچے، لیکن مسلمانون کی علمی انجمن کے پارینہ افسانہ ہین، اور اس لیے ہم اُن کو دہرانا نہین چاہتے،

لیکن ایک عام غلطی کا رفع کردینا ضروری ہے، عام خیال یہ ہے کہ بادشاہان ہندوستان مین سے سب سے پہلے جس نے ہندو پنڈتون کو دربار مین دخل دیا، اور سنسکرت کی کتابون کے ترجمے کرائے، وہ شہنشاہ اعظم اکبر تھا، لیکن یہ ایک سخت تاریخی غلطی ہے، اکبر سے سیکڑون برس پہلے سلطان زین العابدین فرمانروائے کشمیر نے اس علمی صیغہ کی بنیاد ڈالی تھی، ہندوون سے جزیہ لینا، بھی اوّل اسی نے موقوف کر دیا تھا، اور گاؤکشی بھی اُس نے بند کرادی تھی،

تاریخ فرشتہ مین سلطان زین العابدین کے حالات مین ہے،

"در معابد مقررۂ ہنود اوقات تعیین نمود، جزیہ را مانع گشت، وگاؤکشی برطرف ساخت وشاہ بر جمیع زبانہا، فارسی، ہندی وتبتی وغیر آن بروجہ کمال مہارت داشت، وبہمہ آنہا حرف میزد، وفرمودہ تا اکثرے از کتب عربی وفارسی بزبان ہندی ترجمہ کردند، وبدین دستور کتاب ہندوی بفارسی ترجمہ کردند وکتاب مہابھارت کہ از کتب مشہورۂ ہنداست نیز فرمودہ تا ترجمہ کردند، وکتاب راج ترنگنی کہ عبارت

از تاریخ بادشاہان کشمیر است، در عہد او تصنیف شدہ، در زمانِ اکبر شاہ ترجمہ مہابھارت را کہ بد عبارت بود، بادیگر، بہ عبارت فصیح آوردند، و تاریخ کشمیر را نیز بہ فارسی ترجمہ کردند"

ہندوؤن کو کاروبارِ سلطنت مین دخل دینا بھی، اکبر کی ایجاد نہین، ابراہیم عادل شاہ جو دکن کا مشہور بادشاہ گذرا ہے، اور اکبر سے بیس بائیس برس پہلے یعنی ۹۴۲ھ ہجری مین تخت نشین ہوا، اوس نے تمام کاروبارِ سلطنت ہندوؤن کے ہاتھ مین دیدیا تھا یہانتک کہ دفتر کی زبان بھی بدل دی تھی، یعنی فارسی کے بجاے ہندی کر دی تھی، تاریخِ فرشتہ مین اُس کے حالات مین لکھا ہے،

"دفتر فارسی برطرف ساختہ، بہامنہ (یعنی برہمن) را صاحب داخل گردانید"

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ ابراہیم عادل، اکبر کی طرح ضعیف المذہب نہ تھا، بلکہ سخت مذہبی آدمی تھا، اس کا خاندان ایک مدت سے شیعی مذہب تھا لیکن اوس نے مذہب حنفی اختیار کیا، اور تمام ملک مین اس کو رواج دیا،

اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہین، لیکن ہم اس وقت ان جزئیات سے بحث کرنی نہین چاہتے، اکبر، ابراہیم عادل، فیروزشاہ، ابو معشر فلکی، ابوریحان بیرونی، فیضی، غلام علی آزاد نے جو کچھ کیا، گو بہت کیا، لیکن اس سے اصل بحث کا فیصلہ نہین ہوتا، اکبر وغیرہ فرمانروا تھے، اس لئے انھون نے جو کچھ کیا، ممکن ہے کہ ملکی مصلحتون کے لحاظ سے ایسا کرنے پر مجبور تھے، ابوریحان بیرونی وغیرہ کے کارنامے بھی علمی مذاق کے جوش کی طرف منسوب ہو سکتے ہین، اس سے اس بات کا ثبوت نہین ہوتا کہ وہ ہندوؤن کے علوم و فنون کے مداح و معترف بھی تھے،

آج یورپ والے ادنی قوموں کی زبان اور اُن کے علوم وفنون سیکھتے ہین، لیکن مدح وتحسین کے لئے نہین، بلکہ محض واقفیت کے لئے، بلکہ کبھی کبھی صرف ہنسی اُڑانے کے لئے،

اصل سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان ہندوؤن کے علوم وفنون کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے؟ کیا ان کو ہندوؤن کی سرزمین سے، مذہب سے، زبان سے کسی قسم کا مذہبی تعصب نہین تھا،؟ ہمارے ہندو مضمون نگار نے اس سوال کا جواب صاف لفظون مین یہ دیا ہو کہ ہندوؤن کے علوم اور زبان کی طرف متوجہ ہونے کو مسلمان کفر خیال کرتے تھے،

ہمارے ہندو دوست کی تاریخ دانی سے اسی جواب کی توقع ہو سکتی تھی لیکن حقیقتِ حال یہ ہے کہ مسلمانون نے نہ صرف ہندوؤن کے علوم وفنون کو بلکہ ہندوستان کی سرزمین کو بھی اس وقعت کی نگاہ سے دیکھا کہ کسی اجنبی قوم سے کبھی توقع نہین کی جاسکتی،

اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہو کہ ہندوستان کی فضیلت نے مذہبی حیثیت پیدا کی، اور حدیث وتفسیر کی مقدس کتابون مین اس قسم کی روایتین درج کی گئین،

مولوی غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب غزلانُ الہند کے دیباچہ مین اپنی کتاب کی تصنیف کی غرض یہ بیان کی ہے۔

"اول این کہ ذکر ہندوستان بہشت نشان از کتبِ تفسیر وحدیث رقم باید ساخت"

علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر در منثور مین ابن جریر، حاکم، بیہقی، اور ابن عساکر سے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے،

اطیب ریحاً ارض الہند — سب سے زیادہ خوش ہوا ہندستان کی سرزمین ہو؛

اسی کتاب مین متعدد روایتین اس مضمون کی نقل کی ہے کہ حضرت آدمؑ بہشت سے نکل کر ہندوستان مین آئے، اور اپنے ساتھ وہان کی خوشبودار ریاحین بھی لیتے آئے ایک شاعر نے اسی مضمون کو اس پیرایہ مین ادا کیا ہے،

ہند است کہ نعم البدل فردوس است

آدم ز بہشت بین کہ افتاد بہ ہند

اگرچہ یہ حدیثین اور روایتین قطعاً موضوع اور جعلی ہین، لیکن اس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کی خوبی اور لطافت کے متعلق مسلمانون کا کیا خیال تھا،

ہندوستان کے علوم وفنون کو مسلمانون نے جس نگاہ سے دیکھا اسکی کیفیت یہ ہے کہ آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب غزلان الہند مین شیخ علی رومی کی کتاب محاضرۃ الاوائل ومسامرۃ الاواخر سے یہ فقرہ نقل کیا ہے،

اوّل موضع وصفت فیہ الکتب وانفجرت منہ ینابیع الحکمۃ کان الھند،	سب سے پہلے جس سرزمین مین کتابین تصنیف کی گئین، اور جہان سے حکمت کا چشمہ نکلا وہ ہندوستان ہے،

ملا محب اللہ بہاری نے مسلم الثبوت مین لکھا ہے،

بعض بزرگون نے مجھ سے بیان کیا کہ ہندوستان کے شمالی پہاڑون مین مین نے ایک برہمن کو دیکھا جس کو ایسے کلیات معلوم تھے، جن کے ذریعہ سے وہ ہر زبان کو سمجھ لیتا تھا،

آزاد بلگرامی غزلان الہند مین لکھتے ہین،

"جمہور اتفاق دارند کہ حکماے یونان در علوم ریاضی قصب السبق از دانایان جہان

ربودہ اند الاحساب و موسیقی کہ درین دو فن ہندیان پیش قدم اند، واین دو فن را بجائے رسانیدہ اند کہ فوق آن متصور نیست، و علمائے ولایت دیگر، اکثر قواعد علم حساب را از ہندیان بر گرفتہ اند اما قواعد علم موسیقی را حدے از دانایان ولایت دیگر تا این زمان از نغمہ سرایانِ ہند اخذ نہ کردہ، واختصاص این فن تا حال با اہلِ ہند مسلم"

اسی کتاب میں ایک موقع پر لکھتے ہیں :-

"آمدم برین کہ دانانِ ہند در اختراع فنِ بدیع بسر خود اند، نہ از خرمنِ عرب خوشہ چیدہ اند، نہ از مساغر فرس قطرہ چشیدہ، چہ زمانۂ علم و علمائے ایشان قدمے دارد کہ در جانب ازل حد آن معلوم است"

علامہ آزاد نے غزلان الہند کے دیباچہ میں تالیفِ کتاب کے جو اسباب لکھے ہیں، ان میں دو سبب یہ ہیں،

"سوم این کہ بعضے صنائع علم ہندی را تعریب باید نمود"

"چہارم این کہ فن نائکا بھید را کہ ماہیتش بجائے خود بیان شود، از ہندی بہ عربی باید برد، واین ارمغانِ شگرف را کہ مخصوص ہندیان ست، بہ خدمت عرب عربا باید سپرد"

سلطان فیروز شاہ جو سلطان محمد تغلق شاہ کا برادر عم زاد اور ۷۵۲ھ میں تخت نشین ہوا تھا، جب کانگڑہ کی تسخیر کے لئے گیا اور جوالا مکھی کی سیر کی، تو وہاں کے کتب خانہ کو بھی دیکھا، تاریخ سیر المتاخرین میں جہاں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے لکھا ہے،

"ونیز دران مکان کتب بسیارے از براہمہ سلف یافتند، سلطان علمائے آن طائفہ را بجہنور خویش طلب داشتہ مضامین آن را شنیدہ محظوظ گردید"

وفرمود بعضے ازان کتبؒ را بہ فارسی ترجمہ کنند تا مطلب آن درست و بہ آسانی فہمیدہ آید، مولانا عزالدین حسب الامر کتابے در حکمت طبیعی از آن کتب چیدہ مطالب آن را در سلک نظم کشید، و بکتاب فیروزشاہی موسوم گردانید، سلطان بغایت پسندیدہ بہ صلہ آن نقود و بسیارے از طلا و نقرہ با اضافہ جاگیر مرحمت کرد، و مضمون آن کتاب اکثر اوقات مذکور محفل سلطانی می شد"

ہمارے ہندو دوست فرماتے ہین کہ ہندوؤن کے علوم و فنون کی طرف توجہ کرنے سے مسلمان معرضِ خطر مین پڑ جاتا تھا، اور کافر خیال کیا جاتا تھا لیکن عبارتِ مذکورۂ بالا سے معلوم ہوا کہ خطرے کے بجاے ہندی تصنیفات کے ترجمہ کرنے سے انعام اور منصب و جاگیرین ملتی تھین، ع :-

بہ بین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا،

یہ بھی ملحوظ رہے کہ فیروزشاہ اکبر کی طرح دنیاساز اور ظاہر دار نہین تھا، بلکہ ٹھیٹ مسلمان اور سخت پابند مذہب، اور ان باتون کے ساتھ نہایت عادل اور انصاف پرست تھا،

حضرت امیر خسرو دہلوی نے ایک مثنوی نو بحرون مین نہ سپہر نام لکھی ہے، اس مین ایک مستقل باب ہندوستان کے فضائل کا قائم کیا ہے، اور فضیلت کے مختلف وجوہ قرار دیئے ہین، ان وجوہ مین سے ایک وجہ فضیلتِ علمی قرار دی ہے، اور اس پر دس دلیلین قائم کی ہین جن مین سے بعض حسب ذیل ہین،

۱- یہان تمام دنیا کی بہ نسبت علم نے زیادہ وسعت حاصل کی،

۲- ہندوستان کے آدمی دنیا کی تمام زبانین حاصل کر سکتے ہین، لیکن اور کسی کا آدمی

لہ تاریخ فرشتہ مین لکھا ہے کہ ۱۳۰۰ کتابین تھین جن مین سے بعض کتابون کا ترجمہ بھی ہوا،

ہندی زبان نہین بول سکتا،

۳- ہندوستان مین دنیا کے ہر حصہ کے لوگ علم کی تحصیل کے لئے آئے لیکن کوئی ہندی تحصیل علم کے لئے ہندوستان سے باہر نہین گیا،

۴- علم حساب مین صفر، ہندوستان کی ایجاد ہے،

۵- کلیلہ دمنہ جو تمام دنیا کی زبانون مین ترجمہ ہوئی، ہندوستان کی تصنیف ہے،

۶- شطرنج ہندوستان کی ایجاد ہے،

۷- موسیقی کو جو ترقی ہندوستان مین ہوئی، کہین نہین ہوئی،

ناظرین کی دلچسپی اور مزید اطمینان کے لئے ہم کتاب مذکور کے اصل اشعار حاشیہ مین نقل کر دیتے ہین[1]

---

[1] تا نہ بود در سخن بندہ شکے — حجت این گفت دہ آرم نہ یکے
اولش آن شد کہ درین ملک دُن — علم ہمہ جاست ز اندازہ فزون
ہست دوم آن کہ ز ہند آدمیان — جملہ بگویند زبان ہا بہ بیان
لیک از اقصاے دگر ہر کسے — گفت نیارد سخن ہند بسے
ہست خطا و مغل و ترک و عرب — در سخن ہندوی ما بستہ لب
حجت سوم نگر از من بہ خرد — کان زرہ عقل، قبول است نہ رد
کین طرف از ہر طرفے اہل ہنر — در طلب علم و ہنر کرد گذر
لیک بہ تحصیل حکم بہر شرف — برہمن از ہند نہ شد ہیچ طرف
نیست نہان آن کہ سوے ہند مگر — کرد ابو معشر دانندہ گذر
آمدہ دو سال در آموخت سخن — در حد با فارسی آن شہر کہن

حضرت امیر خسرو نے صرف ہندوؤں کی علمی فضیلت ہی ثابت کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اُن کے مذہب کا بھی اسلام کے علاوہ، اور تمام مذاہب سے مقابلہ کیا ہے، اور ترجیح دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں :-

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲۶)

بس فنِ تنجیم در آموخت جہان — کز حکما برد درین شیوہ عنان

ہست یقین آن کہ درین علم کسے — نیست چو او، تجربہ کردم بسے

اور قسم خود کہ نمودست ہمہ — آن ز سیاہی ہندوست ہمہ

حجت چارم رقسم ہندسہ بین — کاہل جہان وضع ندیدند چنین

ہم بہ یکے صفر کہ نقشے است تہی — بین چہ رموز است چو خطیش دہی

واضع این تختہ آسا نام یکے — بود برہمن کہ درین نیست شکے

ہندسا شد چو از و نام عدد — ہندسہ تخفیف شد از اہل خرد

وضع وی از برہمن نادرہ بین — حکمت یونان شدہ محتاج برین

حجت ششم بہ بیان شرح کنم — مدعیان را بہ خود جرح کنم

دمنہ کلیلہ زدود دام سخن — آن کہ ہم از ہند مثالے است کہن

گشت چو بودست بہ معنی ہنرے — پارسی و ترکی و تازی درے

حکمت ازین بہ چہ بود، کز ہمہ سو — سوے دے آرند حکیمان ہمہ رو

حجت ششم بازی شطرنج شنو — انچہ کہ از سینہ بر درنج ہشنو

ہست ہم از ہند یکے وضع گران — این فن طرفہ کہ درو نیست کران

ز و حد و اندازہ بجستند بسے — غایت و پایانش ندانست کسے

برہمن از ہستی اورا نده نفس | از ثنوی کش به دوی رفته و بس
عیسویان، زوج دو ولد بسته برو | ہندوازین جنس نه پیوسته برد
قوم مجسم رقسم جسم زده | برہمنان نے دم ازین قسم زده
اختریان ہفت خدا برده گمان | گفته یکے ہندو ثنابت ہمہان
قوم مشبه سوے تشبیه شده | ہندوازین ہاش به تنزیه شده
خلق دگر نور وظلم خوانده بدل | ہندو این ہا ہمہ پیوند گسل

ان اشعار مین ہندو مذہب کی ترجیح کے وجوه یه بیان کئے ہین که ثنوی فرقه

(بقیه حاشیه ص ۲۲۷)

چون ہمه گشتند به اجماع زبون | کین چنین از صورت امکانست برون
برتری از ہند نجستند ہمه | معترف عجز نشستند ہمه
حجت ہشت آن که سر دو خوش ما | کوست بسوز دو دل و جان آتش ما
ہر ہمه دانسته که در جمله جہان | نیست برین گو نه واین نیست نہان

اسی باب مین اس سے پہلے ہندوؤن کے علوم وفنون کی عام طور پر تعریف کی ہے چنانچہ کہتے ہین،

منطق وتنجیم وکلام است درو | ہرچه که جز فقه، تمام ست درو
برہمنے ہست که در علم وخرد | دفتر قانون ارسطو بدرد،
علم دگر ہرچه ز معقول سخن | بیش ترے ہست بر آئین کہن،
وانچه طبیعی وریاضی ست ہمه | ہیئات مستقبل وماضی است ہمه
رومی از ان گوشه که افگند برون | ہندوگان راست، از ان پایه فزون

خدا کو دو مانتا ہے، بخلاف اس کے ہندو ایک مانتے ہین، عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے ہین، لیکن ہندو اس قسم کے عقائد کے قائل نہین، فرقہ مجسمہ خدا کو صاحب جسم مانتا ہے لیکن ہندو ایسا اعتقاد نہین رکھتے، ستارہ پرست سات خدا مانتے ہین، لیکن ہندو اس قسم کے عقائد کے قائل نہین، فرقہ مشبہہ خدا کو ممکنات سے تشبیہ دیتے ہین، ہندو اس کے خلاف ہین، پارسی نور و ظلمت، دو خدا مانتے ہین، لیکن ہندو اس خیال سے بری ہین،

اسی کتاب مین حضرت امیر خسرو نے سنسکرت سیکھنے کا بھی ذکر کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہین :-

من قدرے بر سر این کار شدم　　　در دل شان محرم اسرار شدم

ہرچہ باندازۂ خود در مزخرد　　　جستم ازان قوم و نہ بود اندرو[۵]

ہمارے ہندو دوست تحریر فرماتے ہین کہ

"جہانگیر کے وقت تک بھی ہندوؤن کی باتون کی طرف متوجہ ہوتے سے مسلمان لوگ کافر سمجھے جاتے تھے،

لیکن خود جہانگیر کا یہ حال تھا کہ اوس زمانے مین جو بڑے بڑے پنڈت اور سنیاسی موجود تھے، اور جنگلون یا کھوؤن مین زندگی بسر کرتے تھے، دشوار گذار راستہ طے کرکے اون کے پاس جاتا تھا، اور نہایت خوش اعتقادی کے ساتھ اُن سے ہندو

---

۵ امیر خسرو کے ان اشعار کے پڑھنے کے بعد مضمون نگار صاحب کی اس راے پر نظر ڈالو کہ "امیر خسرو نے یہان کی زبان پر توجہ کی تھی، مگر محض تفریح کے طور پر، ہندوؤن کی کتابون کے مطالعہ کی طرف کبھی اُن کا خیال نہین ہوا، نہ وہ اُن کی خبر رکھتے تھے" یہ ہمارے ناصربان بھائیون کی تحقیقات،

مذہب کے حقائق و معارف سیکھتا تھا،

جہانگیر کے زمانہ میں سب سے زیادہ مشہور سنیاسی اور ویدانت کا عالم جدروپ تھا، جہانگیر جس شوق سے اس سے ملنے گیا ہے، اور جس خلوص و اعتقاد سے اس کی باتیں سنی ہیں، اس کا حال خود تزک جہانگیری میں لکھتا ہے:۔

"مکرر شنیده بودم کہ سنیاسی مرتاضی جدروپ نام کہ چندین سال است کہ نزدیک بمعمورۂ اجین در گوشۂ صحرا از آبادانی دور متوجہ و مشغول پرستش معبود حقیقی ست، خواہشِ صحبتِ او بسیار داشتم، وقتیکہ در دار الخلافتِ آگرہ بودم می خواستم کہ او را طلبیده ببینم، نا بتہ ملاحظۂ تصدیعِ او کرده نطلبیدم چون بحوالی شہر او کور رسیدم، از کشتی برآمده نیم پا ذکرده پیاده بہ دیدنِ او متوجہ گشتم"

علم بیدانت را کہ علم تصوف باشد، خوب ورزیده، تا شش گھڑی بہ او صحبت داشتم سخنانِ خوب مذکور ساخت، چنانچہ خیلے در من اثر کرد"[1]

اسی کتاب میں ایک دوسرے موقع پر لکھتا ہے،

"باز خاطر را بہ ملاقات گسائیں جدروپ رغبت افزود، بے تکلفانہ بہ کلبہ او شتافتہ صحبت داشتہ شد، سخنان بلند درمیان آمد، حق جل و علی غریب توفیقے کرامت فرمودہ، فہم عالی و فطرت بلند و مدرکۂ تند را با دانش خداداد جمع، و دل از تعلقات آزاد ساختہ، پشت پا بر عالم و ما فیہا زده، در گوشۂ تجرید مستغنی و بے نیاز نشستہ، روز یک شنبہ چہارم باز بہ ملاقاتِ گسائیں

[1] تزک جہانگیری ص ۱۷۵ و ۱۷۶،

رفتہ از وداع شدم ۔ بے تکلف ، جدائی از صحبتِ او بر خاطر حقیقت گزین گرانی نمود“ [۱]

ان الفاظ کو پڑھو ، اور انصاف کرو کہ کیا کسی شخص کے ساتھ اس سے زیادہ خوش اعتقادی ، اخلاص اور گرویدگی کا اظہار کیا جا سکتا ہے ، ایک ایسے باعظمت شہنشاہ کا ایک ہندو فقیر بے نوا کے پاس پاؤ کوس زمین پا پیادہ چل کر جانا ، چھ چھ گھڑی تک اوس کی خدمت مین حاضر رہنا ، اوس کی باتون سے کمال درجہ متاثر ہونا ، اوس کے فضائل وکمالات ، اور قطع تعلقاتِ دنیاوی پر حیرت ظاہر کرنا ، چلتے وقت اوس کی جدائی کا سخت افسوس ہونا ، کیا اسی کا نام تعصب ہے ، ؟ کیا ایک ہندو بھی کسی اپنے ہم مذہب پیشوا کے ساتھ اس سے زیادہ خلوص اور عقیدت ظاہر کر سکتا ہے ، ؟

جہانگیر کی یہ حالت جدروپ کے ساتھ مخصوص نہ تھی ، وہ عموماً ہندو علما ، وفضلا ، کی صحبت پسند کرتا تھا ، تزک مین اس قسم کے بہت سے واقعات درج کئے ہین ، ایک موقع پر لکھتا ہے ،

” درہمین منزل شب شیورات واقع شد ، جوگی بسیار جمع آمدہ بودند ولوازم این شب بہ فعل آمدہ وبا دانایان این طائفہ صحبتہا داشتہ شد “

جہانگیر کے زمانہ مین ایک اور سنیاسی صاحبِ کمال تھا ، جہانگیر اوس کی خدمت مین بھی حاضر ہوا ، چنانچہ خود تزک جہانگیری مین لکھتا ہے ،

” درکنار تال کاکرایہ ، سینائی کہ از مرتاض طائفہ ہنود اند ، کلبۂ درویشانہ ساختہ

---

[۱] تزک جہانگیری ص ۲۷۹ و ۲۸۰ ،

منزوی بود، چون خاطر ہموارہ بہ صحبتِ درویشان راغب است، بے تکلفانہ بہ ملاقات اوشتافتم وزمانے ممتد صحبتِ اورا دریافتم، خالی از آگہی ومعقولیت نیست، وبہ آئینِ دینِ خود از مقدماتِ صوفیہ وقوف تمام دارد[۱]"

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ وہی جہانگیر ہے، جس کی نسبت ہمارے ہندو دوست نے اسی مضمون مین لکھا ہے،

"جہانگیر کی توجہ اس طرف (یعنی ہندوؤن کی باتون کی طرف) نہ تھی، اپنی رام رنگی سے (شراب کا نام ہے) حضرت کو فرصت ہی کہان تھی . جو اور طرف متوجہ ہوتے"

اس امر کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے کہ جہانگیر اپنے باپ کی طرح ضعیف المذہب اور سست عقیدہ نہ تھا، بلکہ مذہبی باتون مین نہایت تعصب رکھتا تھا، وہ اکبر کی طرح ہندوؤن کے عقائد کا معترف نہ تھا، بلکہ اُن سے مذہبی مباحثہ کیا کرتا تھا ایک مناظرہ کا ذکر خود اپنی تزک مین کیا ہے، اور فخر کے لہجہ مین لکھا ہے کہ ہندو آخر ساکت ہو گئے صوبہ بہار کا راجہ جس کا نام روزافزون تھا، اُسی کی فیضِ صحبت سے اسلام لایا چنانچہ تزک مین لکھتا ہے :-

"روزافزون کہ از راجہ زادہاے معتبر صوبۂ بہار بود، واز خوردی باز بخدمت حضور قیام می نمود، ادرا بشرف اسلام مشرف ساختہ "

بااین ہمہ اوس کی بے تعصبی کا یہ حال تھا کہ جب کسی شخص کو مرید کرتا تھا (سلاطین تیموریہ لوگون کو مرید بھی کیا کرتے تھے، اور اون سے بیعت بھی لیتے تھے) تو اوس سے یہ

[۱] صفحہ ۲۲۳، مطبوعہ علی گڈھ،

اقرار لیتا تھا کہ کسی مذہب و ملت سے عداوت نہ رکھے گا چنانچہ خود لکھتا ہے :-

"در وقت ارادت آوردن مریدان، چند کلمہ بطورِ نصیحت مذکور می گردد، باید کہ وقتِ خود را بہ دشمنی ملتے، از ملتہا تیرہ و مکدر نسازند، با جمیع ارباب ملل طریق صلح کل مرعی دارند"[۱]

ملا مسیح اور اون کی رامائن کے متعلق جو خیالات ہمارے ہندو دوست نے ظاہر کئے اس کی یہ کیفیت ہے کہ بے شبہہ رامائن کو قبولِ عام نہین حاصل ہوا، لیکن اس کی وجہ تعصب نہین ہے، مسیح ایک معمولی درجہ کا شاعر تھا، اوس کے کلام مین فارسیت کا مزہ بالکل نہین اساتذۂ فن مین وہ کبھی شمار نہین کیا گیا، وہ رامائن کے بجائے، اگر صحابہ کے حالات بھی لکھتا تب بھی کوئی نہ پوچھتا، رامائن کو اس قدر مقبولیت بھی ہوئی تو صرف اس وجہ سے کہ ایک نیا مضمون تھا، فردوسی نے شاہنامہ مین گبرون کے قصے لکھے، صولت ترکستانی نے صولتِ فاروقی مین حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے فتوحات نظم کئے، اور فردوسی کو گالیان دین کہ اوس نے کافرون کے نام کو کیون زندہ کیا، چنانچہ فرماتے ہین،

ازین پیش شاید سخن گوی طوس ... بہ دروغ سخن آتش از جوی طوس
بنخ مغ نسب گبر آتش پرست ... بہ بعیت، بہر موبدے دادہ دست
دلش گبر و جان گبر و گبری بازن ... زگبران بگیری زبان قصہ خوان

لیکن نتیجہ کیا ہوا ؟ **فردوسی** کا شاہنامہ بچے بچے کی زبان پر ہے، اور صولتِ فاروقی کا کوئی نام بھی نہین جانتا، اگر مسلمانون مین تعصب ہوتا، تو نتیجہ اس کے برعکس ہونا چاہیے تھا، ملا مسیح صاحب اگر خود بانیِ اسلام کے حالات لکھتے، تب بھی مقبول

---
[۱] تزک جہانگیری ص ۲ ؛

نہ ہوتے،

ملّا مسیح کے جو اشعار ہمارے ہندو دوست نے نقل کئے ہین، بے شبہہ وہ تعصب سے لبریز ہین، لیکن مسلمانون کے تعصب کا اندازہ حضرت امیر خسرو، ابو معشر فلکی، ابو ریحان بیرونی، عبدالجلیل بلگرامی، فیضی، ملک محمد جائسی، آزاد بلگرامی، سلطان فیروز شاہ، ابراہیم عادل شاہ، اکبر، جہانگیر، دانیال، عبدالرحیم خانخانان، سے کرنا چاہیئے؟ یا بیچارے مسیح پانی پتی، اور صولت ترکستانی سے جن کو کوئی جانتا بھی نہین،

(مقالات شبلی مطبوعہ لکھنؤ)

مکینکس اور مسلمان

مکینکس یونانی لفظ ہے۔ انگریزی میں بھی لفظ مشین بن گیا ہے، جس کو ہماری زبان میں کل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ فن آج کل اگرچہ بے انتہا ترقی کر گیا ہے، لیکن اس کا وجود بہت قدیم زمانہ سے ہے۔ یونان میں وہ علمی حیثیت سے حاصل کیا جاتا تھا، اور مسلمانوں نے جب یونان کے علوم و فنون سیکھے، تو صرف علم پر قناعت نہیں کی، بلکہ اس فن سے عملی کام بھی لئے۔ عربی زبان میں اس کا نام علم الحرکات، و علم الحیل ہے، لیکن یونان کا اصلی لفظ بھی صورت بدل کر مستعمل ہے، یعنی منجنیق جو عربی زبان میں بکثرت مستعمل ہے، اور جس کے اشتقاق کے بیان میں ہمارے علمائے لغت نے سخت غلطیاں کی ہیں، دراصل اسی یونانی لفظ مکانک کا معرب ہے، البتہ اس قدر فرق ہے کہ منجنیق کا استعمال اب عام حیثیت سے نہیں رہا، بلکہ ایک خاص آلہ کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

مسلمانوں میں اس فن کی ابتدا اسی وقت سے ہوئی، جب دولت عباسیہ میں یونانی تصنیفات ترجمہ ہونی شروع ہوئیں، چنانچہ اور علوم و فنون کے ساتھ اس فن کی بھی تمام کتابوں کا ترجمہ ہو گیا، ان میں سے ہم کو جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے، اُن کی تفصیل ذیل میں ہے:

کتاب عمل آلة التی تعرف المنابادق تصنیف ارشمیدس۔

کتاب الدوائر والدوالیب تصنیف ہرقل بخار،

کتاب فی الاشیاء المتحرکۃ من ذاتہا تصنیف ایرن،

کتاب آلۃ الزمرا لبوقی، کتاب آلۃ الزمرا لیرمی،

کتاب الدوالیب تصنیف مارطس،

کتاب الارغنون[۱]،

کتاب ایرن فی الجرالثقیل،

ان کتابون مین سے پہلی اور آخر کتاب آج بھی لندن کے کتب خانہ برٹش میوزیم مین موجود ہے، پہلی کتاب مین تصویرین بھی بنی ہوئی ہین[۲] یونانی تصنیفات سے مطلع ہوکر مسلمانون نے خود اس فن مین نئی نئی باتین اختراع کین، اور مستقل اور جدید کتابین لکھین، بنو موسیٰ نے جو مامون کے دربار کے مشہور فلاسفر تھے، اس فن مین جو کتاب لکھی، اور جس کا نام غلطی سے کتاب الحیل مشہور ہوگیا، نہایت محققانہ اور ایجادانہ کتاب ہے، مورخ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ اس کتاب مین کئی طرح کے مکانیکل عمل کا بیان ہے، مورخ ابن خلکان نے جو ساتوین صدی ہجری مین موجود تھا، لکھا ہے کہ مین نے اس کتاب کو پڑھا ہے، اس مین عجیب عجیب نادر باتین ہین، اور اس فن کی تمام کتابون سے افضل ہے،

پروفیسر سیدیو (Sedillot) جو فرانس کا مشہور مصنف ہے، اپنی کتاب Histoire generale des arabes، صفحہ ۲۲۹ جلد دوم مین لکھتا ہے کہ ہم کو اس بات کے بیان کرنے کی ضرورت نہین کہ مسلمانون کے عہد مین مکینکس کا فن کمال کی

---

[۱] دیکھو کتاب الفہرست مطبوعہ یورپ ص ۲۸۵ [۲] دیکھو فہرست کتب عربی موجودہ کتب خانہ برٹش میوزیم بزبان لاطینی ص ۱۹۰ [۳] کتاب الفہرست ص ۲۸۵،

کس حد تک پہونچ گیا تھا،

پروفیسر لیبان فرانسیسی (Le Bon) اپنی کتاب (La civilisation des a-)
مین لکھتا ہے کہ عربوں کو مکینکس کی اور خصوصًا عملی مکینکس کی بہت واقفیت حاصل تھی، وہ آلات
جو اُن کے بنائے ہوئے آج بھی ہم کو مل سکتے ہین، اور وہ واقعات جو اُن کے متعلق قدیم مورخون
نے لکھے ہین، اُن سے عربون کی لیاقت کا ایک بلند خیال پیدا ہوتا ہے، یہ امر یقینی ہے کہ عرب
کے پاس پنڈلم (لنگر) والی گھڑیان تھین جو ان کی گھڑیوں سے بالکل مختلف تھین، یہ بات ان بیانات
سے جو چند مصنفون نے لکھے ہین ثابت ہوتی ہے خصوصًا طالبید (Ta...) ثنجین صاحب کے
بیان سے جو بارھوین صدی عیسوی مین فلسطین گیا تھا، اور جس نے دمشق کی مسجد کی گھڑی کا حال
لکھا ہے،[1]

سب سے پہلی ایجاد اس فن کے متعلق جو بیان کی جاتی ہے، وہ وہ گھڑی ہے جو ہارون الرشید
نے شارلمین شہنشاہ فرانس کو بھیجی تھی، یورپ کے اکثر مورخون نے اس کا ذکر کیا ہے اور پروفیسر
سدیو نے مکانکس کی ترقی کے ثبوت مین اسی گھڑی کا نام لیا ہے، ان مورخون کا بیان ہے کہ اس
گھڑی مین چھوٹے چھوٹے بارہ دروازے تھے، ہر گھنٹہ کے گذرنے پر گھنٹوں کی تعداد کے موافق دروازے
کھلتے تھے، اور اسی تعداد کے موافق تانبے کی گولیان ایک آہنی توے پر گر کر آواز دیتی تھین، یہ دروازے
برابر کھلے رہتے تھے، یہان تک کہ جب دورہ پورا ہوجاتا تھا تو بارہ سوار دروازون سے نکل کر گھڑی کی
بالائی سطح پر چکر لگاتے تھے،

مسٹر پامر نے اس گھڑی کے وجود سے اس بنا پر انکار کیا ہے کہ عرب کے مورخ اس واقعہ
کا ذکر نہین کرتے، لیکن مسٹر پامر کو معلوم نہین کہ مورخین عرب نے سیکڑون ہزارون واقعات قلم انداز

[1] دمشق کی مسجد کی گھڑی کا حال آگے کسی قدر تفصیل کے ساتھ آتا ہے۔

کر دیئے ہین جن کا ثبوت اور اور طریقہ سے قطعاً معلوم ہے، مورخین عرب نے تو سرے سے شارلمین کی سفارت ہی کا ذکر نہین کیا ہے، کیا مسٹر بامر کو اس سے بھی انکار ہوگا، یورپ کے مورخون نے جو اس واقعہ کا ذکر کیا ہی نہایت قوی حوالون کے ساتھ کیا ہی، مثلاً پروفیسر سیدیو نے ایجنی (Marigny) اور ایجی نارٹ (Egiukarl) کی تصنیفات کی شہادت پیش کی ہے؛ اور آخر الذکر شخص خود شہنشاہ شارلمین کے زمانہ مین موجود تھا،

البتہ یہ تعجب ہو کہ ہارون الرشید نے شارلمین کو جو تحفے بھیجے تھے، وہ اب تک فرانس کے معبد پانیتون مین موجود ہین، لیکن گھڑی کا پتہ نہین، احمد زکی مصری جس نے ۱۸۹۲ء مین یورپ کا سفر کیا، وہ اس عمارت کے ذکر مین لکھتا ہے کہ "یہان ایک مشرقی سیاح کے لئے جو چیز زیادہ دلچسپی کا سبب ہو سکتی ہے، وہ، وہ کمرہ ہے جس کی دیوارون پر شارلمین کی تصویر اس ہئیت سے بنائی ہے، کہ وہ ہارون الرشید کی سفارت کا استقبال کر رہا ہے، اور سفارت کے ہاتھ مین بیت المقدس کی کنجیان ہین، جو ہارون الرشید کو شارلمین نے تحفہ مین بھیجی ہین، یہان دو ریشمی پردے بھی ہین جن کی قیمت ۶۴ ہزار روپیے ہین،

بہرحال اس گھڑی کا وجود ثابت ہو یا نہ ہو لیکن اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ مسلمانون کے عہد مین اور بہت سی گھڑیان اور میکانیکل آلات تیار ہوئے جن مین سے بعض کا ذکر ہم اس موقع پر لکھتے ہین

علامہ ابن جبیر نے ۵۸۰ھ مین شام و حجاز کا سفر کیا تھا، اپنے سفرنامہ مین دمشق کی جامع مسجد کے ذکر مین ایک گھڑی کا حال ان الفاظ مین لکھتا ہو کہ "باب جیرون کی دیوار مین طاق کی شکل کا ایک دریچہ ہے اور اس مین بارہ چھوٹے پیتل کے طاقچے ہین، ان طاقچون مین بارہ بارہ چھوٹے چھوٹے دروازے ہین، پہلے اور طاقچے کے نیچے دو باز بنے ہوئے ہین، جو پیتل کی تھالیون پر کھڑے ہین، جب ایک گھنٹہ گذرتا ہی تو دونون باز اپنی گردنین بڑھاتے ہین، اور اپنی چونچ سے اُن تھالیون مین ایک

انداز سے پیتل کی گولیان گراتے ہین کہ جادو معلوم ہوتا ہے، گولیون کے گرنے سے گونج پیدا ہوتی ہی، اور طاقچہ کا دروازہ جو اس گھنٹہ کے لئے بنا ہی خود بخود بند ہو جاتا ہے، اسی طرح جب ایک دورہ پورا ہو جاتا ہی تو تمام دروازے بند ہو جاتے ہین؛

دنیا مین اول اول جب گھڑی کی ایجاد ہوئی، تو اس سے صرف گھنٹہ کا حال معلوم ہو سکتا تھا لیکن جتنے گھنٹے گذر چکتے تھے، اُن کی تعداد معلوم نہین ہو سکتی تھی، مسلمانون مین بھی اول اول اسی قسم کی گھڑیان رائج ہوئین دمشق کی اس گھڑی مین دونون باتین دو مختلف ذریعون سے معلوم ہوتی تھین یعنی گھنٹے کے گذرنے کی اطلاع گولیون سے ہوتی تھی، جو مصنوعی بازون کے منھ سے گرتی تھین، اور گھنٹون کی تعداد دروازون سے معلوم ہوتی تھی، کیونکہ جتنے گھنٹے گذرتے تھے، اسی تعداد کے موافق دروازے خود بخود بند ہو جاتے تھے،

اس گھڑی مین رات کے لئے اور تدبیر تھی، اور وہ یہ کہ جو دائرہ ان طاقچون کے گرد تھا اس مین تانبے کے ۱۲ حلقے بنے ہوئے تھے، ہر حلقہ مین دیوار کی طرف شیشہ لگا ہوا تھا، شیشون کے پیچھے شمع تھی، جو پانی کے ذریعہ سے حرکت کرتی تھی، شمع گھنٹون کی ترتیب کے موافق ان حلقون کے سامنے آتی جاتی تھی، اور جس حلقہ کے سامنے آتی تھی وہ سُرخ دکھائی دینے لگتا تھا، یہان تک کہ صبح ہوتے ہوتے تمام حلقے سُرخ ہو جاتے تھے؛[۱]

خلیفہ المستنصر باللہ عباسی المتوفی ۶۴۰ھ نے بغداد مین جو مشہور مدرسہ قائم کیا تھا، اور جس کا نام مستنصریہ تھا اس کے لئے ایک نہایت عجیب غریب گھڑی تیار کرائی تھی، اس گھڑی کی صورت یہ تھی کہ لاجورد کا ایک حلقہ آسمان کی شکل کا بنایا تھا، اور اس مین ایک آفتاب تھا جو برابر حرکت کرتا رہتا تھا؛ علامہ ابن جوزی نے اس گھڑی کی تعریف مین یہ چند اشعار لکھے ہین،

---

[۱] سفرنامہ ابن جبیر مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۷۰ و ۲۷۱ [۲] یہ تمام تفصیل آثار البلاد قزوینی مین ہو دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ ۱۸۴۸ء مقام جرمن صفحہ ۲۱۰

تهدی الی الطاعات منه …   الناس وبالنجم هم يهتدون

صور فيه فلك دائر   والشمس تجری ما لها من سکون

دائرة من لازورد حلت   نقطة التبر فيه سر مصون

گھڑیون کے سوا اس قسم کے اور آلات کا بھی پتہ لگتا ہی۔ سلطان عبدالمومن جو مراکش کا مشہور بادشاہ گذرا ہے، اس کو حضرت عثمانؓ کے اُن قرآنون مین سے ایک قرآن مجید ہاتھ آگیا تھا جو انھون نے اپنے اہتمام سے لکھوا کر مصر و شام و بصرہ و کوفہ مین بھجوائے تھے، عبدالمومن نے اس قرآن کی نہایت قدر کی اور اُس کے لئے ایک کل کا صندوق تیار کرایا جس کی کیفیت علامہ مقری نے اس طرح لکھی ہے، "یہ صندوق عجیب حکمت سے بنایا گیا تھا، جب اس مین کنجی ڈال کر پھراتے تھے تو اس کے پٹ کھل جاتے تھے اور اندر سے ایک خانہ نکلتا تھا جس مین ایک رحل ایک کرسی پر رکھی ہوئی تھی، رحل بغیر کسی کے ہاتھ لگائے خود کھلتی تھی، جب رحل اور چوکی بالکل باہر آجاتی تھی، تو خانہ از خود بند ہوجاتا تھا، کنجی کو جب الٹی طرف پھیرتے تھے، تو خانہ پھر کھل جاتا تھا، اور چوکی و رحل خود صندوق مین جاکر بند ہوجاتی تھین[1]،

البتہ یہ افسوس ہی کہ اس فن سے کوئی بڑا کام نہین لیا گیا، نہ عام پبلک کامون مین اس سے کچھ مدد لی گئی، علم جرثقیل پر مسلمانون کی مستقل تصنیفات موجود ہین لیکن ہم کو معلوم نہین کہ مسلمانون نے دنیا کے ہر حصہ مین جو بڑی بڑی عمارتین بنوائین، اُن مین کبھی جرثقیل سے کام لیا گیا، خلیفہ المتوکل باللہ عباسی کے عہد مین کچھ خفیف سا پتہ چلتا ہے، لیکن وہ اس قدر غیر معین اور مشتبہ ہی کہ ہم اس موقع پر اُس کا ذکر نہین کرسکتے،

(رسائل شبلی مطبوعہ)

[1] نفح الطیب مطبوعہ یورپ جلد اول ص ۴۰۵،

دار المصنفین کی نئی کتاب

اہلِ کتاب صحابہ و تابعین

(مرتبہ مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی)

دار المصنفین میں سیر الصحابہ کی تالیف و تصنیف کا جو مقدس سلسلہ شروع کیا گیا تھا وہ ۱۰، ۱۲ جلدوں پر جاکر ختم ہو گیا تھا، اور اُس نے بحمد اللہ ملک میں بڑا حسنِ قبول حاصل کیا، اور اب تک ایک ایک جلد کے کئی کئی اڈیشن نکل چکے اور کئی زیرِ طبع ہیں، لیکن اس موضوع کے بہت سے گوشے تحقیق طلب باقی تھے، اُن ہی میں سے ایک اہلِ کتاب صحابہ و صحابیات کے سوانح و حالات اور عرب میں اُن کے مذاہب کے شیوع و اثرات کی تاریخ کا بھی ہے، جو ایک مستقل کتاب کا موضوع بن سکتا تھا، اس کتاب کا مقصود اسی کمی کو پورا کرنا ہے، جس میں پہلے ایک مقدمہ ہے جس میں جزیرۂ عرب کے یہود و نصاریٰ کی تاریخ، اور ان کے تمدنی و اخلاقی حالات کی تفصیل کی گئی ہے اس کے بعد حروفِ تہجی کے اعتبار سے اہلِ کتاب صحابہ کے حالات و سوانح اور اُن کی علمی و مذہبی کارنامے درج ہیں، اور اسی ترتیب سے پھر تابعین، اور اُن کے بعد صحابیات اور تابعیات اہلِ کتاب کا تذکرہ قلم بند کیا گیا ہے، اس میں دو نقشے ہیں، ایک پورے جزیرۂ عرب کا ہے، جس میں عرب کے یہود و نصاریٰ کے مرکزی مقامات، اور اُن کے قبائل کی آبادیاں دکھائی گئی ہیں، اور دوسرا مدینہ منورہ کا ہے جس میں وہاں کے یہود کی بستیاں اور وہ مقامات دکھائے گئے ہیں جن سے اُن کا تعلق تھا، قیمت:- للعہ

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

(طابع و ناشر صدیق احمد)